افادات

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ

ضبط وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگہ ہردوئی روڈ، لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب	مجالس صدیق ج/۱
افادات	حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ
مرتب	محمد زید مظاہری ندوی
صفحات	۲۱۶
سن اشاعت	۱۴۲۸ھ
قیمت	۹۰/۰۰ روپئے

ملنے کے پتے

☆ دیوبند وسہارنپور کے جملہ کتب خانے
☆ مکتبہ ندویہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، پوسٹ بکس ۹۳/ لکھنؤ
☆ مکتبہ رحمانیہ ہتورا، باندا، پن کوڈ: ۲۱۰۰۱
☆ مکتبہ الفرقان نظیر آباد لکھنؤ
☆ مکتبہ اشرفیہ ۳۶ محمد علی روڈ بمبئی ۹

فہرست مجالس صدیق

باب ۲

فصل

فصل

فصل

فصل

باب ۳

فصل

باب ۴

باب ۵

باب ۶

باب ۷

باب ۸

تقریظ
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (رحمۃ اللہ علیہ)

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفىٰ۔ اما بعد۔

اہل علم اور اہل نظر جانتے ہیں جن کی دعوت واصلاح کی تاریخ، اہل اللہ بزرگان دین، مشائخ ومصلحین امت کے فیوض وبرکات اوران کی اصلاحی وتربیتی کارناموں پر نظر ہے کہ ان کی اصلاح وتربیت کے وسائل ان کے ارشادات ورہنمائی اوران کے فیوض وبرکات کے شیوع وانتشار اور بقاء وحفاظت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ان کے وہ افادات وملفوظات تھے جوانہوں نے اپنی مجالس عمومی وخصوصی میں ارشاد فرمائے یا وہ مکتوبات تھے جو ان حضرات نے بعض مخلص عقیدت مندوں اور طالبین حق ومعرفت کے رسائل وعرائض کے جواب میں لکھے یا لکھوائے، ملفوظات مکتوبات کے ان مجموعوں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ ایک مختصر تعارفی وتمہیدی مقالہ میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ یہاں پر صرف ایک مجموعہ کا نام لکھا جاتا ہے۔ جو حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل ہے، اوراس کا بلیغ ومعنی خیز نام ''فوائد الفوائد'' ہے۔

ان ملفوظات اور کسی حد تک ان مکتوبات کی خصوصیت میں تنوع، حقیقت پسندی، امراض اور کمزوریوں کا تعین اوران کی تشخیص، ان کے علاج اور ازالہ کے طریقے کی طرف صحیح رہنمائی، کلموا الناس علىٰ قدر عقولهم (لوگوں کے فہم ودانش اوران کے ذہنی سطح کے مطابق تفہیم وموعظت کی کوشش) شامل ہے) ان ملفوظات ومکتوبات کو سامنے رکھ کر ایک سلیقہ مند انسان اس وقت کی زندگی اور معاشرہ کی صحیح تصویر پیش کرسکتا یا دیکھ سکتا ہے، اسی طرح وہ نفس، اخلاق ومعاملات اور انفرادی واجتماعی زندگی کے بہت سے ایسے عیوب اور کمزوریوں سے واقف اوران کے ازالہ وعلاج کے ان قابل عمل طریقوں سے آگاہ ہوسکتا ہے جن کو وہ اخلاق اور تصوف وسلوک کی دقیق عمیق اور قابل قدر واحترام کتابوں کے صفحات ومضامین سے حاصل نہیں کرسکتا۔

ہمارے اس عہد قرب وجوار اور علم وواقفیت کے دائرہ میں (بلاکسی تملق وتصنع کے لکھا جاتا ہے) مولانا سید صدیق احمد صاحب مظاہری بانی جامعہ عربیہ ہتورا (ضلع باندہ) کی ذات

انہیں ربانی علماء اور مربی و مصلح شیوخ میں ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص وللّٰہیت، جذبہ اصلاح وتبلیغ، فہم سلیم، حقیقت شناسی اور حقیقت بینی اور راہِ خدا میں جفاکشی وبلند ہمتی کے اوصاف سے متصف فرمایا ہے۔ اور اظہار حق اور صحیح مشورہ کی جرأت بھی عطا فرمائی ہے۔

آپ کی مجالس میں صحیح طریقہ کی رہنمائی، نفسانی اور قلبی بیماریوں اور کمزوریوں کی نشان دہی، معاشرہ میں پھیلے ہوئے عیوب، خلاف شرع اور خلاف سنت طریقوں اور رواجوں کی مذمت اور ان کے ازالہ کے عزم اور جدوجہد کی دعوت، بزرگان سلف اور عہد کے مستند اور جلیل القدر مشائخ و مصلحین کے اقوال وحکایات اور طریق عمل کا بیان اور ان کی شوق انگیز اور ایمان خیز واقعات ومشاہدات ملتے ہیں، جن کو مولانا کی مجالس میں شرکت اور تعلیم وتربیت سے استفادہ کا موقع ملا ان کو ان مضامین وبیانات کی افادیت اور اثر انگیزی کا اندازہ ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ فاضل عزیز مولوی محمد زید صاحب نے ان افادات وملفوظات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، یہ ایک قابل قدر اصلاحی وتربیتی ذخیرہ تھا جو ان کے مجالس کے ملفوظات ومکتوبات میں پھیلا ہوا تھا، اس کا اندیشہ تھا کہ یہ بیش قیمت ذخیرہ یا تو امتداد زمانہ کے نذر ہو جائے یا خطوط ومکاتیب کے صفحات میں محدود رہ جائے۔

مولانا محمد زید مظاہری ندوی صاحب قارئین معاصرین، مدارس کے فضلاء طلباء، طالبین حق اور اپنی اصلاح وتربیت کے خواہش مندوں کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک مجموعہ میں ان کو جمع کر دیا ہے، جس کا نام "علمی واصلاحی ملفوظات ومکتوبات" (مجالس صدیق) رکھا ہے۔ اس قابل قدر ذخیرہ میں تنوع بھی ہے اور وحدت بھی، وسعت بھی اور مقصد ونتیجہ کی ترکیز بھی، اس سے فضلاء وطلباء مدارس دینیہ، ملت کے مختلف طبقات کے افراد اور انفرادی واجتماعی اصلاح کا کام کرنے والے اور تزکیہ نفس کے خواہشمند فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرمائے۔ جامع ملفوظات ومکتوبات کو جزائے خیر دے۔ اور قارئین کو اس سے پورے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ واللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

ابوالحسن علی ندوی

۲۴ر صفر ۱۴۱۷ھ

مکتوب گرامی

محی السنۃ حضرت مولانا الشاہ ابرار الحق صاحب (رحمۃ اللہ علیہ)

حامداً و مصلیاً و مسلماً

امابعد! علمی دینی حلقوں میں حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ بلاشبہ مولانا کے قابل قدر کارناموں کے پیش نظر اس کی ضرورت تھی کہ ان کی تبلیغی و تعلیمی اور اصلاحی خدمات، قرآن پاک کی تعلیم کے لئے مکاتیب کے قیام کی مساعی، ضعف بیماری کے باوجود دین حق کی اشاعت وحفاظت کے لئے مسلسل شبانہ روز جد جہد اور ان کی زندگی کی نمایاں خصوصیات واوصاف سے موجودہ آنے والی نسلوں کو واقف کرایا جائے تاکہ وہ اپنی اپنی زندگیوں میں اس سے روشنی حاصل کرسکیں، جس کے لئے یہ بہترین ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور امت مسلمہ کے لئے مفید اور نافع بنائے۔ آمین۔

والسلام
ابرار الحق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''انّ العلماء ورثة الانبیاء '' کہ علماء انبیاء کے وارث اور جانشین ہیں، انبیاء کے وارث اور جانشین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں دینی نقطہ نظر سے وہ امت کی پوری رہنمائی کرتے ہیں، علمی میدان ہو یا عملی، علماء ربّانیین کا طرز عمل اور ان کی ہدایات امت کے لئے اسوۃ اور لائحہ عمل کا درجہ رکھتی ہیں، اسی وجہ سے ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل، میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مثل ہیں، نیز ایک حدیث پاک میں آپ نے امت کو حکم دیا ''اَکْرِمُوا الْعُلَماء'' علماء کا اکرام کرو، ایک حدیث پاک میں یہاں تک فرمایا: من لم یُجِل عالمینا فلیس منّا ، جو علماء کا اکرام نہ کرے وہ ہمارا آدمی نہیں، ہمارے طریقہ پر نہیں، ہم اس سے بیزار ہیں، ایک حدیث پاک میں یہاں تک فرمادیا کہ اللہ فرماتا ہے کہ جو میرے ولی کو ستائے اس کے لئے میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔

ان احادیث کی روشنی میں فقہاء ومحدّثین نے علماء ربّانین اور مشائخ کے بہت سے حقوق بیان فرمائے ہیں چنانچہ دینی کاموں میں ان کی نصرت وحمایت اور اعانت کرنے کو حسب استطاعت ضروری قرار دیا ہے، ضرورت پڑنے پر حسب حیثیت اکرام کے ساتھ ان کی مالی خدمت کرنے کو بھی ان کے حقوق میں بیان فرمایا ہے، لیکن یہ سارے حقوق

وفضائل انھیں علماء کے لئے ہیں جنہیں علماء ربّانیین کہا جاتا ہے، جن کی عملی زندگی واقعی اسوہ بنانے کے قابل ہوتی ہے، جو واقعۃً علمی وعملی اور اخلاقی میدان میں نبی کے وارث اور ان کے نقش قدم پر ہوتے ہیں، جن کا عمل علم کے موافق اور اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، جو نبی کے طریقوں اور سنتوں کے عاشق اور اس کی اشاعت کا جذبہ رکھتے اور اس کی کوشش کرتے ہیں، جن کا ظاہر شرع کے مطابق اور باطن عشق خدا اور عشق نبوی سے منور ہوتا ہے، وہ یہود ونصاریٰ اور غیروں کے طور طریق سے بالکل بیزار ونفور رہتے ہیں، جن کی شان یہ ہوتی ہے کہ وقت آنے پر اظہار حق بھی کردیتے ہیں گو تلخ ہی کیوں نہ ہو، لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ کا وہ پورا مصداق ہوتے ہیں، فرائض سے آگے نوافل اور ذکر خداوندی اور تلاوت ان کے معمولات میں شامل ہوتی ہے، وہ کینہ، بغض، حسد، عداوت، غیبت، چغلی اور فضولیات سے کلیۃً پرہیز کرتے ہیں اور اخلاق نبوی ان کا شعار ہوتا ہے، وہ کفایت شعار اور قانع بن کر دنیا میں زاہدانہ زندگی گذارنے کو پسند کرتے ہیں اور حرص ولالچ اور مداہنت سے کوسوں دور بھاگتے ہیں، وہ فحش وبے حیائی وبے پردگی کے قریب بھی نہیں پھٹکتے، وہ طرح طرح کی خرافات ورسومات اور بدعات سے اپنے دامن کو بچاتے ہیں، امت میں جب ایسے علماء پائے جاتے ہیں تو رشد وہدایت کے چشمے پھوٹتے ہیں اور امت میں صلاح وفلاح کے آثار پائے جاتے ہیں۔

الحمد للہ ہمارے اکابر ومشائخ جن کو ہم نے قریب سے دیکھا ہے حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ، محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحقؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور ان کے علاوہ ہمارے اکابر میں سے حکیم الامت حضرت اشرف علی صاحب تھانویؒ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، انھیں مذکور بالا صفات سے متصف تھے، اور ان حضرات کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ دینی مدارس میں پڑھنے والے طلباء اور فارغ ہونے والے علماء بھی انھیں اوصاف سے متصف ہوں، اس کے لئے ہمارے

اکابر نے مختلف کوششیں کیں، مدارس کے طلباء کی اعمال واخلاق کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ کی، مواعظ وخطبات اور اصلاحی مجالس میں خاص طور پر اس کو پیش نظر رکھا اور اہمیت سے بیان فرمایا، چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے مواعظ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ کی آپ بیتی اور بعض تصانیف میں اس نوع کے اصلاحی مضامین بکھرے پڑے ہیں جن میں علماء وطلباء کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی ہے۔

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ ونور اللہ مرقدہٗ بھی دینی مدارس کے اساتذہ اور فارغ ہونے والے طلباء کی طرف سے بڑے فکرمند رہتے تھے، ان کے اعمال واخلاق کی نگرانی اور اصلاح وتربیت کی مختلف کوششیں بھی فرمایا کرتے تھے، اس مقصد کے لئے کبھی اہل اللہ کے مواعظ سناتے اور کبھی اصلاحی مجالس کا اہتمام فرماتے، آپ کا ہمیشہ کا یہ معمول رہا کہ بعد عشاء مسجد میں (جس میں طلبہ کی حاضری لازمی تھی) کوئی اصلاحی کتاب سناتے، کبھی وعظ فرماتے، کبھی نصیحت کرتے، کبھی ڈانٹ ڈپٹ کرتے، عجیب وغریب اصلاح کا انداز ہوتا تھا جو بڑا مؤثر اور دل میں اترتا چلا جاتا تھا۔

احقر ناکارہ کو تقریباً بیس سال حضرت کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل رہی، اور اللہ کی توفیق سے اس نوع کی حضرت اقدس کی تمام اصلاحی باتیں، نصیحتیں جمع کرتا رہا، جس کے کچھ حصے ''افادات صدیق'' اور ''اصلاح نفس'' کے نام سے شائع ہوچکے ہیں، یہ حصہ ''مجالس صدیق'' کے نام سے موسوم ہے جو ایسے ہی نصائح وملفوظات کا مجموعہ ہے، پندرہ بیس سال کے عرصہ میں حضرت اقدسؒ کی اس نوع کی اصلاحی مجالس کا الحمدللہ کافی ذخیرہ اور مواد موجود ہے، لیکن افسوس کہ احقر اپنے دیگر مشاغل ومصروفیات کی بنا پر اس کو جلد منظر عام پر لانے سے قاصر رہا، ایک عرصہ کے بعد مجالس صدیق کی یہ پہلی جلد آپ کے ہاتھوں پہنچ رہی ہے، ابھی اسی انداز کی متعدد جلدیں انشاء اللہ آئیں گی، قارئین کرام سے دعاء کی درخواست ہے اللہ پاک محض اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمائے، اور جلد

ازجلد اس سلسلہ کی تکمیل فرمائے۔

بلاشبہ ہمارے اکابر کا یہ قیمتی سرمایہ ہے جس میں اصاغر کی اصلاح کا سامان موجود ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی اصلاح کی فکر اور اپنے بڑوں کے قیمتی ارشادات کی قدردانی اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اکابر کے یہ ارشادات اہل مدارس علماء وطلباء تک زائد سے زائد پہنچائے جائیں اور ان کو پڑھ کر سنائے جائیں، اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے برادر عزیز مفتی اقبال سلمہٗ کو کہ انھوں نے اس کے مسودہ پر نظر ثانی کر کے میرے بوجھ کو ہلکا کر دیا اور کتاب جلد منظر عام پر آ گئی۔

محمد زید مظاہری ندوی

استاد كلية الشريعة

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۴؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

باب ا
اسلاف اور بزرگوں کے حالات
وواقعات پڑھنے کی ترغیب

ایک کتاب کا درس دیتے ہوئے حضرت نے فارسی کے کچھ اشعار پڑھے پھر ان کا ترجمہ ومطلب بیان فرمایا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے سینے کا داغ ہرا بھرا اور سبز وشاداب رہے تو پہلے لوگوں کے یعنی اسلاف کے حالات پڑھا کرو، بزرگوں کے حالات پڑھنے سے دل پر ایک چوٹ لگے گی کہ وہ کیا تھے اور ہم کیا ہیں جب وہ داغ ہرا اور تازہ ہوگا تو پھر دل بھی ہرا بھرا ہوگا۔ کیونکہ جب دل میں داغ ہوتا ہے (چوٹ لگتی ہے) تو اس کا اثر ضرور ہوتا ہے جیسا داغ ہوگا ویسا ہی اثر ہوگا اچھا داغ ہوگا، اچھا اثر ہوگا۔ اسلاف کے حالات پڑھوگے کہ انہوں نے دین کے واسطے کیسی کیسی قربانی دیں، فلاں بزرگ نے یہ کیا تو دل میں چوٹ لگے گی اور کام کرنے کی ہمت ہوگی۔

حضرتؒ کے استاذ امام النحو مولانا صدیق احمد صاحبؒ کا واقعہ

فرمایا: میرے استاد حضرت مولانا صدیق احمد صاحب نحو کے امام سمجھے جاتے تھے مظاہر علوم سہارنپور میں معمولی تنخواہ پر مدرس تھے۔ حالت یہ تھی کہ فاقہ پر فاقہ ہوتے تھے، پیوند دار کپڑے پہنتے تھے، بڑی بڑی تنخواہوں کی جگہ آئیں لیکن مولانا کہیں نہیں

گئے۔دارالعلوم دیوبندوالوں نے بھی دعوت دی اور کہتے تھے کہ بس مولانا صدیق صاحب کی کمی ہے کیونکہ اس زمانہ میں دیوبند میں ہرفن کے ماہر مدرسین موجود تھے اور مولانا صدیق صاحب امام النحو تھے اس لئے دیوبند والے مولانا کو دعوت دیتے تھے لیکن مولانا گئے نہیں اور فقر وفاقہ کی زندگی گذار کر چلے گئے۔ارے زندگی تو جیسی تیسی گذر ہی جاتی ہے جو مقدر کا تھا کھایا پیا لیکن نمونہ بن کر رہے۔بعد والوں کے لئے اچھا نمونہ چھوڑ کر گئے بعد والے دیکھیں کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔اور ایسے بھی زندگی گذاری جاتی ہے۔جب کسی پر کوئی حالت اور کوئی مصیبت آتی ہے تو دوسروں کے حالات دیکھ کر ان کے واقعات کو پڑھ کر بڑی تقویت ہوتی ہے کہ مجھ سے پہلے بھی اس طرح کے حالات لوگوں پر آچکے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ایسے موقع پر اور اس قسم کے حالات میں انہوں نے کیا کیا وہی ہم کو بھی کرنا چاہئے، بزرگوں کے حالات پڑھنے سے بڑی تقویت ملتی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا حال

فرمایا: ہمارے اسلاف ایسے گذرے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے لئے جب نکلے تو برسہا برس تک گھر لوٹ کر واپس نہیں آئے، حضرت امام شافعیؒ علم حاصل کرنے کے لئے گئے تو تیرہ سال کے بعد واپس آئے، ان کی والدہ تنہا تھیں لیکن محض علم کی وجہ سے صبر کرتی رہیں، البتہ امام شافعی اس مدت میں اپنی خیریت والدہ کو پہونچاتے رہتے تھے، جب کوئی قافلہ جاتا تو اس سے خیریت پہونچادیتے۔

خود اس علاقہ میں بھی ایسے لوگ گذرے ہیں، ایک صاحب کے متعلق فرمایا: کہ وہ علم حاصل کرنے کیلئے گئے تو کئی برس کے بعد لوٹ کر آئے، بڑے دیندار متقی پرہیز گار تھے، ان کو کشف بہت ہوتا تھا، اس علاقہ کے وہی سب سے پہلے عالم ہیں اور افسوس کرتے ہوئے فرمایا: عجیب بات ہے کہ اب انہی کے گھرانے کے لوگ، ان کے رشتہ دار لوگوں کے بال بناتے ہیں۔

اپنے بڑوں اور بزرگوں سے ربط رکھنے کی اہمیت

فرمایا: آدمی اپنے بڑوں سے تعلق نہیں رکھتا اور خود کو ان سے بڑا سمجھتا ہے۔ ہر کام اپنی مرضی سے کرتا ہے، نہ بڑوں سے رہنمائی حاصل کرتا ہے نہ کسی سے مشورہ لیتا ہے نہ بزرگوں اور اللہ والوں سے ملاقات کرتا ہے، اسی لئے آج کل ہمارے کاموں میں برکت نہیں ہے اور جو فیض ہونا چاہئے وہ فیض نہیں ہورہا، مشورہ میں اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت رکھی ہے، جو کام بھی مشورہ کے بعد کیا جاتا ہے اس میں خیر و برکت ہوتی ہے۔ اس لئے جو کام کرنا ہو پہلے اپنے بڑوں سے ضرور پوچھ لیا کرے، ان سے مشورہ لے لیا کرے، خودرائی سے کبھی نہ کام کرے، پھر انشاء اللہ خیر و برکت ہوگی آج کل لوگ مدرسہ چلاتے ہیں خود ہی مدرسہ کھول لیا اور بن گئے مہتمم اور ناظم، سب کچھ اپنے اختیار میں ہے اب نہ کسی سے پوچھنا ہے نہ مشورہ کرنا ہے، جس کو چاہا رکھا جس کو چاہا نکال دیا، اسی لئے آج کل مدارس میں خیر نہیں اور نہ ہی اصلاحی کام ہو پاتا ہے۔ اور نہ ہی وہ فیض ہوتا ہے جو ہونا چاہئے۔

بزرگوں سے ربط رکھنے کا طریقہ

فرمایا: حضرت عبدالرحمٰن ابن قاسمؒ حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں بیس سال رہے ہیں اٹھارہ سال تک تو علم ادب واخلاق (اصلاح نفس) سیکھا، اور دو سال تعلیم حاصل کی، اور آج کل ہمارے یہاں علم وادب واخلاق اور اصلاح نفس کا کوئی خانہ ہی نہیں، آج یہاں ہیں تو کل وہاں۔ ایک سال اس مدرسہ میں ایک سال دوسرے مدرسہ میں، اسی طرح ناچا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نہ تو علمی صلاحیت اور پختہ استعداد پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی باطن کی اصلاح ہوتی ہے، کیونکہ اصلاح نفس اور باطنی فیوض جو بزرگوں سے حاصل ہوتے ہیں وہ تو محبت اور عقیدت کے بعد ہوتے ہیں اور محبت وعقیدت فوراً نہیں پیدا ہوجاتی بلکہ رفتہ رفتہ ہوتی ہے۔ جب محبت ہوجاتی ہے تو آہستہ آہستہ اس کے اخلاق کا اس پر اثر پڑتا ہے۔

اب اگر ایک سال کسی بزرگ کے پاس رہے اور تھوڑی بہت مناسبت پیدا ہوئی پھر وہاں سے چھوڑ کر دوسری جگہ چلے گئے، پھر ایک سال بعد وہاں سے بھی چلے گئے نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے، کسی سے بھی مناسبت نہیں پیدا ہوئی، اور کسی مربی کا رنگ نہیں چڑھا، اس لئے اگر کہیں رہے تو مستقل رہے، تعلق قائم رکھے تو مستقل، جبھی رفتہ رفتہ فائدہ ہوتا ہے۔ ایک دم سے فیض نہیں ہوتا بلکہ جس طرح مناسبت بڑھتی جاتی ہے اسی طرح فیض میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اور آج کل ہماری اصلاح نہ ہونے کا سبب یہی ہے کہ کسی سے مناسبت نہیں ہوتی اس لئے ہم کسی سے پورے طور پر فائدہ نہیں اُٹھا پاتے۔

بزرگوں کی آمد اور ان سے ملاقات وزیارت بھی اللہ کا انعام ہے

فرمایا: بندوں پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں۔ اگر ان نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نعمتوں میں اضافہ فرماتا ہے۔ ناقدری کی جائے تو اللہ تعالیٰ نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔ نعمتیں تو اللہ تعالیٰ کی بہت ہیں لیکن بعض نعمتیں بہت اہم ہیں اور وہ ہے اللہ کے نیک بندوں کی صحبت، ان کی زیارت اور ان کی معیت، ان کی خدمت میں حاضری اور ان سے ملاقات یہ سب اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں۔

مدرسہ کی برکت سے الحمد للہ یہاں بہت سے اللہ کے بندے آتے رہتے ہیں ان کی زیارت اور ملاقات کو غنیمت سمجھنا چاہیے، ان کی تشریف آوری کے وقت ان سے فائدہ اُٹھانا چاہیے، ان کی بات غور سے سُننا چاہیے۔

آج جو مہمان آئے ہوئے ہیں (مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری استاذ مدرسہ شاہی مراد آباد) وہ حضرت مدنیؒ کے نواسے ہیں، ماشاء اللہ علم وعمل کی دولت سے اللہ نے نوازا ہے جیسے کچھ ہیں آپ خود دیکھ لیں گے، پھر حضرت والا نے طلبہ کے مجمع میں ان کا بیان کرایا۔

بڑوں کی باتیں اور تربیت کا ایک انداز

حضرت شیخ الحدیثؒ ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مجھے یاد نہیں کہ بچپن میں کبھی اچھے کپڑے پہنے ہوں اور نہ اس کا شوق ہوا۔

ایک مرتبہ گھر کی عورتوں نے اچھا لباس (پُر تکلف) بنا دیا تو والد صاحب نے بہت مارا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ اب تو یہ حال ہے کہ دوسروں کے بدن پر بھی اچھا (پر تکلف) لباس دیکھنا پسند نہیں۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ والد صاحب نے تکیہ مانگا میں نے کہا کہ اپنا تکیہ لے آؤں؟ اس پر والد صاحب نے مارا اور فرمایا کہ ابھی سے باپ کے مال پر یوں کہتا ہے کہ اپنا لاؤں، کچھ کما کر ہی کہتا کہ اپنا لاؤں، اس کے بعد حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ کا فضل وکرم ہے اور محض اس کا ہی لطف واحسان ہے کہ اس کے بعد سے جب بھی یہ واقعہ یاد آجاتا ہے تو دل میں یہ مضمون پختہ ہوتا جاتا ہے کہ اپنا اس دنیا میں کوئی مال نہیں، اور اللہ کا شکر ہے کہ دن بدن یہ مضمون پختہ ہی ہوتا جارہا ہے۔

فرمایا والد صاحب نور اللہ مرقدہ کو اس کا بھی بہت اہتمام تھا کہ میرے پاس پیسہ نہ رہے، کسی سے کھانے پینے کی چیز کا لینا بھی ناممکن تھا اس کے شبہ پر بھی سخت تحقیقات ہوتی تھیں۔

ایک مرتبہ ایک دوسرے صاحب نے اپنے لئے کباب خریدے تھے، حضرت والد صاحب کو شبہ ہوگیا کہ میں نے خریدے ہیں مجھ سے بلا کر کہا منھ کھولو چونکہ نہ میں نے خریدے تھے اور نہ کھایا تھا اس لئے کباب کی خوشبو بالکل نہ آئی لیکن مطالبہ کیا کہ کباب کس نے خریدے ہیں؟ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا اس پر بڑی تحقیق فرمائی، بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا ظفر احمد صاحب نے ایک طالب علم سے منگائے تھے تب والد صاحب کو اطمینان ہوا، تربیت اس طرح کی جاتی ہے، اور جب بچپن ہی سے اس طرح نگرانی کی جاتی ہے تو وہی لڑکا عالَم کی اصلاح کرتا ہے۔ (بیاض صدیقی)

اساتذہ کے ادب سے علم میں ترقی ہوتی ہے

فرمایا اساتذہ کا ادب بہت ضروری ہے، اس سے علم میں برکت ہوتی ہے، علم حاصل کرنے کے بہت سے طریقے ہیں ان میں ایک ادب بھی ہے، ادب سے علم حاصل ہوتا ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے پڑھنے سے زیادہ ادب سے علم حاصل کیا ہے، جب ادب کیا جاتا ہے تو استاذ کے دل میں قدر ہوتی ہے، قلب منشرح ہوتا ہے، دل سے دعاء نکلتی ہے، استاد کی دعاء بھی اثر کرتی ہے اور بددعاء بھی، استاد کی دعاء سے علم میں برکت اور ترقی ہوتی ہے، ان کو کبھی ناراض نہ کرے اگر وہ کبھی ناحق بھی ناراض ہوجائیں یا مار بھی دیں تب بھی برا نہ مانے اور ان سے ناخوش نہ ہو، پیٹھ پیچھے ان کی برائی نہ کرے، دل میں بھی ان کا احترام ہونا چاہئے، علم حاصل کرنے کے اسباب اختیار کرو پھر دیکھو علم میں برکت ہوتی ہے یا نہیں۔

آج ہمارے اندر اساتذے کا ادب نہیں، استاد کے سامنے اس کے آگے تیزی سے بھاگے چلے جارہے ہیں، اس کے سامنے زور سے چیخ رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ استاد کوئی چیز ہی نہیں اسی لئے علم میں برکت نہیں اور جس طرح استاد کا ادب واحترام کرنا چاہئے اسی طرح اپنے بڑوں کا اور درجہ میں بڑے ساتھیوں کا بھی ادب کرنا چاہئے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو اتنا بلند مقام کیسے نصیب ہوا

فرمایا حضرت مولانا (سیّد ابوالحسن) علی میاں صاحب اس وقت دنیا کے امام ہیں، شام جاتے ہیں تو بڑے بڑے لوگ ان کی جوتیاں سیدھی کرتے ہیں، ان کو اپنے یہاں بڑے اہتمام سے بلاتے ہیں، یہاں تک فرمائش کرتے ہیں کہ آپ ہمارے یہاں آ کر رہئے۔

دمشق کی جامع مسجد میں آپ کو مدعو کیا گیا اور یہاں تک کہا گیا کہ آپ سال میں صرف تین ماہ کے لئے آجایا کریں، آپ کے رہائش کے لئے عمدہ بلڈنگ ہوگی، سفر کے لئے ہوائی جہاز کا انتظام ہوگا، آپ کو کسی قسم کی کوئی دشواری نہ ہوگی، کام بھی کچھ نہ ہوگا

صرف مہینہ میں طلبہ کے سامنے چار تقریریں کر دیا کیجئے گا، اور کافی تنخواہ مقرر کی تھی۔

لیکن حضرت مولاناؒ نے صاف جواب دے دیا اور فرمایا کہ جہاں میں رہتا ہوں وہاں خود کام کی ضرورت ہے اس لئے پابندی نہ ہو سکے گی، باقی خدمت کے لئے میں حاضر ہوں، جب موقع ہوا کرے گا، فرصت نکال کر میں خود حاضر ہو جایا کروں گا لیکن نہ کرایہ لوں گا نہ سفر خرچ، اپنے ہی کرایہ سے آؤں گا۔

حضرت مولاناؒ کو جو یہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے تو کیوں اس کی کیا وجہ ہے؟ مولانا کے اور بھی تو ساتھی ہوں گے جو ان کے ساتھ پڑھتے ہوں گے وہ کیوں ایسے نہ بنے، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کا ادب بہت کرتے تھے، ان سے محبت کرتے، ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، ہر کام اپنے بڑوں سے پوچھ کر کرتے تھے، تم لوگ بھی ایسا ہی کیا کرو۔

حضرت امام بخاریؒ کا حال

فرمایا حضرت امام بخاریؒ کتنے بڑے امام اور محدّث ہیں، علم کے پہاڑ ہیں، اپنے اساتذہ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں لیکن وہ اتنے بڑے ہونے کے بعد بھی فرماتے ہیں کہ افسوس! اب ہمارے اساتذہ موجود نہیں ہیں، اگر وہ ہوتے تو تھوڑی دیر ان کے پاس جا کر بیٹھتا۔

واقعی ہے بھی یہی بات، آدمی کا اپنے استاد سے تعلق اور لگاؤ ہونا چاہئے، ان سے ملتے جلتے رہنا چاہئے، ان کے پاس جا کر بیٹھنا چاہئے، ان ہی سب باتوں سے برکت ہوتی ہے، فیض ہوتا ہے، ترقی ہوتی ہے۔

آج کل طالب علموں کو ہوٹل میں بیٹھنے، چائے اور پان کی دکان میں بیٹھنے میں تو اچھا لگتا ہے، سینما حال میں بیٹھنے میں اچھا لگتا ہے لیکن استادوں اور بزرگوں کے پاس جانے اور ان کے پاس بیٹھنے میں اچھا نہیں لگتا، وہاں بیٹھنے کی اس کی طبیعت نہیں چاہتی، یہ طبیعت کا فساد ہی تو ہے، اسی وجہ سے تنزلی ہی تنزلی ہے۔

اصل قصور ہمارا ہے

آج کل اساتذہ اور بڑے بھی تو ایسے نہیں ہوتے کہ چھوٹے ان کے پاس آ کر بیٹھیں، اصل قصور تو ہمارا ہے، ہم خود ایسے نہیں، ہماری ایسی استعداد نہیں، ہمارے ایسے اخلاق نہیں، اور طلبہ کے ساتھ ہم وہ معاملہ نہیں کرتے جو کرنا چاہئے تو لوگ ہمارے پاس کیوں آئیں اور کیوں بیٹھیں، اصل قصور تو ہمارا ہی ہے، پہلے ہم کو اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔

لیکن جس کے اندر طلب صادق ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو محروم نہیں کرتا، انسان کو چاہئے کہ اپنے قصور کو دیکھے اور دوسروں کا قصور نہ دیکھے، اگر ہم اپنے بڑوں کے پاس سچی طلب لے کر جائیں گے تو یقیناً ہم کو کامیابی ہوگی، ترقی ہوگی، فیض ہوگا، اگر اس کے اندر اہلیت نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ اہلیت پیدا فرمادے گا، اللہ تعالیٰ تو سوکھے درختوں سے کام لیتا ہے، چھوٹی چھوٹی چڑیوں سے کام لے لیتا ہے، اللہ تعالیٰ تو غیب سے آواز بھی سنا سکتا ہے، لیکن انسان کے اندر طلب صادق تو ہونا چاہئے۔

ہمارے اساتذہ ایسے تھے

فرمایا: ہم نے ایسے اساتذہ دیکھے جن کی دور دور تک نظیر نہیں ملتی، میں جب پانی پت پڑھنے گیا تو میرے استاد مولانا عبدالحلیم صاحب تھے، جن کے دادا ہتورا میں رہے ہیں اور ہتورا سے ان کا کافی تعلق رہا ہے اسی نسبت کی وجہ سے مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے اور اتنی محنت سے پڑھاتے تھے کہ ایسا میں نے کسی کو دیکھا نہیں، سردی کی راتوں میں ڈھائی بجے رات سے سبق شروع ہوجاتا تھا، طلبہ وہیں سوتے تھے اور ان کی وجہ سے مولانا بھی وہیں سوتے تھے، ہمیشہ کا یہی معمول تھا، یہ معمولی بات نہیں ہے کہہ دینا آسان ہے، لڑکوں کو پڑھانے کی وجہ سے گھر نہیں جاتے تھے وہیں سوتے تھے، ڈھائی بجے رات سے پڑھانا شروع کرتے تو فجر تک پڑھاتے رہتے اور فجر کے بعد گیارہ بارہ شاخوں میں تفسیر پڑھانے جاتے تھے، وہ شاخیں بھی کافی کافی فاصلہ پر تھیں لیکن سب

جگہ پابندی سے جاتے تھے، سب شاخوں میں پڑھا کر ظہر تک واپس آجاتے، ظہر بعد قاری فتح محمد صاحب ان سے ہدایہ پڑھتے تھے حالانکہ عمر میں برابر ہی ہوں گے بلکہ بڑے ہوں گے لیکن ان سے پڑھتے تھے، پورا دن پڑھانے میں گذرتا، کبھی ناشتہ آیا تو کرلیا ورنہ یوں ہی رہتے، مجھ کوئی کتابیں پڑھاتے تھے، ہدایہ وغیرہ جب تک پڑھاتے اس وقت تک میں قرأت سبعہ کا اجراء لکھا کرتا تھا، کنز الدقائق کی تقریر بھی لکھتا تھا، اجراء میں جتنا لکھ لیتا اتنا ہی سبق ہوتا تھا، شام تک میں لکھتا ہی رہتا تھا جو لکھتا عشاء کے بعد اسی کو پڑھتا تھا، اور پڑھنے کے بعد سب طلبہ وہیں سوجاتے، ڈھائی بجے رات پھر سبق شروع ہوجاتا تھا، روز کا یہی معمول تھا، آسان نہیں، سنا دینا تو آسان ہے لیکن عمل کرنا مشکل ہے، میں نے ایسے اساتذہ کو دیکھا ہے اور ایسے اساتذہ سے پڑھا ہے اسی لئے مجھ کو کسی کی محنت بھاتی نہیں، کوئی کتنی ہی محنت کرے ان جیسی کون کرے گا، اسی وقت سے میری بھی وہی عادت پڑی ہوئی ہے، فجر سے پہلے اٹھنے کا معمول ہے، اُس وقت دن رات میں صرف دو ڈھائی گھنٹہ مشکل سے سونے کو ملتا تھا، اور ادھر اُدھر ٹہلنے کا اور فضول باتوں کا تو وقت ہی نہ ملتا تھا، اسی لئے آج بھی مجھے اِدھر اُدھر کی باتوں سے وحشت ہوتی ہے. جی گھبراتا ہے، باتوں میں میرا جی نہیں لگتا۔

احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اسی کا اثر تھا کہ حضرت اقدسؒ بھی فجر سے پہلے ہی اسباق پڑھا دیا کرتے تھے، خصوصاً جب دن میں سفر کرنا ہوتا رات ہی کو طلبہ کو اطلاع کردی جاتی کہ فجر سے قبل سبق ہوگا، عبارت تو حضرت عشاء کے بعد ہی سن لیتے تھے اور سبق فجر سے قبل پڑھا دیا کرتے تھے تاکہ سفر کی وجہ سے طلبہ کے اسباق کا ناغہ نہ ہو، اور بعض کتابیں مستقلاً فجر سے قبل ہی پڑھایا کرتے تھے، احقر راقم الحروف نے ہدایہ ثالث حضرت اقدسؒ سے فجر سے قبل ہی پڑھی ہے، حضرت اقدسؒ مکان میں سوتے تھے، احقر مدرسہ سے مکان حضرت کو لینے جاتا تھا اور کبھی حضرت خود تشریف لے آتے تھے، جب اسباق نہ ہوتے تو حضرت فجر سے پہلے ڈاک وغیرہ لکھایا کرتے تھے۔

طلبہ پر اگر محنت کی جائے تو آج بھی کام کے بن سکتے ہیں

فرمایا کارخانوں میں عمدہ سے عمدہ سامان تیار ہوتے ہیں، کپڑے ایک سے ایک ڈزائن دار بنتے ہیں، لیکن مدارس سے طلبہ ایک سے ایک اچھے کیوں نہیں نکلتے؟ اس لئے کہ کپڑا بنانے میں محنت کی جاتی ہے، اس کی نگرانی کی جاتی ہے، خرابی ہو تو اس کی اصلاح کی جاتی ہے یہ نہیں کہ دھاگہ ٹوٹ رہا ہے تو ٹوٹتا رہے اور کپڑا بنتا رہے، کپڑے میں چیر آرہی ہے تو آتی رہے اور اسی طرح کپڑا تیار ہوتا رہے، لیپ پوت کر نہیں رکھ دیتے، بلکہ جو خرابی ہوتی ہے اس کو فوراً درست کیا جاتا ہے تب جا کر عمدہ کپڑا تیار ہوتا ہے، اوپر سے محض پالش نہیں کر دی جاتی کہ اس کا لیبل تو بڑا خوشنما اور اندر خراب مال، بلکہ خرابی کو فوراً دور کیا جاتا ہے، محنت کی جاتی ہے، نگرانی کی جاتی ہے، اپنے کو کھپایا جاتا ہے تب جا کر عمدہ مال تیار ہوتا ہے، طلبہ میں بھی اگر اسی طرح محنت کی جائے ان کی نگہداشت کی جائے، ان کو بنانے کی فکر اور کوشش کی جائے، اپنے کو کھپایا جائے، تو ان کی اصلاح کیوں نہیں ہوسکتی اور وہ کیوں نہیں بن سکتے، جب لوہے پر محنت کی جاتی ہے تو لوہا بن جاتا ہے، مٹی پر محنت کی جائے تو وہ بن جاتی ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان پر محنت کی جائے اور وہ نہ بنے، اس کو بنانے کی کوشش تو کی جائے محض پالش کر دینے سے کام نہیں چلے گا، آج کل مدارس میں طلبہ کی اصلاح کی طرف توجہ تو ہوتی نہیں بس اوپر سے پالش چُپڑ دی جاتی ہے کہ اتنے لڑکے فارغ ہوئے، سالانہ جلسہ ہوا اشتہار چھاپ دیا کہ فارغ ہونے والے طلبہ کی تعداد ڈیڑھ سو ہے ان کی دستار بندی ہورہی ہے، پگڑی باندھی جارہی ہے، سند دی جارہی ہے، اور آتا جاتا خاک نہیں، عمل کے میدان میں بالکل کورے یہ پالش نہیں تو اور کیا ہے، اشتہار چھپا ہوا کہ مدرسہ میں بہت ترقی ہورہی ہے، دو ہزار طلبہ ہیں، دورۂ حدیث تک تعلیم ہے، اتنے کمرے ہیں، مدرسہ ترقی پر ہے ماشاء اللہ ماشاء اللہ بس یہ پالش ہوگئی، اس سے کچھ نہیں ہوتا، طلبہ کو بنانے کی کوشش کی جائے کہ طلبہ کچھ کام کے نکلیں، یہ ہے ترقی، اگر واقعی طلبہ پر محنت کی جائے تو کیسے نہ بنیں گے۔

ایسے شاگردوں و مریدوں کو فیض نہیں ہوسکتا

فرمایا: کہ ابھی تو غنیمت ہے کہ طلبہ کو ڈانٹا جاسکتا ہے، تنبیہ کی جاسکتی ہے، ان کو بے حیا و بے شرم کہا جاسکتا ہے، ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ طالب علم کو بے حیا و بے شرم بھی نہیں کہہ سکتے اور بعض مدرسوں میں ایسا زمانہ آبھی گیا ہے کہ محض ڈانٹنے اور بے حیا و بے شرم کہنے کی وجہ سے فساد اور اسٹرائک کی نوبت آگئی ہے، جو شاگرد ایسا ہو کہ استاد اس کو ڈانٹ نہ سکے، تنبیہ نہ کرسکے، ایسے شاگرد کو فیض نہیں پہنچ سکتا، جب تک شاگرد استاد کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح نہ پیش کردے کہ استاد اس کو جس طرح چاہے ڈانٹے، استاد کی طرف سے خیر خواہی کا اعتقاد نہ ہو ایسے شاگرد کو فیض نہیں ہوتا۔

جو ڈاکٹر ایسا ہو کہ مریض کا علاج کرتے ہوئے، آپریشن کرتے ہوئے ڈرتا ہو، نشتر لگاتے ہوئے ڈرتا ہو کہ مریض کہیں ناراض نہ ہوجائے تو ایسے مریض کو فائدہ نہیں ہوسکتا، فائدہ تو اسی مریض کو ہوگا جو اپنے کو بالکل حوالہ کردے کہ آپریشن کرے یا نہ کرے، آپریشن جہاں چاہے کرے، جتنا کاٹنا ہو کاٹے، تب تو مریض کا صحیح علاج ہوگا، اس کو واقعی فائدہ ہوگا ورنہ نہیں، اسی طرح مرید اور شاگرد کا بھی حال ہے، جب استاد شاگرد سے پیر مرید سے ڈر رہا ہو ایسی صورت میں مرید اور شاگرد کو کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔

آج کل استادوں اور مشائخ سے فیض کیوں نہیں ہوتا

فرمایا: اب تو یہ صورت حال ہے کہ استاد شاگرد کا منھ دیکھتا ہے، پیر مرید کا منھ دیکھتا ہے، استاد ڈرتا ہے کہ کہیں شاگرد ناراض نہ ہوجائے، پیر سوچتا ہے کہ مرید کہیں خفا نہ ہوجائے، شاگرد اور مرید کی رعایت کرنا پڑتی ہے کہ کہیں روٹھ کر چلے نہ جائیں، بھلا ایسے شاگردوں اور ایسے مریدوں کو کہیں نفع ہوگا؟ ان سے فیض ہوگا؟ پہلے کے لوگ ہوتے تھے کہ سب کچھ برداشت کرتے تھے، استاد شاگرد کو اور پیر مرید کو خواہ کتنا ہی ڈانٹے مارے سب برداشت کرتے تھے، پھر کچھ بن کر نکلتے تھے، اور پورا علاقہ کا علاقہ ان سے فیضیاب ہوتا تھا،

اب کہاں وہ چیزیں رہیں، لیکن سلسلہ ابھی بند نہیں ہوا، اب بھی اگر کوئی مجاہدہ کرے سب کچھ برداشت کرے، بڑوں کی مان کر چلے تو آج بھی بن سکتے ہیں، جنید بغدادیؒ، رازیؒ، غزالیؒ، کہیں آسمان سے نہیں اترے تھے، اسی زمین میں بنے، کسی ایک کے تابع بن کر رہے، مجاہدہ کیا، سب کچھ برداشت کیا، پھر اللہ نے چمکایا اور ان سے کام لیا ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ عبدالرحیم صاحب کی حکایت

فرمایا: شاہ عبدالقادر صاحبؒ شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت ہونے کی درخواست کی، شاہ عبدالرحیم صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ ہیں اس وقت حیات تھے، شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے شیخ مولانا گنگوہیؒ موجود ہیں، ان کے پاس جاؤ، وہاں زیادہ فائدہ ہوگا، ان کا فضل وکمال مسلم اور ان کی نظر بہت اونچی ہے، شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے فرمایا کہ سب کچھ ٹھیک ہے، ساری باتیں صحیح ہیں، لیکن میں تو آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں، مجھے تو اسی در سے لینا ہے، مجھ کو تو آپ ہی سے ملنا ہے، ہمارے لئے تو سب کچھ آپ ہی ہیں، بس ان کے در پر پڑ گئے پھر ٹلنے کا نام نہیں لیا، پھر دیکھو اللہ نے کیسا نوازا ہے، انڈیلا انڈیل دیا ہے، چھپّر پھاڑ کر دیا ہے، کتنوں کو ان سے فیض پہنچا ہے، تقریباً ایک لاکھ تو ان کے مرید ہیں، پھر حضرت نے کچھ اشعار پڑھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چند اشعار

جنید و شبلی ہوا کرے کوئی
غزالی رازی ہوا کرے کوئی
مسیحا تو آپ ہیں مرے
مسیحا کسی کا ہوا کرے کوئی
نہیں چھوڑوں گا آپ کا دامن

مجھے کچھ بھی کہا کرے کوئی
درد کا اب نہیں ہے کچھ ڈر
لاکھ مری دوا کرے کوئی
وہی ہونا ہے جو مقدر ہے
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی
خدا ہی حاکم جب کہ اے ثاقب
کیوں کسی کا کہا کرے کوئی

فرمایا: یہ میرے ہی اشعار ہیں، پیر سے تو ایسی محبت ہونی چاہئے کہ اس کے علاوہ کسی کی طرف نگاہ ہی نہ اٹھے، لیلیٰ کو مجنوں سے محبت تھی تو لیلیٰ کے کتّے سے بھی محبت تھی، آدمی کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر چیز سے محبت ہوتی ہے، جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ لیلیٰ کی گلی کا کتاّ ہے تو وہ اس کو بھی پیار کرنے لگا، جب واقعی محبت ہوتی ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔

بننے یا بگڑنے کا زمانہ طالب علمی ہی کا زمانہ ہے

فرمایا: طالب علم اگر زمانۂ طالب علمی میں بن گیا تو بن گیا اور اگر بگڑ گیا تو پھر بگڑ ہی گیا، بعد میں پھر نہیں بن سکتا، بہت مشکل ہے، اس کی مثال تو سونے کے ہار جیسی ہے اگر ہار بنتے وقت سونے کو خوب جلایا گیا تپایا گیا، اور سونا خوب کھرا ہو گیا تو ہار اچھا بنے گا، اور اگر بنتے ہی وقت سونا کھرا نہیں ہوا تھا، اس میں کچھ کھوٹ رہ گیا تو اب اس ہار میں کھوٹ ہی رہے گا، وہ کہیں بھی جائے گا، بادشاہ اور بادشاہ کی بیٹی کے پاس بھی جا کر اس میں کھوٹ وہی رہے گا، ایسا نہیں ہوگا کہ فلاں حسین وجمیل اور مالدار ہے تو اس کے لئے کھوٹا سونا کھرا ہو جائے، اسی طریقہ سے طالب علم اگر زمانہ طالب علمی میں نہیں بنا تو اس کے اندر یہ کھوٹ برابر باقی رہے گا، وہ پڑھ لکھ کر فارغ ہو جائے گا، کسی مدرسہ کا مدرّس اور مہتمم وناظم بھی ہو جائے گا لیکن اس کے اندر کھوٹ باقی رہے گا کیونکہ بننے کے وقت اس میں کھوٹ رہ گیا تھا۔

البتہ ایک صورت ہے بننے کی کہ سونا اگر کھوٹا رہ گیا ہو تو اس کو دوبارہ تپایا جائے، جلایا جائے اس پر محنت کی جائے تو پھر اس کا کھوٹ دور ہوسکتا ہے اسی طرح طالب علم اگر فراغت کے بعد جلنے، پسنے اور مجاہدہ کرنے کے لئے تیار ہو تو اس کی بھی اصلاح ہوسکتی ہے، لیکن ایسا بہت مشکل ہے، مدرّس اور ناظم اور شیخ الحدیث بننے کے بعد پھر کہاں چھوٹا بننا آتا ہے، اور پھر کہاں کسی کی جوتی سیدھی کرنے کی توفیق ہوتی ہے، پھر تو اپنا کام خود کرنے میں بھی عار آتی ہے، اس لئے ایسے شخص میں ہمیشہ کھوٹ باقی رہتا ہے، اس کا مرض کبھی ختم ہی نہیں ہوتا، وہ کہیں بھی جائے گا اس کے اندر وہ مرض رہے گا، کسی بزرگ کے پاس جائے گا، خانقاہ میں بھی رہے گا تو بھی اس کا کھوٹ باقی رہے گا کیونکہ بننے کے وقت ہی اس میں کھوٹ باقی رہ گیا تھا، اس لئے سن لو یہ زمانہ ہے بننے کا یا بگڑنے کا، اللہ تعالیٰ نے آج تم لوگوں کو اچھے ماحول اور بننے کی جگہ میں بھیج دیا ہے، یہاں قرآن شریف پڑھنے کا ماحول ہے، دین کی باتیں کہنے سننے اور بری باتوں پر روک ٹوک کرنے کا ماحول ہے، اگر اس ماحول کا شکر اور قدر دانی کروگے تو اور ترقی ہوگی، لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ، اگر ناشکری کروگے تو اس کا انجام بہت خراب ہوگا، وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ، ناشکری کروگے تو میرا عذاب بھی سخت ہے، بس یہی زمانہ ہے بننے کا، انسان کے حالات یکساں نہیں رہتے، کچھ دنوں کے بعد تمہارے حالات کچھ اور ہوں گے، گھر میں تمہارے حالات کچھ اور ہوں گے، بعد میں اگر تم کچھ کرنا بھی چاہو گے تو بہت مشکل ہوگا اس لئے جو کچھ کرنا ہو ابھی کرلو، اپنے کو بنانا ہو تو ابھی بنالو، آج ہی سے اس کی فکر شروع کردو، اللہ ہم سب کو توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

اگر مدرسہ میں رہ کر نہ بنوگے تو کہاں بنوگے

طلبہ سے فرمایا: ایمانداری سے بتاؤ اتنے سال سے تم لوگ مدرسہ میں ہو ایک عمل بھی تمہارے اندر ایسا پایا جاتا ہے جس میں پختگی اور پابندی پائی جاتی ہو؟ کوئی ایک عمل بھی تم بتاؤ جس کو پابندی سے تم کرتے ہو، مدرسہ میں رہتے ہوئے تم کو اتنے سال ہوگئے اور اب تک ایک عمل میں بھی پختگی نہ آسکی، تکبیر اولیٰ کا اہتمام اب تک تمہارے اندر نہ آیا۔

دوسرے لوگ تم کو خیر کی بات بتلا سکتے ہیں، زبان سے کہہ سکتے ہیں، ترغیب دے سکتے ہیں، اس کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں کرنا تو تم کو ہے دوسرے کے کرنے سے تم تھوڑی دین دار بن جاؤ گے، ڈاکٹر دوا دے سکتا ہے، سمجھا سکتا ہے لیکن دوا تو خود اُسی کو کھانا پڑے گی، مدرسہ بننے کی جگہ ہے اگر بننے کی جگہ تم نہ بنو گے تو کب اور کہاں بنو گے؟ منڈیوں میں دکانوں میں اور کارخانوں میں سامان فروخت ہوتا ہے لوگ وہاں سے خرید کر لاتے ہیں کارخانوں میں طرح طرح کی چیزیں بنتی اور تیار ہوتی ہیں، ہر چیز کارخانہ میں بنتی ہے اور ہر ایک شیء کا کارخانہ الگ الگ ہے، آخر انسانوں کے بننے کا بھی تو کوئی کارخانہ ہونا چاہئے، انسانوں کے بننے اور ان کی اصلاح وتربیت کے کارخانے یہی دینی مدارس ہیں، اگر یہاں آکر انسان نہ بنیں گے تو پھر کہاں بنیں گے، ہمارا کام تو بتلانا اور سمجھانا ہے اس کے آگے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

طلبہ کو تنبیہ

کسی کے پیچھے کوئی کب تک پڑا رہے گا، اور سختی کب تک کرے گا، محض سختی مقصود نہیں ہے، باپ بیٹے کو سزا دیتا ہے مارتا ہے اس لئے تاکہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے اور جو کرنے والے کام ہیں ان کو پابندی سے کرے، اس کے سر پر جوتے اسی لئے لگائے جاتے ہیں کہ ابھی تو مار کھا کر کام کرے گا بعد میں عادت پڑ جائے گی تو بغیر سختی کے خود بخود کام کرے گا، لیکن جو عادی ہو گیا ہو سزا پانے کا اور جس کی عادت پڑ گئی ہو جوتا کھانے کی کہ جب تک جوتا نہیں کھاتا کام ہی نہیں کرتا، تو ایسے جوتے اور ایسی سختی سے کیا فائدہ، جوتے لگانا اور سختی کرنا مقصود نہیں تھا، سختی کرنے کا مقصد تو یہ تھا کہ کام کرنے کی اس کو عادت پڑ جائے اور آئندہ بغیر سختی کے کام کرنے لگے لیکن تم نے سختی کرنے اور جوتے لگانے ہی کو اصل سمجھ لیا ہے کہ جب تک سختی نہ کی جائے اس وقت تک کام ہی نہیں کرتے، آخر سختی کوئی کب تک کرے، کب تک پیچھے پڑا رہے۔

ارے کوئی سختی کرے یا نہ کرے تم کو کوئی دیکھے یا نہ دیکھے تم خود اپنے کو دیکھو مدرسہ میں رہ کر کیا حاصل کر رہے ہو تم اپنے والدین کو چھوڑ کر یہاں آئے ہو، آخر کس لئے

پڑے ہو؟ یہاں رہ کر تم کیا حاصل کر رہے ہو؟ تم کیا کرتے ہو؟ خود دیکھ لو، تمہارا تو ہر کام خدا کے واسطے ہونا چاہئے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے اللہ تم کو دیکھ رہا ہے، ہر کام شروع کرنے سے پہلے سوچو کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا ہے یا نہیں، تمہارے اس کام سے اللہ خوش ہوگا یا نہیں، کتنے افسوس کی بات ہے کہ اب تک تمہارے اندر یہ جذبہ اور یہ کیفیت نہیں پیدا ہوئی کہ اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔

گناہ چھوڑنے کا نسخہ

عشاء کے بعد طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا جب تک آدمی کے اندر کسی چیز کی طلب نہیں ہوتی وہ چیز اس کو حاصل نہیں ہوتی، اور کسی چیز کے طلب کے یہ معنی ہیں کہ اس چیز کے حاصل کرنے کے اسباب اختیار کرے اگر اس کے اسباب اختیار نہ کرے تو سمجھو اس کے اندر طلب نہیں، کسی کو کھانے کی طلب ہے تو اس کے اسباب اختیار کرتا ہے اور اگر اسباب اختیار نہ کرے تو سمجھو کہ اسے کھانے کی خواہش نہیں، بیمار آدمی اگر صحت کا طالب ہے تو اس کے اسباب اختیار کرتا ہے، ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے دوا لاتا ہے، نسخہ استعمال کرتا ہے، جن چیزوں سے ڈاکٹر نے پرہیز بتلایا ہے اس سے بچتا ہے اور اگر یہ اسباب اختیار نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شفا کا طالب نہیں۔

اسی طرح انسان کی اصلاح کا مسئلہ ہے اگر کوئی شخص اپنی اصلاح کرانا چاہتا ہے اس کے لئے اس کے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے اصلاح کیلئے گناہوں کا چھوڑنا ضروری ہے اگر کوئی گناہ نہیں چھوڑتا تو سمجھو کہ وہ خود اپنی اصلاح نہیں چاہتا، جس طرح جسمانی بیماریاں ہوا کرتی ہیں جو آدمی کو لگ جاتی ہیں اور اس کے جسم کو نقصان پہنچاتی ہیں اسی طرح روحانی بیماریاں بھی ہوتی ہیں، جو آدمی کے اندر پیدا ہو جاتی ہیں اور اس کے ایمان کو غارت کر دیتی ہیں، اس کا علاج اور اس کی اصلاح کا طریقہ یہی ہے کہ تمام گناہوں کو چھوڑ دے، دل میں اللہ کا خوف ہو، قباحت کا استحضار ہو اور اس بات کا استحضار ہو کہ اللہ میری ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے، مر کر جانا ہے خدا کو منھ دکھانا ہے اس استحضار کے بعد کیسے

کوئی گناہ کرے گا۔

جب مدرسوں اور خانقاہوں میں رہ کر، اچھے اور نیک لوگوں کے پاس رہ کر، اچھے ماحول میں رہ کر گناہوں سے نفرت نہ ہوگی تو پھر کہاں جا کر گناہوں سے نفرت ہوگی، مدارس میں رہ کر ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے، مدارس بنائے اسی واسطے گئے ہیں تاکہ مدارس میں رہ کر اللہ سے تعلق درست ہو، امراض کا علاج ہو، اسپتال میں اگر کوئی جاتا ہے تو کیا سیر وتفریح کے لئے جاتا ہے؟ اور اگر واقعی کوئی سیر وتفریح ہی کے لئے جاتا ہے تو ایسے شخص کا کبھی علاج نہیں ہوسکتا، اگر کوئی گناہوں سے بچنا چاہے تو ہزاروں شکلیں ہیں اور کچھ نہیں تو صرف یہ استحضار کرلے کہ میرا خدا مجھے دیکھ رہا ہے، اسی مراقبہ سے انشاء اللہ گناہ چھوٹ جائیں گے۔

طلبہ کو اہم نصیحتیں اور سمجھانے کا عجیب انداز

فرمایا کچھ کام کرنے کے ہوتے ہیں جن کو کرنا چاہئے، اور کچھ کام نہ کرنے کے ہوتے ہیں جن سے بچنا چاہئے، جو کام کرنے کے ہیں اگر ان کو کوئی نہ کرے اور جو کام نہ کرنے کے ہیں ان سے نہ بچے تو اس میں اسی کا نقصان ہوتا ہے۔

"مَنِ اهْتَدیٰ فَاِنَّمَا یَهْتَدِی لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا"

یعنی ہدایت والے کام کرنے میں اپنا فائدہ ہے اور گمراہی والے کام کرنے میں اپنا ہی نقصان ہے، جو بھی کام کرنا ہو پہلے سوچ لو کہ یہ کام کرنے کا ہے یا نہیں، مثلاً نماز پڑھنے کا جی نہیں چاہتا سستی سوار ہے یہ سوچ لو کہ اس کام کے کرنے سے نفع ہے یا نقصان، آدمی جس چیز میں اپنا نفع سمجھتا ہے اس کو کرتا ہے جی چاہے یا نہ چاہے، کھانا کھانے میں آدمی سستی نہیں کرتا کیونکہ اس میں نفع سمجھتا ہے، اور جتنے بھی مفید کام ہیں ہر کام وقت پر کرتا ہے اور جن کاموں کا وقت متعین نہیں ان کا بھی ایک وقت ہوتا ہے، یعنی مطلق وقت، مثلاً کھانا کھانے کا وقت ہوتا ہے، پاخانہ کرنے کا وقت ہوتا ہے کہ جب بھی تقاضہ ہوتا ہے بس وہی اس کا وقت ہے، اور یہ سارے کام وقت پر کئے جاتے

ہیں اس میں نگرانی کی ضرورت نہیں پڑتی، ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی ایک مہینہ میں اکٹھا صرف تین بار کھانا کھالے پھر چھٹی بلکہ وقت پر کھانا کھاتا ہے، اسی طرح نماز پڑھنا، اسباق کی پابندی کرنا یہ بھی ہمارا کام ہے اس کو بھی پابندی سے وقت پر کرنا چاہئے، نہ کرنے سے اپنا ہی نقصان ہے، اس بات کو سوچ لیں کہ اس کام کے کرنے یا نہ کرنے میں ہمارا فائدہ ہے یا نقصان؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مدرسوں میں حاضری وغیرہ کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے آدمی اپنا نفع نقصان خود سوچ لے، لیکن مدارس میں بھی اب وہ بات نہیں رہی، تم لوگ خود ہی بتاؤ اگر کرنے والے کام کوئی نہ کرے اور نہ کرنے والے کام کرے تو اس میں اس کا نقصان ہے یا نہیں؟ کھانا نہ کھائے، پانی نہ پیئے اس میں اس کا نقصان ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ کام کرنے کے ہیں اور یہ نہیں کرتا اسی طرح تمام کاموں میں سوچ لو، نماز پڑھنا یہ کام کرنے کا ہے یا نہیں، اسباق کی پابندی، مطالعہ کرنا یہ کرنے والے کام ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو پھر ان کو کیوں نہیں کرتے، ان کو نہ کرنے سے نقصان ہوگا یا نہیں؟ ابھی تم ہی نے تو کہا ہے کہ کرنے والے کاموں کے نہ کرنے سے نقصان ہوتا ہے تو جب یہ کام کرنے والے ہیں پھر کیوں نہیں کرتے آدمی اپنا نفع نقصان خود سوچ لے، ہمت کرے اور کام میں لگے۔

علم بغیر محنت وکوشش کے حاصل نہیں ہوتا

فرمایا: کسی کام میں کوشش کا مقصد مطلوب کا حاصل ہوجانا ہوتا ہے، جب تک مطلوب حاصل نہ ہو برابر کوشش میں لگا رہنا چاہئے، کوشش کی کوئی حد نہیں ہے، اس کی حد بس یہی ہے کہ جب تک مطلوب حاصل نہ ہو برابر کوشش میں لگا رہے، مثلاً جب تک سبق سمجھ میں نہ آجائے کوشش میں لگا رہے، ایک نہیں تو دوسرے سے دوسرے سے نہیں تیسرے سے سمجھے، جب تک سمجھ نہ لے برابر کوشش میں لگا رہے، لیکن لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی چیز میں ایک بار دو بار کوشش کرلی تو کافی ہے، بغیر مجاہدہ ومحنت اور بغیر کوشش کے کوئی چیز نہیں ملتی، مال حاصل کرنے کے لئے آدمی کوشش کرتا ہے، کماتا ہے، بڑی کوشش

کے بعد اس کو چند پیسے ملتے ہیں، اور علم بغیر محنت و کوشش کے کیسے مل جائے گا، طلبہ تو بغیر محنت و کوشش کے بس سند حاصل کر لیتے ہیں، اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں، آدمی جب تک علم کا غلام نہ بن جائے تب تک علم حاصل نہیں ہوتا، علم بہت خوشامد کراتا ہے تب کہیں جا کر علم آتا ہے، اگر تم لوگ واقعی محنت کرو تو علم کیسے نہ آئے گا، اصل وجہ یہ ہے کہ آج علم کا ذوق نہیں ورنہ اگر استعداد بنانا چاہیں تو کیسے نہیں بن سکتی لیکن محنت ہی نہیں کرتے اور بغیر محنت کے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

طلبہ کو چند اہم نصیحتیں

طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: تکبر کبھی نہ کرنا چاہئے، تکبر آدمی کو ہلاک و برباد کر دیتا ہے، اپنے ساتھیوں اور ہمعصروں سے بھی تکبر نہیں ہونا چاہئے، مثلاً کسی ساتھی کو کچھ نہیں آتا، عبارت نہیں آتی ترجمہ نہیں آتا اور ہم کو آتا ہے تو اس پر تکبر نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ جو کچھ ہے سب کچھ انھیں کا دیا ہوا ہے بندہ کا اس میں کیا کمال وہ جب چاہیں چھین لیں کوئی کیا کر سکتا ہے، ایک منٹ میں کچھ سے کچھ ہو سکتا ہے، جس خدا نے مجھ کو پیدا کیا ہے اسی خدا نے اس کو بھی پیدا کیا ہے پھر تکبر کیسا وہ مجھ کو بھی اس جیسا پیدا کر سکتا تھا، میرا ذہن اُس کو اور اُس کا ذہن مجھ کو دے سکتا ہے، یہ تو محض اللہ کا فضل ہے اس پر شکر کرنا چاہئے اور ڈرتے رہنا چاہئے۔

اللہ نے جس کو کوئی نعمت دی ہو اس پر تکبر کبھی نہ کرے، اترائے نہیں، فخر نہ کرے، اللہ کا فضل اور اس کا انعام سمجھے، اللہ نے جو نعمت دی ہے دوسروں کو فائدہ پہنچائے، دوسروں کو سکھلا دے بتلا دے، جن ساتھیوں کو مثلاً عبارت نہیں آتی مطلب نہیں آتا ان کو سکھلا دے بتلا دے، خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ، بہتر شخص وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے، تم دوسروں کو نفع پہنچاؤ اللہ تعالیٰ تم کو نفع پہنچائے گا، ترقی ہوگی، اور ترقی ایسے ہی ہوتی ہے، دو چار لڑکوں کو لے کر بیٹھ جاؤ، جن کا قرآن پاک صحیح نہیں ہے ان کا قرآن صحیح کراؤ، یہ تو قرآن پاک کے متعلق ہے، اور عربی کی عبارت جن طلباء کو نہیں آتی دو چار لڑکوں کو لے کر بیٹھ جاؤ کہ لاؤ ہم تمہاری عبارت صحیح کرا دیں، صرف نحو، صیغہ اور تعلیل کی مشق کرا دو، چند

تعلیلیں ہیں گھوم پھر کروہی آتی ہیں ان کو بتادواس طرح ان کی عبارت صحیح کرادو، اتنا کر کے دیکھوترقی ہوتی ہے یا نہیں، مجھے بھی جو کچھ آتا ہے یہ سب اسی طریقہ کی برکت ہے، میرے ایک ساتھی تھے ابھی وہ موجود ہیں، اس وقت شیخ الحدیث ہیں وہ عبارت تو صحیح پڑھتے تھے، لیکن اگر وجہ پوچھی جاتی تو نہ بتلا پاتے کہ یہ اعراب کیوں پڑھا ہے، مجھ سے کہنے لگے کہ میں نے شرح مائۃ عامل اچھی طرح محنت سے نہیں پڑھی، میں نے کہا کہ اس میں کیا حرج ہے، میں تکرار کرادوں گا، ہدایہ کے سال میں نے ان کو شرح مائۃ عامل کا تکرار کہلایا، اس وقت وہ شیخ الحدیث ہیں، کئی بار ان سے کہا کہ یہاں تشریف لائیے، آتے نہیں کبھی آئے تو بتلاؤں گا اور دکھاؤں گا کہ یہ کیسے سیدھے بزرگ اور شریف آدمی ہیں۔

اگر کچھ کرنا اور بننا ہے تو اپنے کو مٹادو

فرمایا حضرت مولانا مظفر صاحبؒ نے اپنے آپ کو بہت چھپایا اور اپنے آپ کو بالکل مٹادیا تھا اسی کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنی مقبولیت اور محبوبیت عطا فرمائی تھی، جب تک آدمی اپنے آپ کو فنا نہیں کرتا اس وقت تک اس میں کمال نہیں پیدا ہوتا، ہرا بھرا کھیت کب لہراتا ہے جب بیج خاک میں ملتا ہے، چمیلی اور گلاب کی خوشبو کب پھیلتی ہے؟ جب پہلے وہ اپنی حقیقت کو فنا کر دیتا ہے، خاک میں ملا دیتا ہے، اور آج یہی چیز نہیں ہے، کمال پیدا ہو تو کس طرح، ہر ایک کو اپنی ناک کی فکر ہے، ہر شخص چاہتا ہے کہ ہماری ناک اونچی ہو جائے، ہماری عزت ہو، ہمارا نام ہو، ہماری شہرت ہو، اسی میں جھگڑا کرتے ہیں ہم کو فلاں کتاب پڑھانے کو نہیں ملی، ہم کو یہ کتاب ملنی چاہئے، بخاری شریف پڑھانے کا تو ہمارا حق تھا فلان کو کیوں دے دی گئی، فلاں جونیئر ہے فلاں سینئر ہے، یہ سب اسی وقت ہوتا ہے جب ناک اونچی کرنے کی فکر ہوتی ہے، اسی لئے آج علماء سے فیض نہیں ہو رہا ہے، اور ان کے وجود سے جو انوار و برکات ہونا چاہئے وہ نہیں ہو رہے ہیں، اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ آج کل کے علماء نے اپنے آپ کو فنا نہیں کیا، اپنے نفس کی اصلاح نہیں کرائی، ایسا شخص جہاں بھی جائے گا، جس مدرسہ میں بھی

جائے گا اس کی ذات سے فساد ہی فساد ہوگا، اگر کچھ کام کرنا ہو تو اپنے کو مٹا دے فنا کردے، کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرے، اس کی جوتیاں سیدھی کرے، اور اپنی ذات کو فنا کردے، اس کے بغیر کامیابی نہیں ہوتی۔

جو طلبہ واقعی پڑھنے والے ہوتے ہیں، محنت کرتے ہیں، ذی استعداد ہوتے ہیں، لیکن اصلاح نفس کی فکر نہیں ہوتی ایسے لوگوں کے بارے میں کہہ رہا ہوں کہ شیخ الحدیث شیخ الادب اور مفتی کے نام سے مشہور ہوجانے کی فکر میں رہتے ہیں، اور ان کے اندر صلاحیت بھی ہوتی ہے، محنت بھی کرتے ہیں، لیکن اپنے آپ کو فنا نہیں کرتے، اپنے کو چھوٹا نہیں سمجھتے، تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں، ایسے لوگوں سے اصلاح کا کام نہیں ہوتا، اور جو فیض ان کی ذات سے ہونا چاہئے وہ نہیں ہوتا، اور جو لوگ مدرسہ میں آکر یوں ہی نام کے لئے پڑھتے ہیں، کسی بورڈ کے اسکول میں امتحان دے کر ڈگری حاصل کرلیتے ہیں ایسے لوگوں کی بابت تو کچھ کہنا ہی بیکار ہے، ایسے لوگوں میں کہاں اخلاص ہوگا، ان کا مقصد تو صرف دنیا کمانا ہے، دعاء کرو اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح فرمائے۔

حضرت کی طالب علمی اور امتحان کا عجیب واقعہ

منطق کی کتاب شرح تہذیب کا سبق پڑھاتے ہوئے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ سبق بہت اہم اور مشکل مقامات میں سمجھا جاتا ہے، جب میں پانی پت میں پڑھتا تھا میرے ایک ساتھی جو میرے گہرے دوست بھی تھے، وہ بھی پڑھتے تھے لیکن ہم لوگوں کی دوستی صرف پڑھنے پڑھانے والی ہوتی تھی، پڑھنے کے سلسلہ میں وہ ہمیشہ کوشش کرتے تھے کہ یہ مجھ سے آگے نہ بڑھنے پائے میں ہمیشہ ان سے آگے رہوں، شروع شروع میں منطق وفلسفہ کی طرف میری رغبت بہت کم تھی، اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتا تھا بس درس میں کتابیں پڑھ لیتا زیادہ محنت نہ کرتا تھا، منطق وفلسفہ میں تو بعد میں محنت کی ہے، مراد آباد جاکر منطق وفلسفہ پڑھا ہے اس زمانہ میں وہاں منطق وفلسفہ کا بڑا زور تھا اور مجھے چونکہ ہر فن پڑھانا تھا اسلئے ہر فن کو محنت سے پڑھا تھا، منطق فلسفہ کی تمام اہم کتابیں شرح چغمینی وغیرہ سب وہیں پڑھی ہیں اب تو ان

کتابوں کا لوگ نام تک نہیں جانتے اور بہت سی کتابوں کی واقعی اب ضرورت بھی نہیں۔

پانی پت میں جب میں پڑھتا تھا اس وقت منطق وفلسفہ میں مہارت تو تھی نہیں میرے ساتھی مولانا اسلام الحق صاحب جو بہار کے رہنے والے تھے وہ بڑے تیز تھے، اور اس وقت منطق وفلسفہ کا امتحان لینے کے لئے جو ممتحن آتے تھے بڑا سخت امتحان لیتے تھے، مولانا بشیر احمد صاحب، مولانا نصیر احمد صاحب، مولانا ابوالوفاء صاحب جیسے لوگ امتحان لیا کرتے تھے، چنانچہ مولانا ابوالوفاء صاحب امتحان لینے کے لئے تشریف لائے ان کا معمول تھا کہ طالب علم سے کہتے کہ جہاں سے جی چاہے کتاب کھولو، طالب علم کو اختیار دے دیتے تھے، لیکن پھر پوچھتے تھے اچھی طرح، اتفاق سے امتحان کے وقت میں مولانا اسلام الحق صاحب کے بغل میں بیٹھ گیا جب ان سے کتاب کھولنے کو کہا گیا تو انہوں نے یہی مشکل مقام کھول کر دے دیا (جو آج تم لوگوں کو پڑھنا ہے) مولانا اسلام الحق صاحب کی تو پوری کتاب پختہ یاد تھی میرے لئے مشکل تھی ان کو معلوم تھا کہ یہ مشکل مقام ہے اور اس کو یاد نہیں ہے، مولانا ابوالوفاء صاحب نے فرمایا بھی کہ یہی مقام ملا تھا کھولنے کے لئے، بہرحال امتحان ہوا اس کے بعد میرا نمبر تھا میں ڈر رہا تھا لیکن اللہ کا کرنا جب میرا نمبر آیا تو مولانا نے ایک ورق الٹ دیا وہ آسان تھا اور مجھے خوب یاد تھا، اس لئے خوب بتلایا اور اچھے نمبروں سے پاس ہوا۔

اس کے بعد قدوری کافیہ کا امتحان ہونا تھا مولوی اسلام الحق صاحب ذہین آدمی تھے، انہوں نے کافیہ کا زبانی امتحان دیا جب میرا نمبر آیا تو میں نے پہلے سے کتاب کھول کر دے دی کیونکہ ان کا معمول ہی یہی تھا کہ طالب علم سے کہتے تھے کہ جہاں سے جی چاہے کھولو، لیکن مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارے ساتھی نے تو کافیہ قدوری کا امتحان زبانی دیا ہے تم کتاب کھول کر دے رہے ہو میں نے عرض کیا کہ میرا بھی زبانی لے لیجئے، ان دونوں کتابوں میں میں نے خوب محنت کی تھی اس کی عبارت تک مجھے زبانی یاد تھی، چنانچہ میں نے کتاب بند کر دی اور زبانی امتحان دیا اور اچھے نمبروں سے پاس ہوا، امتحان کے بعد مولانا ابوالوفاء صاحب نے فرمایا کہ اگر میں قسم کھالوں کہ دیوبند میں بھی ایسے طلبہ نہیں ہوں گے تو حانث نہ ہوں گا۔

باب ۲
حضرتؒ کا طلبہ سے خطاب

حضرتؒ کا معمول تھا کہ شروع سال اور آخر سال میں طلباء واساتذہ کے سامنے تقریر فرمایا کرتے تھے، یہ بھی وہی تقریر ہے جو آپ نے شروع سال میں طلباء واساتذہ کے سامنے فرمائی جس قدر نقل کر کے صاف کی جاسکی اتنی ہی شامل کردی گئی

بعد حمد وصلوٰۃ! قال النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم منھومان لایشبعان منھومٌ فی العلم ومنھوم فی المال او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام.

یعنی دو حریص کبھی آسودہ نہیں ہوتے ایسے ہیں جن کو کبھی سیرابی نہیں ہوتی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو حریص ایسے ہیں کہ ان کو کبھی آسودگی نہیں ہوتی ایک تو مال کے حریص کو چاہے اس کو کتنا بھی مال مل جائے، دوسرے علم کے حریص کو، مال کے حریص کا حال یہ ہوتا ہے کہ چاروں طرف سے ہاتھ مارنے کی کوشش کرتا ہے ایک دوکان ہے تو کوشش کرتا ہے کہ دوسری بھی دوکان ہوجائے، دو ہیں تو تیسری کی بھی کوشش کرتا ہے، دوکان کے بعد کارخانہ کی فکر کرتا ہے ادھر بھی ہاتھ مارتا ہے ادھر بھی ہاتھ مارتا ہے، یہ تو تجربہ اور مشاہدہ کی بات ہے، سب ہی لوگوں نے دیکھا ہوگا، اور یہی حال علم کے بھی حریص کا ہوتا ہے، لیکن آج ہم کو مال کے حریص تو بہت دکھائی دیتے ہیں لیکن علم کے حریص نہیں دکھائی دیتے، مال کے حریص کو تو واقعی کبھی بھی آسودگی نہیں ہوتی اور علم کے حریص کو نہ معلوم کیسے آسودگی ہوجاتی ہے۔

حرص کی علامت

مال کا حریص ایسا ہوتا کہ کبھی تھکنے کا نام نہیں جانتا، اس کو ہر وقت مال ہی کی دھن

لگی ہوتی ہے، مال کی حرص میں وہ سب کچھ بھول جاتا ہے کھانا پینا تک بھول جاتا ہے، لیکن علم کا حریص سب کچھ یاد رکھتا ہے بس علم ہی کو نہیں یاد رکھتا۔

لیکن جس زمانہ میں واقعی علم کے حریص ہوا کرتے تھے ان کا بھی حال یہی ہوتا تھا کہ تھکنا جانتے ہی نہ تھے، چاہے جتنی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں وہ سب ان کے لئے آسان تھا بس ایک ہی دھن لگی رہتی تھی کہ علم آجائے، وطن سے آتے تو برسوں بعد واپس جاتے، جنگل کے پتے کھا کھا کر روٹی کے سوکھے ٹکڑے پانی میں بھگو کر، مولی کے پتے کھا کر گذر کرتے، اور علم دین حاصل کرتے تھے، ایسا بھی ہوا ہے کہ کچھ نہیں ہے تو طباخ کے پاس گئے اور جا کر صرف روٹی کی خوشبو سونگھ لیا کرتے تھے ہزاروں واقعات اس طرح کے ہیں، نہ رہنے کا ٹھکانا نہ کھانے کا انتظام جہاں جگہ مل گئی وہیں قیام کر لیا۔

اس طرح مصیبتوں سے علم حاصل کیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے کتنا فائدہ پہونچایا ہے، اسّی اسّی جلدیں لکھ کر چلے گئے جن کا پڑھنا بھی دشوار ہے۔

لیکن آج علم حاصل کرنے والوں کو اتنی آسانیاں ہوگئی ہیں کہ اتنی کبھی نہیں ہوئیں، آسائش وراحت کے سارے اسباب مہیا ہیں اور آسائشیں بڑھتی ہی جارہی ہیں لیکن بجائے ترقی کے علم میں اتنا ہی زوال آتا جارہا ہے۔

اہل مدرسہ کی ذمہ داری

(اے عزیز طلباء!) اللہ نے تم کو یہاں بھیجا ہے یہاں رہنا اس نے تمہارے لئے مقدر کیا ہے، تمہارے والدین نے تم کو یہاں بھیجا ہے، اور تم خود بھی کچھ سوچ سمجھ کر ہی آئے ہو ایسا نہیں کہ تم کو سیلاب بہالے آیا ہو یا کسی نے تم کو یہاں پھینک دیا ہو، بلکہ کچھ سوچ سمجھ کر تم خود یہاں آئے ہو، اور اللہ نے تم کو اس مدرسہ میں بھیجا ہے۔

مدرسہ کی مثال اسپتال کی سی ہے، جب مریض اسپتال میں بھرتی ہوتا ہے تو کچھ ذمہ داری تو مریض کی ہوتی ہے اور کچھ ذمہ داری عملہ کی ہوتی ہے، اگر مریض اسپتال میں داخل ہوجائے لیکن ڈاکٹر کے بتلائے ہوئے اصول وہدایات کے مطابق عمل نہ کرے بلکہ اپنی

مرضی اور خواہش کے مطابق عمل کرے تو مریض کبھی صحت یاب نہیں ہوسکتا، مثلاً ڈاکٹر نے جو دوا تجویز کی وہی دوا استعمال کرے پانی پینے کو بتلایا تو پانی پئے الغرض ڈاکٹر کی ہر تجویز کے مطابق عمل کرے تب تو فائدہ ہوگا ورنہ نہیں۔

اور ڈاکٹر جو کچھ بھی تجویز کرتا ہے اپنے فائدہ کے لئے نہیں بلکہ اس میں سراسر مریض ہی کا فائدہ ہے مریض ہی کی خیر خواہی ہے اور خیر خواہی کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کے مناسب حال جو معاملہ ہو وہی معاملہ کرے، اب اگر مریض یہ سوچنے لگے کہ ہمارے ساتھ ظلم کیا جارہا ہے ڈاکٹر ہمارے ساتھ بدخواہی کرتا ہے، صبح وشام ہم کو چھیدا جارہا ہے، انجکشن لگ رہے ہیں، میری کوئی خواہش پوری نہیں ہوتی ڈاکٹر میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا، خواہ مخواہ ڈاکٹر سے بدگمان ہوجائے ایسے مریض کو اس ڈاکٹر سے کبھی فائدہ نہ ہوگا۔

مدرسہ کی مثال اور طلبہ واہل مدرسہ کی ذمہ داری

یہی حال مدرسہ کا ہے کہ حالات کے پیش نظر طلبہ کے واسطے کچھ اصول وقواعد مقرر کئے جاتے ہیں، یہ سب طلبہ ہی کے فائدہ کے لئے ہیں، ان پر عمل کرنے سے فائدہ ہوتا ہے، طالب علم اگر یہ سوچنے لگے کہ ہمارے ساتھ ظلم ہورہا ہے اور یہ اساتذہ ہمارے بدخواہ ہیں ہماری مرضی وخواہش کے مطابق عمل نہیں کرتے تو ایسے طالب علم کو کبھی فائدہ نہیں ہوگا، فائدہ تو اسی کو ہوگا جو ہر سختی برداشت کرنے اور کڑوی دوا پینے کو تیار ہو، ڈاکٹر کی سختی اور کڑوی دوا کو خیر خواہی سمجھنا چاہئے۔

اسی طرح اسپتال کے عملہ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ کس وقت کون سی دوا پلانی ہے کون سا انجکشن کس وقت لگنا ہے، ڈاکٹر نے جو دوا اور انجکشن جتنے بار اور جس وقت تجویز کیا ہو عملہ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرکے اس وقت وہ دوا کھانے کو دے تب تو مریض کو فائدہ ہوگا ورنہ نہیں، اگر عملہ اپنے کام میں سستی کرنے لگے ڈاکٹر نے بتلایا تھا رات میں دوا کھلانے کو، بجائے رات کے صبح کھلا دیا، انجکشن دن میں تین بار لگانا تھا اس میں کوتاہی کی، اگر عملہ اپنی ذمہ داری محسوس نہ کرے تو مریض کو کبھی فائدہ نہیں ہوسکتا۔

یہ اللہ کی تقدیر کا فیصلہ ہے کہ اس نے تم کو یہاں بھیج دیا اب اس کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہئے، اور جب اللہ نے بھیج دیا ہے تو سال بھر تک کے لئے تو طے ہوگیا کہ یہاں سے جانا نہیں ہے، اب اپنے آپ کو مدرسہ والوں کے حوالہ کردو جو قوانین اور ضوابط مدرسہ والوں نے مقرر کئے ہیں ان کے مطابق عمل کرنا طے کرلو۔

نماز اور سبق کی حاضری

انھیں اصول میں سے ایک چیز حاضری بھی ہے، یہاں کا یہ معمول ہے کہ درجہ میں سبق کے لئے اور مسجد میں نماز کے واسطے حاضری لی جاتی ہے، ہونا تو یہ چاہئے کہ حاضری ہو یا نہ ہو لیکن نماز میں کوتاہی نہ ہونا چاہئے، سونے کے واسطے کھانا کھانے کے واسطے حاضری اور نگرانی کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ طبعی چیزیں ہیں انسان خود سوتا ہے کھاتا ہے اور اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ طالب علم کی نماز میں حاضری لی جائے، سبق میں حاضری لی جائے؟ یعنی مدرسہ میں آنے کا جو مقصود ہے اس میں حاضری کی ضرورت پیش آئے، مقصود کے لئے تو حاضری لی جائے اور غیر مقصود (یعنی کھانا پینا سونا) آدمی خود کرلے، قرون اولیٰ میں اس کی کہیں نظیر نہیں ملتی کہ درجہ میں طلباء کی اس انداز سے حاضری لی گئی ہو۔

قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی کا واقعہ

حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ کا واقعہ ہے کہ کبھی بھی ان کے سبق کا ناغہ نہیں ہوا، ایک میل پیدل چل کر آنا جانا آسان کام نہ تھا پھر اس زمانہ میں تو بہت ہی مشکل تھا، رات کو سفر کرنا پڑتا تھا، لیکن کبھی سبق کا ناغہ نہیں کیا۔

پاس میں چراغ تک کے پیسے نہ ہوتے تھے طلبہ رات میں ٹہلتے رہتے تھے جہاں روشنی ملتی وہاں جاکر کتاب دیکھتے تھے، بعض طلبہ یہ کرتے تھے کہ کسی دکاندار سے کہہ دیا

کہ میں رات بھر تمہاری دکان کا پہرہ دیا کروں گا ہمارے لئے چراغ کے تیل کا انتظام کردو، پھر رات بھر جاگ کر کتاب دیکھتے، آٹے کی بتی بنا کر چراغ جلاتے اور صبح اسی آٹے کو کھالیتے، اس طرح علم حاصل کیا ہے۔

امام شافعیؒ کا واقعہ

امام شافعیؒ ایک دن سبق میں غیر حاضر ہوگئے، استاد کو بہت تعجب ہوا تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ان کے پاس پہننے کے واسطے کپڑے نہیں ہیں، اور جو تھے وہ قرض کی ادائیگی میں چلے گئے، اور یہ قرض ہوا کیسے آج کل کی طرح پکوڑی اور جلیبی کے ناشتہ میں؟ نہیں ضروریات کے لئے آلات علم قلم کاغذ کے انتظام کے لئے قرض ہوگیا، اور قرض کے سلسلہ میں حدیث پڑھی، تو خیال ہوا کہ اگر اس حال میں میرا انتقال ہوگیا تو مقروض ہوکر مروں گا، اس لئے فوراً جس طرح بن پڑا قرض چکادیا۔

امام شافعیؒ کے استاد نے اپنے کپڑے بھیجے کہ اس کو پہن لیں لیکن غیرت نے اس کو بھی گوارہ نہ فرمایا اور عرض کیا کہ اس کے بدلہ میں مجھ سے کچھ کام لے لیں چنانچہ کتاب کی کتابت وتصحیح کا کام کیا اور وہ کپڑے قبول فرمائے۔

طلبہ کی بدحالی وبدشوقی

کتنے افسوس کی بات ہے کہ تمہارے واسطے اتنی کوششیں کی جاتی ہیں، اتنی مشکلوں سے چندہ کرکے پیسہ جمع کیا جاتا ہے، تم لوگوں کے لئے ہر طرح کی سہولت اور راحت کے تمام اسباب مہیا کئے جاتے ہیں بغیر کچھ کئے کرائے بیٹھے بیٹھے آرام سے کھانا ملتا ہے، گھر میں بھی اس طرح آرام سے کھانا نہیں ملتا بلکہ پہلے گھر کا کچھ کام کرنا پڑتا ہے کاشتکار آدمی کو پہلے بھیس کا چارہ کرنا پڑتا ہے پھر کھانا ملتا ہے، اور بھی گھر کے کام کرنا پڑتے ہیں، یہاں تو کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا، بس پڑے پڑے کھاتے رہو، راحت ہی راحت ہے، لیکن اس پر بھی طلبہ مزید راحت کے طالب ہوتے ہیں، انھیں مدارس کا

رخ کرتے ہیں جہاں زیادہ سے زیادہ سہولت اور آسانیاں اور ہر طرح کی آزادی حاصل ہو، آج اِس مدرسہ میں تو کل اُس مدرسہ میں سال بھر تک وہ مدرسہ ہی بدلتے رہتے ہیں، اور مدرسہ والوں نے بھی مدرسہ کو دکان بنا رکھا ہے کہ ہمارے یہاں گاہک زیادہ آئیں، ہمارے یہاں طلبہ کی کثرت ہو، اور زائد سے زائد آرام پہونچانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ طلبہ خوب آئیں۔

لیکن ان سب آسائش اور راحتوں کے باوجود طلبہ کو جس طرح محنت کے ساتھ علم دین حاصل کرنا چاہئے، اور جو باتیں ان میں ہونا چاہئے وہ نہیں ہیں، کتنے افسوس کی بات ہے کہ دینی مدرسہ اور فجر سے پہلے ایسا معلوم ہو جیسے قبرستان سنسان نہ کوئی تلاوت کرنے والا نہ ذکر کرنے والا، اگر رات میں دیر سے سوئے تو کم از کم فجر کی اذان کے بعد تو فوراً اٹھ جانا چاہئے لیکن یہ بھی نہیں ہوتا۔

حضرت رائے پوریؒ کا واقعہ

حضرت رائپوریؒ ایک مسجد میں رہا کرتے تھے اس وقت تک دارالاقامہ کا تو نظم تھا نہیں دارالاقامہ تو میرے زمانہ تک بھی نہیں تھا، حضرت رائپوریؒ ایک مسجد میں چٹائیاں بچھایا کرتے اور حمام جھونکا کرتے تھے، اور جب تک متولی مسجد کی طرف سے چراغ جلانے کی اجازت ہوتی اس وقت تک تو چراغ کی روشنی میں کتاب دیکھتے اور اس کے بعد حمام کی آگ کی روشنی میں کتاب دیکھا کرتے تھے، سردی کی راتوں میں اوڑھنے بچھانے کا کوئی انتظام نہ ہوتا تھا مسجد کی چٹائیوں میں لپٹ جاتے تھے، اس طرح علم دین حاصل کیا ہے پھر دیکھو اللہ نے ان سے کیسا کام لیا ہے۔

اگر کوئی طالب علم واقعی طالب علموں کی طرح زندگی گذارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے کام لیتا ہے آج کوئی دروازہ بند تھوڑی ہو گیا ہے لیکن ہم لوگوں نے خود ہی دروازہ بند کر رکھا ہے۔

طلباء کے اوصاف

طالب علم کو تو اس پر قناعت ہونا چاہئے کہ اس کو پیٹ بھر کر دو روٹی نصیب ہو جائیں جس سے اس کی کمر سیدھی ہو سکے، سامان رکھنے کی جگہ مل جائے، پڑھنے کے لئے روشنی کا انتظام ہو جائے بس، یہاں مدرسہ کی طرف سے روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے، جرنیٹر چلتا ہے لیکن اگر نہ بھی ہو یا کچھ دیر ہو جائے تو طالب علم کو چاہئے کہ اپنی طرف سے خود اس کا انتظام رکھے، ہر کمرہ میں ایک لالٹین ہونا چاہئے جہاں جرنیٹر چلنے میں دیر ہو لالٹین جلا کر کتاب دیکھنا شروع کر دیں۔

دو باتوں کا اہتمام زیادہ کریں ایک تو نماز کا اہتمام دوسرے درجہ کی پابندی اس میں ناغہ نہ ہونا چاہئے، حاضری ہو یا نہ ہو، کوئی نگرانی کرنے والا ہو یا نہ ہو ہمارا کام ہے ہم کو کرنا ہے۔

صفائی کا اہتمام

ان سب کے ساتھ ساتھ صفائی کا بھا بہت اہتمام رکھو کمرہ اور کمرہ کے سامنے کا صحن بالکل صاف ہونا چاہئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ’’نَظِّفُوا اَفْنِیَتَکُمْ‘‘ اپنے گھر کے سامنے کے صحنوں کو صاف رکھو جب صحن کی صفائی کا حکم ہے تو خود مکان کی صفائی کا حکم کس درجہ ہوگا، مدرسہ میں اگر صفائی نہ ہوگی تو کہاں ہوگی، اور مدرسہ والے اس کا اہتمام نہ کریں گے تو کون کرے گا، ایسا نہ ہو کہ ہر کمرہ کے سامنے کوڑے کا ڈھیر لگا ہوا ہو، کمرہ میں رہنے والے لڑکے باری مقرر کر لیں اور باری باری صفائی کرتے رہا کریں۔

مدرسہ کے ذمہ دار اور مدرسین کی ذمہ داری

اساتذہ کو چاہئے کہ اپنی ذمہ داری سمجھیں، طلباء کی نگرانی کریں، زیادہ نہیں صرف چار چار پانچ پانچ کمرے ہر مدرس کے حصے میں آتے ہوں گے، اگر انھیں کمروں کی نگرانی کر لیں تو نظام قابو میں آسکتا ہے، ہم کو تو یہ سوچنا چاہئے کہ ہماری ذات سے زیادہ

سے زیادہ فائدہ پہونچ جائے، طالب علم کے مدرسہ میں داخل ہوجانے کے بعد تربیت کے سلسلہ سب سے زیادہ ہماری ذمہ داری ہوجاتی ہے، مدرسہ میں کمرہ دینا اور کھانے کا انتظام کرنا فرض نہیں لیکن جو طلبہ مدرسہ میں داخل ہوگئے ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا ہمارے ذمہ ضروری ہے، اساتذہ کی مثال تو مشفق باپ جیسی ہے، استاد باپ کے مثل ہوتا ہے شاگرد اپنے کو بچہ سمجھے اور استاد اپنے کو باپ سمجھے اور اپنے بچہ جیسا معاملہ کرے، بچہ کو گود میں بھی لینا پڑتا ہے اور کبھی پاخانہ بھی دھلانا پڑتا ہے اور ضرورت پر طمانچہ بھی لگائے جاتے ہیں، لیکن نفس کے واسطے نہیں بلکہ اصلاح کے واسطے، اور یہ تو اللہ جاننے والا اور دیکھنے والا ہے کہ ہم کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کس نیت سے کرتے ہیں دوسرا کوئی کیا جان سکتا ہے، الغرض استاد کو چاہئے کہ شاگرد کے ساتھ اپنے بچہ جیسا معاملہ کرے۔

(حضرتؒ کی تقریر طویل تھی جس قدر صاف کی جاسکی وہ نقل کردی گئی باقی اس وقت پیش نظر نہیں، دعاء کیجئے یہ تقریر اور اسی طرح حضرت کی دوسری تقریریں مرتب اور صاف کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔)

وقت کی قدر، زبان کی حفاظت، نفس کی نگرانی

فرمایا وقت کی بہت قدر کرنا چاہئے، ہمارا ہر آنے والا دن گذشتہ دن سے اچھا ہونا چاہئے، اگر کسی کا کل اور آج کا دن برابر ہی رہا اور ایک دن میں اس نے ترقی نہیں کی، تو یہ اس کے لئے بڑے خسارہ کی بات ہے، آدمی کو چوبیس گھنٹے ملیں اور اس میں وہ کچھ کما نہ سکے کتنے افسوس کی بات ہے، اسی لئے بزرگوں نے ایک ایک منٹ کی قدر کی ہے، کوئی ایک بات فضول منھ سے نکالنا گوارا نہیں کیا، زندگی ہے ہی اسی لئے کہ اس کی قدر کی جائے، اور قدر کرنے ہی سے ترقی ہوتی ہے۔

حدیث پاک میں قصہ آیا ہے ایک صحابی شہید ہوگئے اس کے ایک ہفتہ کے بعد دوسرے صحابی کا انتقال ہوگیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ تم نے اپنے اِس مرحوم بھائی کے لئے کیا دعاء کی، انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے یہ دعاء

کی ہے کہ یا اللہ ہمارے اس بھائی کو شہید بھائی کے ساتھ ملا دیجئے، اور ان کو بھی اس مرتبہ پر پہنچا دیجئے، آپ نے فرمایا اگر تم نے اپنے بھائی کے لئے یہ دعاء کی ہے تو بڑے خسارہ کی دعائی کی، ان کے ایک ہفتہ کا عمل کہاں جائے گا، وہ صحابی شہید ہوئے ٹھیک ہے، شہادت کا بلند مقام ہے، لیکن ایک ہفتہ میں انہوں نے جو کمایا ہے، اور جو نیک اعمال کئے ہیں اس کی وجہ سے وہ تو کہیں اور پہنچ گئے، تو دیکھئے ایک ہفتہ میں شہید سے بڑھ سکتے ہیں اور ساٹھ ستر سال میں نہیں بڑھ سکتے؟ یہی زندگی ہے اگر اس کی قدر کی جائے اور اس کو اس طرح خرچ کیا جائے کہ ایک ایک منٹ ضائع ہونے سے بچایا جائے تو انسان نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے، لیکن کوئی ہو تو کمانے والا، ہم کو تو فضول باتوں ہی سے فرصت نہیں ملتی، پتہ نہیں لوگوں کی طبیعت کیسے لگتی ہے ادھر ادھر کی واہیات اور فضول بکواس میں، ہر شخص کو ہر وقت ہر لمحہ ہر آن اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے کہ کہیں وقت ضائع تو نہیں ہو رہا، کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف تو نہیں ہو رہا؟ ہر وہ قدم جو آگے بڑھ رہا ہے اس کو بڑھانے سے پہلے سوچ لینا چاہئے کہ یہ قدم اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھ رہا ہے یا نہیں، منھ سے بات نکالنے اور بولنے سے پہلے سوچ لینا چاہئے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

نافرمانی سے تنزلی ہوتی ہے اور اطاعت وفرمابرداری سے آدمی ترقی کرتا ہے، آگے بڑھتا ہے، اور اگر نفس کو مقید نہ کیا جائے اس کو پابند نہ بنایا جائے تو وہ بالکل آزاد ہو جائے گا، پھر جو چاہا زبان سے بک دیا، اس کی عقل میں فتور آجاتا ہے، اس کی زبان بے باک اور اس کے ہاتھ پیر بے حس ہو جاتے ہیں، اس کے اعضاء مفلوج ہو جاتے ہیں، وہ جو چاہتا کرتا ہے، جہاں چاہتا ہے جاتا ہے، جو چاہتا ہے بولتا ہے، جو چاہتا ہے کھاتا ہے، نفس کو جب ذرا بھی ڈھیل دی جائے گی تو تمام اعضاء آزاد ہو جائیں گے، اس لئے ہر وقت نفس کا اور تمام اعضاء کا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے، تب ہی ترقی ہو سکتی ہے ورنہ بجائے ترقی کے تنزلی ہی تنزلی ہوتی ہے۔

علم سے مناسبت اور علمی ذوق وشوق کی علامت

فرمایا اتنے دن مدرسہ میں رہنے اور پڑھنے کے بعد بھی اگر علم سے مناسبت نہ پیدا ہوئی اور علمی ذوق وشوق ہمارے اندر نہیں پیدا ہوا، اور علمی مزاج ہمارا نہ بنا، علم اور کتابوں سے عشق نہ پیدا ہوا تو بڑے تعجب کی بات ہے، ہمارا تو مرنا جینا اوڑھنا بچھونا یہی کتابیں ہونی چاہئے، بغیر کتابوں کے ہم کو چین نہ آنا چاہئے، بڑے افسوس کی بات ہوگی اگر دس بارہ سال گذارنے کے بعد بھی ہمارا یہ مزاج نہ بن سکا، ہمارا تو یہ حال ہونا چاہئے کہ مدرسہ کی چہار دیواری اور کتابوں کے سایہ ہی میں ہم کو سکون ملے، یہیں جینا یہیں مرنا یہیں گڑنا، کتابوں کے مطالعہ ہی میں ہماری سیر وتفریح ہو، ہماری تفریح کا سامان یہی ہے، دنیا میں کسی جگہ سیر وتفریح میں ہمارا جی ہی نہ لگے، ہماری تفریح گاہ تو ہماری یہی کتابیں ہیں، کسی شاعر نے یہ شعر کہا ہے، اور بڑے دل کی بات کہی ہے۔

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

واقعی ہمارا بھی حال یہی ہونا چاہئے ہمیں دنیا سے مطلب کیا، ہمارا تو اوڑھنا بچھونا مرنا جینا سب یہیں ہونا چاہئے، جس کو کسی چیز سے عشق وتعلق اور لگاؤ ہو جاتا ہے وہ اس کو بھولتا نہیں اور اس سلسلہ کو ختم نہیں کرتا، دوکاندار دکان ختم نہیں کرتا، بیمار ہو جائے تب بھی دکان کھولنے کی فکر کرتا ہے، کارخانے بند نہیں ہوتے بس یہ مدرسے ہی ایسے ہیں کہ ذراسی بات میں بند ہو جاتے ہیں، معمولی وجہ سے اسباق کا ناغہ کر دیا جاتا ہے۔

وقت کی قدر دانی اور عشاء کے بعد طلبہ کی عبارت سننے کا معمول

حضرت اقدس کی دن میں مصروفیات بڑھتی جارہی تھیں، مہمانوں کا اس قدر ہجوم ہونے لگا کہ سبق پڑھانے میں جو وقت صرف ہوتا تھا مہمانوں میں بھی صرف ہونے لگا، مہمانوں کا کام اگر جلدی نہ کیا جائے تو بھیڑ جمع ہوتی چلی جائے لیکن مہمانوں کی وجہ

سے حضرت طلبہ کی تعلیم کا نقصان گوارہ نہ فرماتے تھے، سبق پڑھنے میں پہلے طلبہ عبارت پڑھتے تو اس کو بھی حضرت جلدی اور سرسری طور پر پڑھنا اور سننا پسند نہ فرماتے تھے، بلکہ عبارت بہت غور سے سنتے اعراب کی وجہ، گردان اور صیغوں کی تحقیق بھی کراتے، اور فرماتے کہ استعداد اسی سے بنتی ہے، اسی وجہ سے عبارت میں اچھا خاصا وقت خرچ ہوتا تھا، بسا اوقات عبارت صحیح نہ پڑھنے اور طلبہ کے مطالعہ کئے بغیر پڑھنے کی وجہ سے ناراض ہوکر اٹھا دیتے تھے، الغرض عبارت کی تصحیح پر بہت زور دیتے اور اس میں کافی وقت خرچ کرتے لیکن گھنٹہ کے وقت میں اتنی گنجائش نہ ہوتی، مہمانوں کی وجہ سے دن میں وقت کم ہوتا تھا اس لئے دن میں جو اسباق پڑھانے ہوتے اس کی صرف عبارت بعد عشاء طلبہ کی سن لیتے، ایک دو جماعت کی تو پابندی سے سنا کرتے تھے جب مہمانوں کا ہجوم زیادہ ہونے لگا تو تیسری جماعت سے بھی فرمایا کہ ’’وقت بہت کم رہتا ہے تم لوگ بھی اتنا ایثار کرو کہ شرح جامی والوں کی طرح تم لوگ بھی عشاء کے بعد ہی عبارت سنا دیا کرو اِس وقت (یعنی دن میں) صرف سبق پڑھانا رہ جائے عبارت پہلے ہی ہوجایا کرے۔

چند سال قبل کی بات ہے کہ فجر سے پہلے ہی میں اسباق پڑھا دیا کرتا تھا، وقت میں بڑی برکت ہوتی تھی، اب لڑکے زیادہ ہوگئے، سب کو جگانے اور اٹھانے میں پریشانی ہوتی ہے، ایک طالب علم نے عرض کیا حضرت اس کا بھی تو کچھ نظم بنایا جاسکتا ہے، حضرت نے فرمایا کہ میں نے تو کہا تھا کہ ایک جماعت کے لڑکے ایک ساتھ ایک جگہ ایک درسگاہ میں رہیں، وہیں ان کا رہنا اور پڑھنا ہو، ان کو جگانا اٹھانا آسان ہوگا، اس میں بڑی آسانی ہوگی لیکن ایسا ہو نہیں سکا، آسان صورت یہی ہے کہ تم لوگ رات ہی میں عبارت سنا دیا کرو اور سبق صبح پڑھ لیا کرو، رات میں چار گھنٹے سونے کے لئے بہت کافی ہیں، اسباق کا ناغہ بالکل نہ ہونا چاہئے، اگر کسی کو تین چار دن کھانا نہ ملے اس کا کیا حال ہوتا ہے، اور اگر تین چار دن سبق نہ ہو اس کی کچھ پرواہ نہیں‘‘۔

وقت کی قدردانی

حضرت کے ایک عزیز نے حضرت سے شادی میں بارات میں ساتھ چلنے کی درخواست کی حضرت نے فرمایا مجھے مجبور نہ کرو، میں ایک ایک منٹ بچاتا ہوں، تم کو تو میں جانتا ہوں کہ تم برانہیں مانو گے، کل فلاں صاحب کی شادی ہے (وہ بھی حضرت کے عزیز ہیں) وہ عجیب قسم کے ہیں، وہ ناراض ہوجائیں گے اس لئے مجبوراً جانا ہی پڑے گا انہوں نے پہلے ہی سے ڈھنڈورا پیٹ دیا اور لوگوں سے کہنا شروع کردیا کہ مولانا صاحب میری شادی میں کیوں آنے لگے وہ تو بڑوں کے یہاں جاتے ہیں، حضرت نے فرمایا اس لئے اس میں تو جانا ہی پڑے گا لیکن تم سمجھ دار ہو مجھے معلوم ہے تم ناراض نہ ہوگے اس لئے مجھے چھوڑو، میں پیشاب پاخانہ روکے بیٹھا رہتا ہوں کام کی وجہ سے، مہینہ بھر ہوگیا صرف تین چار مرتبہ ۴/۵ منٹ کے لئے گھر گیا ہوں صرف یہی سوچ کر کہ اتنی دیر میں یہاں کچھ کام کرلوں گا، احقر نے عرض کیا کہ کل حضرت کو کانپور بھی جانا ہے، حضرت نے فرمایا اب نہیں جانا معلوم ہوا ہے کہ شادی میں ناچ ناچ کر چل پھر کر لوگ کھانا کھائیں گے، فیشن اور رسم کے مطابق شادی کر رہے ہیں، مجھے اطلاع ہوگئی ہے، اس لئے اب وہاں نہیں جاؤں گا۔

مدرسہ میں رہ کر امانت و دیانت سیکھو

حضرت اقدس نے حسب معمول بعد فجر سبق پڑھانا شروع کیا، حضرت کا معمول تھا کہ بعد فجر روشنی ہوجانے کی وجہ سے خصوصاً گرمیوں میں سارے بلب گُل کرادیتے ہیں۔ ضرورت ہوتی تو صرف ایک بلب جلتا رہتا، ایک دن حضرت نے دیکھا کہ بلا ضرورت تیز بلب جل رہا ہے حالانکہ صبح کی روشنی کافی ہوچکی تھی، حضرت نے فرمایا اس کو بند کردو، اب اس کی روشنی کی ضرورت نہیں، یہ بھی اسراف ہے، اسراف کہتے ہیں بلا ضرورت خرچ کرنا یا ضرورت سے زائد خرچ کرنا، مثلاً ضرورت ہے ایک بلب کی جلا رہے ہیں دو بلب یہ بھی اسراف ہے، ضرورت ہے دھیمی روشنی کی جلا رکھی ہے تیز روشنی

یہ بھی اسراف ہے، اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ ہر کمرہ میں دو بلب ہونا چاہئے، ایک تیز روشنی کا پڑھنے کے واسطے، جب مطالعہ کرنا ہو اس کو جلالو، اور ایک دھیمی روشنی کا زیرو پاور کا ہونا چاہئے، جب بات چیت کرنا ہو یا اور کوئی کام کرنا ہو اس وقت اس کو جلالیا کرو، باتیں کرتے وقت زیادہ روشنی کی کیا ضرورت ہے مدرسہ میں رہ کر یہی سب بات سیکھنے کی ہیں، اور مدرسہ میں اسی واسطے رہا جاتا ہے، اب مدرسوں سے یہ سب باتیں اٹھتی جارہی ہیں، یہ سب حرکتیں امانت اور دیانت کے بھی تو خلاف ہیں، اگر اپنی ذاتی چیز ہو، اس کو بھی ضرورت سے زائد نہیں استعمال کرسکتے ورنہ اسراف کا گناہ ہوگا، جب خاص اپنی ذاتی چیز کے بارے میں یہ حکم ہے تو پھر مدرسہ کی چیز تو امانت ہوتی ہے اس میں اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، لیکن اب مدرسوں میں ان چیزوں کا ذرہ برابر لحاظ نہیں کیا جاتا، یہ سب چیزیں اٹھتی جارہی ہیں اسی وجہ سے مدارس سے خیر و برکت اٹھتی جارہی ہے، بڑے بڑے لوگوں میں یہ باتیں نہیں، امانت نہیں، دیانت نہیں، تقویٰ نہیں، اللہ کے بندو! امانت سیکھو، دیانت سیکھو، افسوس ان باتوں کو نہ کوئی کہنے والا نہ ٹوکنے والا، آج رات میں نے دیکھا کہ بعض کمروں میں سونے کے وقت بہت تیز بجلی جل رہی تھی اس وقت اس کی کیا ضرورت تھی، میں کہتا ہوں امانت دیانت سیکھو ورنہ مدرسہ میں رہنے سے کیا فائدہ۔

دیانت و امانت نہیں تو کچھ بھی نہیں

فرمایا حدیث شریف میں ہے "لا دین لمن لا امانة له الخ" یعنی جس کے اندر عہد و پیمان اور دیانت داری نہ ہو وہ مؤمن نہیں ہے، دینداری تقویٰ کا نام ہے، کوئی دیکھے یا نہ دیکھے بس اللہ کا خوف ہونا چاہئے، یہاں مسجد میں طلبہ پنکھا چلا کر سوتے ہیں، یہ دینداری اور دیانت کے خلاف ہے یا نہیں؟ ضرور ہے، کوئی دیکھے یا نہ دیکھے اللہ تو دیکھ رہا ہے۔

اپنے بڑوں کے سامنے اپنا علم اور قابلیت نہ ظاہر کرنا چاہئے

فرمایا اپنے بڑوں اور استادوں کے سامنے کبھی اپنے علم کو ظاہر نہ کرنا چاہئے، ان کے سامنے اپنی بڑائی ظاہر نہ کرے، ان کے سامنے تو چھوٹا ہی بن کر رہے، اگر وہ کوئی

بات بیان کریں اور تم کو وہ بات معلوم بھی ہو تو اس طرح نہ کہنا چاہئے کہ جی حضرت مجھے بھی یہ معلوم ہے، وہ جو کچھ کہیں اس کو سن لے، ایسا بن جائے جیسے معلوم ہی نہیں، یہ سب باتیں ہیں جن کی وجہ سے استاد کے دل میں شاگردوں کی محبت اور عظمت پیدا ہوتی ہے، اور اگر کوئی بات کہنا بھی ہو تو اس طرح کہے کہ حضرت یہ بات میں اس طرح سمجھا ہوں حاشیہ میں اس طرح لکھا ہے کیا میں صحیح سمجھا ہوں؟ انداز بالکل متواضعانہ اور عاجزانہ ہونا چاہئے۔

صحابۂ کرام کا یہی طریقہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات ان سے دریافت فرماتے تھے، تو علم کے باوجود محض ادب وعظمت کی وجہ سے یہ فرماتے تھے "اللّٰہ ورسولہ اعلم" ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ یہ کون سا مہینہ ہے، کون سا دن ہے، کون سا مقام ہے، ہر ایک کے جواب میں صحابہ نے یہی فرمایا "اللّٰہ ورسولہ اعلم" کیا صحابہ کرام کو دن معلوم نہ تھا کہ آج کون سا دن ہے اور کون سا مہینہ ہے، کیا ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ کون سا مقام ہے، مگر پھر بھی اپنے علم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے سامنے ہیچ سمجھا کہ ہم جو جانتے ہیں غلط جانتے ہیں، جو ہم نے سمجھا ہے غلط سمجھا ہے، ہماری آنکھیں غلط دیکھ سکتی ہیں، ہم غلط سمجھ سکتے ہیں، ہمارا علم بھی غلط ہو سکتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو بات فرمائیں گے وہ بالکل صحیح ہوگی، ہماری آنکھ تو غلط دیکھ سکتی ہے، لیکن آپ کا فرمان غلط نہیں ہو سکتا، اگر آپ دن کو رات کہیں تو وہ رات ہی ہوگی گو ہماری آنکھیں دن دیکھ رہی ہوں، اسی لئے صحابہ کرام اپنے علم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے سامنے کچھ نہ سمجھتے تھے، اور فرماتے تھے "اللّٰہ ورسولہ اعلم" اس سے معلوم ہوا کہ بڑوں کے سامنے اپنی بڑائی اور علم کا اظہار نہیں کرنا چاہئے کہ ہم بھی یہ جانتے ہیں، اور اگر جانتے بھی ہوں تو بھی اس کو ظاہر نہ ہونے دیں، ادب کا تقاضہ یہی ہے، دوسرے ممکن ہے کہ ہم غلط سمجھے ہوں۔

(لیکن اگر بڑے کوئی بات دریافت کریں، خود پوچھیں اور بولنے کا حکم دیں اس وقت ادب سے بولنا اور صحیح صحیح جواب دینا ضروری ہے ورنہ یہ بہت بڑی بے ادبی، حماقت، جہالت، اور نافرمانی ہوگی لان الأمر فوق الادب

طالب علم کو اکل حلال کا بہت اہتمام کرنا چاہیئے

فرمایا طالب علم کو اکل حلال کا بہت اہتمام کرنا چاہیئے، حرام سے بہت بچنا چاہیئے، اس کا باطن پر بڑا اثر پڑتا ہے، لیکن آج کل اس کی طرف نگاہ ہی نہیں جاتی، جو چاہا کھالیا پی لیا، اگر کسی کی کوئی چیز چوری کرلی تو اس کو تکلیف ہوگی اس کا دل دکھے گا، وہ پریشان ہوگا جس کا سبب یہ بنا تو کیا اس عمل سے اس چور کی آخرت تباہ نہ ہوگی، اگر کسی نے کسی کی لنگی چوری کرکے پہن لی تو کیا ایسے شخص کو علم نصیب ہوجائے گا۔

اگر حلال کا اہتمام نہ ہو تو عمل صالح کی توفیق ہو ہی نہیں سکتی، اس سے جو اعمال صادر ہوں گے ان کو اعمال صالحہ کہیں گے ہی نہیں، انبیاء علیہم السلام تک کو اکل حلال کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے "یَا اَیُّھا الرُسُل کُلوا مِنَ الطّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً.

مفسرین نے اس میں نکتہ بیان کیا ہے کہ اکل طیّب کا ذکر پہلے کیا، عمل صالح کا تذکرہ بعد میں کیا اس سے معلوم ہوا کہ پہلے اکل حلال ہونا چاہیئے تب کہیں جاکر عمل صالح ہوسکتا ہے، اسی وجہ سے اکل طیب کو عمل صالح پر مقدم کیا گیا۔

فصل

طلبہ اور ناشتہ کا اہتمام

فرمایا طلبہ میں ناشتہ کرنے کا رواج اور اس کا اہتمام اب بہت ہونے لگا ہے ورنہ میری زمانہ طالب علمی تک طلبہ میں ناشتہ کا رواج نہ تھا اور جو طالب علم اہتمام سے ناشتہ کرتے تھے ان کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا جاتا تھا ہاں شام کی بچی ہوئی سوکھی روٹی کسی نے کھالی تو کھالی ورنہ عام طور پر طلبہ ناشتہ کے عادی نہ ہوتے تھے، صرف دو وقت کا کھانا کافی ہوتا تھا۔

آدمی جیسی عادت ڈال لے ویسی عادت پڑ جاتی ہے اپنے کو ایسا عادی بنالے تو دو وقت کھانا کیوں نہیں کافی ہوسکتا ہے، رمضان شریف میں بارہ بارہ تیرہ تیرہ گھنٹے کھائے پیئے بغیر رہ لیتے ہیں اور اب چار گھنٹے نہیں رہا جاتا، کمزوری آجائے گی دماغ کمزور ہوجائے گا صحت خراب ہوجائے گی، آدمی جیسا مزاج بنالے ویسا ہی مزاج بن جاتا ہے، اس سے پہلے لوگ ناشتہ نہ کرتے تھے ان کے دماغ نہ خراب ہوئے، ہمارے اسلاف تو ایسے تھے کہ ناشتہ نہ کر کے روٹی کے سوکھے ٹکڑے جو گھر سے باندھ کر لے جاتے تھے اور رات میں پانی میں بھگو کر صبح نمک ملا کر اسی کو کھالیتے تھے، وہی ان کا ناشتہ اور وہی ان کا کھانا ہوتا تھا، وہ اس طرح سوکھے ٹکڑے کھا کھا کر رازی غزالی بنے ہیں ان کے دماغ خراب نہ ہوئے اور ایسی ایسی کتابیں لکھ کر چلے گئے۔

ہمارے حضرت ناظم صاحب (حضرت کے پیر و مرشد حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ) بھی ناشتہ کے عادی نہ تھے، ۶۵ سال تک تو ناشتہ کیا ہی نہیں، ۶۵ سال بعد جب کمزوری ہوگئی اور علاج شروع ہوا تو ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق دوا کے طور پر ناشتہ میں چھوٹا بسکٹ چائے دودھ کے ساتھ کھانے لگے ورنہ زندگی بھر تک ناشتہ کا معمول نہیں رہا، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ دورۂ حدیث کی بڑی بڑی کتابیں پڑھاتے تھے اور کبھی ناشتہ نہ کرتے تھے، نہ ان کا دماغ کمزور ہوا نہ صحت خراب ہوئی اور

زندگی بھر پڑھاتے رہے، میں بھی ناشتہ نہیں کرتا ہوں اور اب تک نہیں کرتا، اصل بات یہ ہے کہ آدمی جیسی عادت ڈال لے ویسا ہی مزاج بن جاتا ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت کے گھر سے دودھ دلیا وغیرہ کا ناشتہ آتا تھا لیکن حضرت کبھی مہمان کو کھلا دیتے کبھی مہمان کے انتظار میں رکھ لیتے کبھی کسی خادم یا بیمار طالب علم کو کھلا دیتے اور کبھی خود بھی تناول فرما لیتے تھے، یہ حضرت کا ہمیشہ کا معمول تھا۔

احقر عرض کرتا ہے کہ ناشتہ نہ کرنے کے سلسلہ میں حضرتؒ کا مذکورہ بالا ارشاد حضرتؒ کے طبعی مزاج و ذوق پر مبنی تھا، ورنہ اس کا دوسرا پہلو یعنی یہ کہ صحت و تندرستی اور تقویت کی نیت سے ناشتہ کرنے اور عمدہ غذائیں استعمال کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، یہ بھی بزرگوں اور اسلاف کا طریقہ رہا ہے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ تو خاص طور پر فرماتے تھے، کہ صحت کی حفاظت و بقاء کا خاص اہتمام کرو، خوب اچھا کھاؤ اور خوب دین کا کام کرو، ہمارا جسم سرکاری مشین ہے اس کی حفاظت ضروری ہے، اسلاف اور بزرگوں کے دونوں ذوق رہے ہیں، بہتر یہ ہے کہ جس کو اللہ نے خوب دیا ہو اور جو کر سکتا ہو وہ اس ذوق پر عمل کرے جس کو حضرت اقدس تھانویؒ نے فرمایا اور اللہ کا شکر کرے، اور جس کو اللہ نے اتنا نہ دیا ہو وہ اس ذوق پر عمل کرے جس کو صاحب ملفوظ نے فرمایا اور صبر کرے، تیسرا ذوق ایک اور بھی ہے کہ جس کو اللہ نے دیا ہو اس کے بعد بھی خود نہ کھا کر ایثار سے کام لے، اور دوسروں پر خرچ کر دے یہ ذوق سب سے افضل و اعلیٰ ہے، جو بعض صحابہ اور بعض اسلاف صاحب ہدایہ وغیرہ کا رہا ہے جس کو حضرتؒ نے اختیار کیا ہوا تھا، لیکن اس پر عمل کرنے کی کچھ شرطیں ہیں جس کے بغیر اس ذوق پر عمل کرنے کی اجازت نہیں۔ (مرتب)

کام کرنے والا آدمی عموماً زیادہ موٹا نہیں ہو پاتا

ایک مولوی صاحب جو ایک مدرسہ سے متعلق تھے ان کا تذکرہ ہوا کسی نے عرض کیا کہ بہت کمزور ہو گئے ہیں، (حضرت کو ان کے حالات سے فی الجملہ واقفیت تھی) حضرت نے فرمایا یہ علامت ہے اس بات کی کہ کام کر رہے ہیں، کام کرنے والا آدمی متفکر رہنے کی وجہ سے عموماً زیادہ موٹا نہیں ہو پاتا۔

بعض بزرگوں کے قلت طعام کا حال

فرمایا حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ پورے رمضان بھر مغرب وعشاء کے درمیان صرف دو فنجان چائے پی لیتے تھے، اور بس اس کے علاوہ کچھ نہ کھاتے پیتے تھے، حضرت شیخ الحدیثؒ نور اللہ مرقدہ نے ایک مرتبہ پورا رمضان ایسا گذارا ہے کہ صرف ایک پاؤ دھی سحری میں تناول فرمالیتے تھے اس کے علاوہ کچھ نہ استعمال کرتے، ایک بزرگ کی بابت کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ صرف ۴۰ دن میں ایک بادام کھاتے تھے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ خود ہمارے حضرت اقدس کا بھی مزاج اسی نوع کا ہے کھانا بہت کم کھاتے ہیں، مغرب میں افطار اور بعد عشاء مختصر سا کھانا تناول فرماتے ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں کھاتے پیتے، اتباع سنت کی نیت سے سحری میں ایک دو گھونٹ پانی پی لیتے ہیں، پندرہ سال سے تو احقر نے حضرت کا یہ معمول خود دیکھا، اور ایک مرتبہ حضرت نے خود بھی فرمایا کہ پہلے میرا بھی معمول تھا کہ سحری نہیں کھاتا تھا البتہ اتباع سنت کی نیت سے کسی چیز کے ایک دو لقمے کھالیتا اور پانی پی لیتا تھا۔

اور سفر میں تو بسا اوقات تین تین روز ہو جاتے ہیں اور کھانا نصیب نہیں ہوتا وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ سب کے سامنے حالت سفر میں کھانا کھاتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے اور بسا اوقات کھانا کھلانے والے اتنی کثرت سے ہوتے ہیں کہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کا کھائیں تو دوسرے کو احساس ہونے لگتا ہے، نیز کھانے میں وقت بہت خرچ ہوتا ہے اہتمام وانتظام اور انتظار میں بسا اوقات دو دو گھنٹے خرچ ہو جاتے ہیں اسی لئے حضرت کا معمول ہے کہ تقریر کے بعد فوراً واپسی فرماتے ہیں اور مدرسہ میں آنے کے بعد سب سے پہلا کام طلبہ کو سبق پڑھانا اور آنے والے مہمانوں کا کام کرنا، اس کے بعد کہیں کھانے کا نمبر آتا ہے، اور کبھی خاص مہمان آجانے پر وہ کھانا بھی مہمانوں کو کھلا دیتے ہیں اور خود بھوکے رہتے ہیں، یہ حضرتؒ کا اکثر معمول ہے۔

طلبہ کو بھی سنن ونوافل کا اہتمام کرنا چاہئے

فرمایا: آج کل طلباء میں سنن ونوافل کی پابندی بہت کم ہے، ہماری دو سنتیں پوری نہیں ہونے پاتیں اور یہ لوگ عشاء کی پوری سنتیں وتر سب پڑھ لیتے ہیں، نوافل تو پڑھتے ہی نہیں۔ ارے اگر اشراق تہجد نہیں پڑھتے تو کم از کم ان نمازوں کی تو پوری سنتیں اور نفلیں پڑھ لیا کرو، اس کا بہت بڑا فائدہ ہوتا ہے، باطن میں نور پیدا ہوتا ہے، ذہن تیز ہوتا ہے۔

طلبہ کے لئے چند مفید معمولات

طلبہ سے حضرت فرمایا کرتے ہیں کہ اگر حافظ قرآن ہو تو ایک منزل قرآن شریف پڑھ لیا کرو، فجر بعد، اوّبین میں نمازوں سے پہلے متفرق اوقات میں ایک منزل پڑھ لینا کوئی مشکل نہیں، اور غیر حافظ روزانہ ایک پارہ پڑھ لیا کریں، روزانہ سو مرتبہ درود شریف پڑھنے کا معمول بنالیں، سوتے وقت بجائے باتوں کے درود شریف پڑھتے پڑھتے اگر سو جائیں اور راستہ چلتے درود شریف پڑھتے رہیں تو کیا نقصان ہے، معمولات میں جتنا ناغہ ہو جائے جمعہ کا دن فرصت وفراغت کا ہوتا ہے ساری کمی جمعہ کے دن پوری کر لیا کریں، جتنے پارے رہ گئے ہیں جمعہ کے دن پورے کر لیں، معمولات کا جو بھی ناغہ ہوا ہو جمعہ کے دن اس کی کسر نکال لیں، نیز جمعہ کے دن سورہ کہف کا بھی اہتمام کریں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے والا فتنوں سے محفوظ رہے گا، اور جمعہ کے دن جو سورۂ کہف پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی میں ایسا نور پیدا کر دیتا ہے جو ایک ہفتہ تک باقی رہتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ہفتہ بھر میں جتنا سبق پڑھا ہے اس کا تکرار اور اعادہ کر لیا کریں۔ کیسے نہیں ترقی ہوگی۔

طلبہ کی تربیت

طلبہ مسجد سے نکل رہے تھے، طلبہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ مسجد سے نکلنے کی

دعاء پڑھی یا نہیں؟ دعاء پڑھا کرو، اور کبھی کبھی زور سے پڑھ دیا کرو تا کہ دوسرے لوگوں کو بھی یاد آ جائے اور ان کو بھی پڑھنے کی توفیق ہو جائے، لیکن اتنی زور سے نہیں کہ شور ہونے لگے، بس اتنی آواز سے کہ قریب والا سن لے۔

منتہی طلبہ کو ابتدائی کتابیں بھی دیکھنا چاہئے

فرمایا: طلبہ جب بڑی کتابیں پڑھنے لگتے ہیں تو چھوٹی کتابوں کو دیکھنے میں عار سمجھتے ہیں، میں جب جلالین شریف پڑھتا تھا اس وقت بھی نحو میر دیکھا کرتا تھا، کم از کم پچاس بار تو میں نے نحو میر دیکھی ہوگی۔

طلبہ کی جماعت چھوٹ جانا بڑے تعجب کی بات ہے

جماعت کے وقت کچھ طلباء کھڑے باتیں کر رہے تھے نماز کے بعد حضرت نے دیکھا کچھ طلبہ مسبوق بھی ہیں ان کی رکعتیں چھوٹ گئی ہیں، حضرت ناراض ہو کر سخت غصہ میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کتنے تعجب کی بات ہے مدرسہ میں رہتے ہوئے تم لوگوں کی جماعت چھوٹ جاتی ہے؟ تمہاری طبیعت اور تمہارے مزاج کے خلاف کوئی کام ہو جائے تو تم لوگوں کا کیا حال ہوتا ہے؟ اور شریعت کے خلاف کام ہو تو اس کی کچھ پرواہ نہیں، جماعت کھڑی ہو رہی ہے اور باتیں کرتے رہتے، زیادہ افسوس تو ان لوگوں پر ہوتا ہے جو دیکھتے ہیں اور ٹوکتے نہیں، مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا، منکرات پر نکیر کا مزاج ہی نہیں رہا، یہی سب وجوہات ہیں کہ مدارس سے خیر و برکت اٹھتی جا رہی ہے۔

مدرسہ میں رہ کر نماز چھوٹ جانا بڑے افسوس کی بات ہے

فرمایا: کتنے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ مدرسہ میں رہ کر تمہاری نماز چھوٹ جائے، مدرسہ میں رہتے ہوئے جماعت اور تکبیر اولیٰ چھوٹ جائے یہ مؤمن کی شان نہیں ہے، مؤمن کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے اس کے سارے کام آگے پیچھے ہو جاتے ہیں لیکن اس کی نماز نہیں چھوٹ سکتی، یہ تو ہو سکتا ہے کہ مؤمن کی جان نکل

جائے لیکن دین پر عمل نہ ہو اپنے دین کو وہ چھوڑ دے یہ اس سے نہیں ہو سکتا، یہی سب اسباب ہیں جن کی وجہ سے آج محرومی رہتی ہے۔

کیا یہ افسوس کی بات نہیں کہ فوج کی فوج بھرتی ہو رہی ہے کسی کو لیا جا رہا ہے کسی کو نہیں لیا جا رہا آخر اس کے اندر کوئی تو خامی ہو گی جس کی وجہ سے اس کو بھرتی نہیں کیا جا رہا اور اس کو رد کیا جا رہا ہے، یا کوئی بھرتی تھا پھر اس کو معزول کر دیا گیا تو یوں ہی تھوڑی معزول کر دیا گیا کوئی نہ کوئی کوتاہی ضرور ہو گی، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے دین کا کام اس سے لیتا ہے جس کے اندر اخلاص ہوتا ہے، اور اخلاص جس کے اندر ہوتا ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ وہ کرنے والے کاموں کو چھوڑتا نہیں، بھولتا نہیں، اور نہ کرنے والے کاموں کو کرتا نہیں، اخلاص کی علامت ہی یہی ہے کہ وہ کرنے والے سارے کاموں کو پختگی اور پابندی کے ساتھ کرتا ہے، وہ ضروری کاموں کو نہ تو بھولتا ہے نہ چھوڑتا ہے، نہ کوتاہی کرتا ہے، یہ نہیں کہ دو دن کیا پھر چھوڑ دیا، خدا کی قسم رونے کی بات ہے کہ ہم سے دین کا کام کیوں نہیں لیا جا رہا۔

میں اکیلے کیا کر سکتا ہوں، میں تنہا تم کو سمجھا تو سکتا ہوں اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں، کرنا تو تم ہی کو ہے، مشین کیا خود بخود چل جاتی ہے؟ جب اس کو چلایا جاتا ہے تب چلتی ہے، یا محض دعاء کرنے سے مشین چل جائے گی؟ اگر کوئی ولی اور نبی بھی آ کر دعا کر دے تب بھی مشین خود بخود نہ چلے گی، بلکہ اس کو چلانا پڑے گا تب ہی چلے گی، دنیا دارالاسباب ہے یہاں تو اسباب اختیار کرنا ہی پڑیں گے، جتنے بھی کام ہیں محض دعاء سے نہیں ہو جاتے بلکہ وہ کام کرنا پڑتا ہے، اسباب اختیار کرنا پڑتے ہیں، تب وہ کام ہوتا ہے، اور جب تک **تعاون علی البر** (نیک کام پر مدد) نہ ہو اس وقت تک کام ہو ہی نہیں سکتا، اسی لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ان کے حواریین اور اعوان و مددگار ہوا کرتے تھے، اور اسی وجہ سے حکم دیا گیا ہے، **تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی**، نیک کام میں تعاون کیا کرو، اور تم لوگ کچھ کرنا نہیں چاہتے بتاؤ کیسے تم سے دین کا کام ہو، اور کیسے دین کا کام ہو، اور کیسے تم کو ترقی ہو، اگر واقعی کچھ بننا چاہتے ہو، ترقی کرنا

چاہتے ہو اس کے لئے ابھی سے کچھ کرنا ہوگا، نماز باجماعت کی پابندی کرنی ہوگی، جو ہدایات کی جاتی ہیں ان پر عمل کرنا ہوگا تب انشاء اللہ ترقی ہوگی کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔

تم خود نیک اور دیندار نہ بننا چاہو تو دوسرا کوئی کچھ نہیں کرسکتا

تم لوگوں کو نیک اور دیندار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، ہر طرح کی تدبیر اختیار کی جاتی ہے لیکن تم لوگ خود نیک بننا نہیں چاہتے تو کیا دوسروں کے نیک بننے سے تم نیک بن جاؤ گے؟ دوسرا آدمی نیک بن کر تمہارے سامنے آکر کھڑا ہوجائے تو کیا تم اس سے دیندار ہوجاؤ گے؟ تم خود کھانا نہ کھاؤ تمہارے سامنے کوئی دوسرا آدمی کھانا کھالے تو کیا تمہارا پیٹ بھر جائے گا؟ جب تک تم خود کوشش نہ کروگے، اور خود تم دیندار نہ بنوگے اور نیک بننے کے جو اسباب ہیں ان اسباب کو نہ اختیار کروگے اس وقت تک تم نیک اور دیندار نہیں بن سکتے۔

اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ دیندار بننا ہی نہیں چاہتے، یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ تم نیک بننا چاہتے ہو، اگر واقعی دیندار بننا چاہتے ہو تو اس کے اسباب اختیار کرو کوئی شخص کہے کہ ہم کو بھوک لگی ہے بھوک لگی ہے، کھانا کھانا چاہتا ہوں لیکن کھانا سامنے رکھا ہوا ہے، دستر خوان بچھا ہے اس میں کھانا لگا ہوا ہے اس کو تو کھاتا نہیں بھوک بھوک چلا رہا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کو بھوک لگی ہے، اگر واقعی بھوک لگی ہوتی تو سامنے رکھا ہوا کھانا کھاتا، اسی پر تم اپنے آپ کو قیاس کرلو اگر تم دیندار بننا چاہتے ہو تو ایسے اعمال اختیار کرتے۔ اسپتال میں جو جاتا ہے وہ چاہتا ہے کہ ہم کو پوری شفا ہوجائے اس کے اندر جتنی بیماریاں ہیں وہ چاہتا ہے کہ ہر بیماری سے نجات مل جائے، تم لوگ دینی مدرسہ میں پڑے ہوئے ہو تمہارے اندر تو ہر لحاظ سے دینداری ہونا چاہئے، اور ہر قسم کے باطنی مرض سے تم کو نجات ملنی چاہئے۔

اللہ کی نافرمانی کا وبال

فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا اثر دنیا میں بھی ہوتا ہے اور آخرت میں بھی ہوگا، محرومی یہاں بھی ہوگی اور وہاں بھی محض خوش حالی اور راحت کی زندگی گذارنے سے دھوکہ نہ ہونا چاہئے، جیل خانہ میں جو قید ہوتا ہے کھانا تو اس کو بھی ملتا ہے تو کیا اس کو یہ سمجھنا درست ہوگا کہ ہم سے سب لوگ خوش ہیں اور میں مقرّب ہوں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے مجرم قیدی، مجرموں کی طرح نافرمان بندہ بھی کھاتا پیتا ہے لیکن محروم رہتا ہے، اللہ کا قرب اس کو نصیب نہیں ہوتا، نافرمانی کی سزا ایک تو یہی ہے کہ طاعت کی رغبت اس کے اندر سے نکل جاتی ہے خدا کا قرب اس کو نصیب نہیں ہوتا، قرب محض قریب ہونے کو نہیں کہتے قرب تو اس کو کہتے ہیں کہ خوشی اور رضامندی کے ساتھ قرب ہو، ورنہ مجرم آدمی بھی بادشاہ کے قریب ہوتا ہے، کیا کوئی شخص مجرم کے بارے میں کہہ سکتا ہے کہ یہ باشادہ کا قریبی اور بڑا مقرّب ومحبوب ہے؟ قرب تو اسی کو کہتے ہیں جو خوشی کے ساتھ ہو۔

دینی مدارس میں اللہ کی رحمتیں کب نازل ہوتی ہیں

ایک دور وہ تھا جب دینی مدارس میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برسا کرتی تھیں، مدارس کے طلبہ ایسے ہوتے تھے کہ فرشتے ان کو دیکھتے تو ان کو بھی رشک آجاتا تھا وہ طالب علموں کے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھایا کرتے تھے، دراصل مدرسہ ایسے ہی لوگوں کے لئے ہوتا تھا فرشتے جن کے پیروں کے نیچے اپنے پر بچھائیں، ہر وقت ان کے ساتھ رہیں، وہ چلیں تو فرشتے ان کے آگے آگے چلیں، کیا تم لوگ طالب علم ہو؟ تم نے تو مدرسوں میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے، جس کے دل میں دین کا ذرہ برابر جذبہ نہ ہو، منکرات پر نکیر کرنے کا مزاج نہ ہو، خیر کی اشاعت کا جذبہ نہ ہو اس کے اندر کوئی خیر نہیں، اس کی حالت اچھی نہیں اس کو اپنی خیر منانا چاہئے، اس کو اپنے دل کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے، ایسے لوگ کیا طالب علم کہے جاسکتے ہیں؟

طالب علم تو وہ ہے جو عمل صالح کا پابند ہو، اس کے اندر خیر کا جذبہ ہو منکرات پر نکیر ہو، تم لوگوں کا حال یہ ہے کہ منکرات سامنے ہوتے رہتے ہیں لیکن زبان نہیں ہلتی، سامنے سے گذرتے چلے جاتے ہو سونے والا سو رہا ہے اس کو نماز کے لئے جگا نہیں سکتے، دن بھر میں ہزاروں باتیں ادھر ادھر کی کرتے ہو، گالیاں بکتے ہو لیکن خیر کے دو بول نہیں بول سکتے، کمروں سے نکلتے ہوئے کمروں میں بیٹھے ساتھیوں سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ چلو نماز کے لئے جماعت کا وقت قریب ہے، چلتے پھرتے کہنے میں آخر کتنی دیر لگتی ہے۔

ماحول کا اثر

فرمایا: ایک زمانہ میں ہتورا میں دینی ماحول تھا اور دینداری کا بڑا چرچا تھا، لڑکوں اور نوجوانوں میں بھی دینی رجحان غالب تھا، نوجوانوں میں دینی اعتبار سے پارٹی اور جماعت بندی تھی، تنافس اور مقابلہ اس میں ہوتا تھا کہ دینی امور میں کون بازی لے جائے، اذان دینے میں مقابلہ ہوتا تھا ہر جماعت چاہتی تھی کہ ہمارا آدمی اذان دے، دو جماعتیں تھیں ایک جماعت میں ہم اور بٹو بھیّا (حضرت کے ایک عزیز) تھے، فجر کی اذان دینے میں بازی لگی کہ فجر کی اذان کون دے گا، رات رات بھر جاگتے تھے فجر کی اذان دینے کی وجہ سے، ہم لوگ بھی باری باری سے جاگتے تھے، اتفاق سے ایک مرتبہ اُن لوگوں نے اذان دے لی، تالی پیٹ گئی کہ ہم بازی لے گئے، ہم لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کی، میرے ساتھی نے کہا کہ دیکھو تو پہلے کیا وقت ہو رہا ہے، معلوم ہوا کہ دو ہی بجے اذان دے دی۔

وہی اذان دینے والے جن کی دینداری کا اس زمانہ میں یہ حال تھا اور اس وقت کے بڑے دیندار تھے لیکن آج ان کا یہ حال ہے کہ نماز کی بھی پابندی نہیں ہوتی مارے مارے پھرتے ہیں، کیسا تغیّر آیا ہے، اصل میں ہوا کا اثر ہوتا ہے، ماحول کا اثر پڑتا ہے، اس زمانہ میں گاؤں میں دینی رجحان غالب تھا رمضان کے مہینہ میں دن بھر مسجد بھری رہتی تھی، سب ذکر تلاوت میں لگے رہتے تھے، اور اب تو مسجد خالی پڑی رہتی ہے، ایک دو تلاوت کرتے نظر آتے ہیں بس۔

آج طلبہ سے فیض کیوں نہیں ہوتا

طلبہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا جس بات سے منع کردیا جائے، جس چیز پر پابندی لگادی جائے پھر بھی اس سے باز نہ آنا اور اسی کام کو پھر کرنا کتنی بری بات ہے، آج کل طلبہ میں طاعت وفرمابرداری کا جذبہ نہیں اسی وجہ سے آج کے طلبہ کو فائدہ نہیں ہوتا، لوگ پڑھ لکھ کر فارغ ہوجاتے ہیں لیکن کورے کے کورے رہتے ہیں، ایسے لوگ یا تو تیل بیچتے ہیں یا ہل چلاتے ہیں، یا اور کوئی کام کرتے ہیں، دین کا کام اور دین کا فیض ان سے نہیں ہوتا، جو طالب علم اپنے اساتذہ کی تابعداری نہ کرے اس سے کہیں فیض ہوگا؟ ہرگز نہیں نام تو ہوجائے گا کہ فارغ ہوگئے، عالم ہوگئے اشتہار میں بھی نام آجائے گا سند بھی مل جائے گی، لیکن اللہ کی رضا حاصل نہ ہوگی، حقیقی دین کا فیض اس سے نہ ہوگا۔

طلبہ کی طرف خاص توجہ کرتے ہوئے فرمایا! تمہاری وجہ سے کتنی پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہیں، کتنے انتظامات کرنے پڑتے ہیں، تمہاری بدنظمی کی وجہ سے قوانین بنانے پڑتے ہیں، لیکن اس کے بعد بھی تم لوگ خلاف ورزی کرتے ہو، حدیث شریف میں ایسے شخص پر لعنت آئی ہے جو دوسروں کی پریشانی کا سبب بنے، شاگرد استاد کے سامنے جب تک ایسا نہ بن جائے کہ اس کی ہر بات مانے، وہ جو کہے اسے قبول کرے جب تک ایسا مزاج نہ بن جائے اس وقت تک کچھ ہوتا ہواتا نہیں۔

طلبہ کی تادیب وتنبیہ

طلبہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم مدرسہ میں کس لئے آئے ہو؟ اپنی زندگی بنانے کے لئے آئے ہو یا بگاڑنے کے لئے؟ تم خود دیکھو کہ تم بن رہے ہو یا بگڑ رہے ہو، تم لوگوں کو اور گھر والوں کو دھوکہ دے رہے ہو، تمہارے ماں باپ پیسہ بھیجتے ہیں کہ لڑکا محنت سے پڑھ رہا ہے اور تم یہاں آزادی کرتے ہو، پڑھنے لکھنے سے کوئی مطلب نہیں، اچھے خاصے لڑکے اسباق کا ناغہ کرتے ہیں، آئے دن شکایت ملتی ہے کہ لڑکے غیر حاضر ہیں، یہ ناغہ کیوں ہو رہا

ہے؟اور چیزوں میں ناغہ کیوں نہیں ہوتا؟ کھانے پینے کا ناغہ کیوں نہیں ہوتا۔

دوسرے طلبہ کو چاہئے کہ جولڑکا پڑھنے میں کوتاہی کرتا ہے، لاپرواہی کرتا ہے، نماز نہیں پڑھتا، ذمہ داران مدرسہ کو خاموشی سے اس کی اطلاع کردیا کریں، نگراں حضرات کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں، ارے کم ازکم طلبہ کے چہروں پر تو نظر پڑتی ہی ہے اگر کوئی طالب علم ڈاڑھی کٹاتا ہے یا اس کے سر کے بال ہی بڑے ہیں اس کی اصلاح کی کوشش کریں، ہماری ذمہ داری ہے کہ ان کو سمجھائیں، تنبیہ کریں، پھر بھی باز نہ آئیں تو ایسے طلبہ مدرسہ میں رہنے کے قابل نہیں؟۔

کڑھن اور تکلیف کی بات

فرمایا: میرے لئے سب سے زیادہ کڑھن اور تکلیف کی بات اس وقت ہوتی ہے جب میں دینی مدارس میں کوئی منکر دیکھتا ہوں اور اس پر روک ٹوک بھی نہیں ہوتی تو سخت تکلیف ہوتی ہے، ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے آگ لگادی، مدرسوں میں رہ کر منکر کام ہو کتنے تعجب کی بات ہے، ارے غلطی ہوجاتی ہے، لیکن روک ٹوک کے بعد بھی اثر نہ ہونا یہ ہے افسوس کی بات اور اسی سے دل کڑھ کر رہ جاتا ہے، میرے کوئی روزانہ سو۱۰۰ جوتے لگالے یہ مجھے برداشت ہے لیکن منکر دیکھنا مجھے برداشت نہیں، کڑھ کڑھ کر رہتا ہوں بہت ضبط کرتا ہوں، میرے لئے یہی بڑا مجاہدہ ہے اور بڑا سخت مجاہدہ ہے، میں سوچتا ہوں کہ جب دینی مدارس میں ان باتوں کی فکر نہ ہوگی اور منکرات پر نکیر نہ کی جائے گی تو پھر کہاں ہوگی۔

آج میں صبح کے وقت آیا تو دیکھا کہ تیز بلب جل رہا ہے اور لوگ سو رہے ہیں، اتنی تیز روشنی کا بلب جلانے کی کیا ضرورت ہے، اتنا بڑا بلب اگر مدرسہ کے صحن میں لگادیا جائے تو سارا مدرسہ روشن ہوجائے، اسی قسم کے منکرات دیکھ کر مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے۔

مدرسہ میں طلبہ تھوڑے ہوں لیکن کام کے ہوں

یہ بہتر ہے ہزاروں کی بھیڑ سے

فرمایا: آج کل مدارس میں طلبہ کی بھیڑ کی بھیڑ اکٹھا ہو جاتی ہے، نامعلوم کہاں سے آتے ہیں اور کہاں نکل کر چلے جاتے ہیں، ہزار میں ایک دو ہوتے ہیں جو کام کے نکلتے ہیں، اگر تھوڑے ہوں اور کام کے ہوں وہ بہتر ہیں اس بھیڑ سے، پہلے طلبہ تھوڑے ہوتے تھے لیکن کام کے ہوتے تھے، اصل بات یہ ہے کہ اب دین کی اشاعت کی نیت سے علم حاصل ہی نہیں کرتے، کوئی اسکول کالج میں داخلہ لے لیتا ہے، کوئی دوسرے کام میں لگ جاتا ہے، بعد میں یہ کہتے تک سنا گیا ہے کہ عربی مدارس میں رہ کر ہم نے اپنی زندگی خراب کی، وقت ضائع کیا، تعلیم کے زمانہ میں محنت نہیں کرتے بعد میں افسوس کرتے ہیں اور مدرسوں کو بدنام کرتے ہیں۔

یہ ترقی نہیں تنزّلی ہے

آج یہ بات دینی مدارس کیلئے بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی ہے اور بڑے فخر سے بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں مدرسہ کو گورنمنٹ نے تسلیم کرلیا، اس کی حیثیت ہائی اسکول اور بی اے کے برابر ہے، اس پر فخر کیا جاتا ہے حالانکہ یہی ہمارے مدارس کے زوال کا سبب ہے، طلبہ بھی اسی نیت سے علم دین حاصل کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس نے علم دین کو دنیا کے لئے حاصل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔

عادت ایسے خراب ہوتی ہے

صاحب ملفوظ کا واقعہ

فرمایا چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی باتوں ہی سے عادت خراب ہوتی ہے، پہلے

معمولی سی کسی کی چیز لے لی، اور پھر بڑی چیزیں لینے لگا، رفتہ رفتہ چوری اور ڈکیتی تک نوبت پہنچتی ہے،

زمانہ طالب علمی میں میں اور میرے ایک ساتھی حضرت ناظم صاحب کے یہاں رہا کرتے تھے، ناظم صاحب کے یہاں بسا اوقات سیب چھیل کر کھائے جاتے تھے، چھلکے باہر پھینکے جاتے تھے، اور سیب چھیلنے کی خدمت ہم لوگ انجام دیتے تھے، دل میں خیال آیا کہ چھلکے ہی تو ہیں اور پھینکے ہی تو جائیں گے اگر ان کو کھالیا جائے تو کیا حرج ہے، لیکن توبہ توبہ آج تو چھلکے چھلکے ہی ہیں کل چھلکے کے ساتھ آدھا سیب ہوگا، پھر بجائے چھلکے کے سیب تک نوبت پہنچے گی، عادت اسی طرح خراب ہوتی ہے، ہر شخص کو ہر وقت اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے، اور اپنے نفس کی پوری نگرانی کرنی چاہئے، اور اس قسم کی معمولی معمولی باتوں کا بھی بہت خیال رکھنا چاہئے، ورنہ اس کا بہت دور تک اثر پہنچتا ہے پھر اس کے بعد تنزّلی ہی تنزّلی ہوتی ہے، ترقی نہیں ہوسکتی، اس کے برخلاف اس قسم کے چھوٹے امور اور ایسی معمولی حرکتوں سے پرہیز کرنے کے نتیجہ میں انسان نہ معلوم کہاں سے کہاں ترقی کر کے پہنچ جاتا ہے، ہمارے جتنے ساتھی تھے سب کا یہی حال تھا۔

اگر واقعی کسی سے غلطی ہوگئی ہے تو توبہ کرلے، توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے، شیطان بہکا دیتا ہے نفس شرارت کرتا ہے، لیکن آئندہ کے لئے عہد کرلے کہ اب ایسی حرکت نہ کروں گا، اللہ معاف کردے گا۔

طلبہ اگر چاہیں تو مدرسہ کا ماحول دینی بن سکتا ہے

عشاء کے بعد طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا اگر تم لوگ چاہو تو کیا مدرسہ کا نظام درست نہیں ہوسکتا، جو بات کہی جائے اس پر عمل کرو، مدرسہ کا جو نظام ہے اس کی پیروی کرو، مدرسہ کا ماحول دینی بناؤ، دینی ماحول بنانے میں ہماری مدد کرو، مدد کے بغیر تو کوئی کام بھی نہیں چل سکتا، انبیاء تشریف لائے تو ان کو بھی کام کے لئے اسباب کے تحت معاونین کی ضرورت پیش آئی، ایک آدمی تنہا کیا کیا کرسکتا ہے، اسی لئے فرمایا گیا

"تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی" مدرسہ میں رہ کر تعاون علی البر یہی ہے کہ نیک ماحول بناؤ لکھنے پڑھنے کا ماحول بناؤ کھیل کود، سیر وتفریح، اور فتنہ وفساد کا ماحول نہ بناؤ، کسی ساتھی کو غلط کام کرتے دیکھو اس کو ٹوکو، جب نماز پڑھنے کے لئے آیا کرو تو جو بھی راستہ میں ملے اس سے کہتے ہوئے آؤ کہ چلو بھائی نماز پڑھنے، سونے والوں کا جگادیا کرو، اس میں نقصان کیا ہے، اگر ابھی ان سب باتوں کی عادت نہ ڈالوگے تو پھر کب عادت پڑے گی۔

ایک کتاب ختم ہونے پر طلبہ کو نصیحت

ایک کتاب کی تکمیل کے موقع پر طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا علم آدمی کو نفع بھی پہنچاتا ہے اور اس کے ذریعہ نقصان بھی ہوتا ہے، اور نفع ونقصان کا مدار نیت پر ہے، عمل پر ہے یہی علم نافع بھی ہوسکتا ہے اگر اس اور نیت بھی درست ہے، اور جس کو جو کچھ بھی حاصل ہوگا محض اللہ کے فضل سے ہوگا، جب تک اللہ کا فضل نہ ہو اس وقت تک عمل کی توفیق نہیں ہوسکتی، نہ لکھنے پڑھنے کی نہ لکھانے پڑھانے کی، جتنے بھی اعمال خیر ہوتے ہیں سب اللہ کی توفیق ہی سے ہوتے ہیں۔

افتاء اور فارغ ہونے والے طلبہ کو حضرت کی اہم نصیحتیں

حضرت اقدس نے فارغ ہونے والے طلبۃ اور افتاء کے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے (جس میں مدرسہ کے بعض اساتذہ بھی شریک تھے) فرمایا ان سب چیزوں کے پڑھنے پڑھانے سے کیا مقصود ہے؟ اللہ کی رضا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے احوال واخلاق اسی لئے پڑھے پڑھائے جاتے ہیں کہ وہ احوال واخلاق ہمارے اندر بھی پیدا ہوجائیں محض پڑھنا پڑھانا مقصود نہیں۔

اور یہی ہمارا اصل شعار تھا کہ ہم اپنے اسلاف کے طریقہ پر قائم رہیں، آج ہم نے اپنا شعار چھوڑ کر غیروں کا شعار اختیار کر رکھا ہے، ہمارا شعار ورع وتقویٰ تھا، ہمارا شعار توکل واستغناء تھا، ہمارا شعار مسکنت وسادگی تھا، فقر وفاقہ کرکے سوکھی روٹی کھا کر گذر بسر کر اللہ کا شکر کرنا اور دینی خدمت میں لگے رہنا یہ ہمارا شعار تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی زندگی ایسی ہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور حدیثیں اسی واسطے پڑھائی جاتی ہیں تاکہ ہمارے اندر بھی وہ اوصاف وحالات پیدا ہوجائیں۔

دنیا میں آج ہر طرح کے نمونے پائے جاتے ہیں یہ نمونے بھی تو سامنے آنے چاہیئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی زندگی کے نمونے بھی سامنے آنے چاہیئے، توکل کا نمونہ، تقویٰ کا نمونہ، اخلاق حسنہ کا نمونہ، صبر وقناعت کا نمونہ، فقر وفاقہ کا نمونہ، لوگ دیکھیں تو کہ یہ حضور کی زندگی کے نمونے ہیں، نمونوں کو لوگ دیکھا کرتے ہیں، دکان میں مختلف سامان رکھے ہوں چپل بھی ہے، جوتا بھی ہے، کپڑا بھی ہے، لنگی بھی ہے، مختلف چیزوں کے نمونے ہوتے ہیں، لوگ آآکر دیکھتے ہیں کسی کو کچھ پسند ہے کسی کو کچھ پسند ہے ہر ایک اپنی پسند کے مطابق نمونہ اختیار کرتا ہے۔

اسی طرح ہمارے اندر، علماء ومدرّسین کے اندر (جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور جانشین ہیں) ان کے اندر بھی اچھے اوصاف کا نمونہ ہونا چاہیئے، تقویٰ وورع بھی ہو، فقر وفاقہ بھی ہو، صبر ورضا بھی ہو، زہد وقناعت بھی ہو، توکل واستغناء بھی ہو تواضع وعبدیت بھی ہو، کسی کو کوئی نمونہ پسند آئیگا وہ وہی پسند کریگا لیکن ہم کو تو تمام اوصاف کا جامع ہونا چاہیئے، اور ہماری زندگی نمونہ کی زندگی ہونی چاہیئے، لوگ ہماری زندگیوں کو دیکھ کر سبق لے رہے ہوں ہمارا ہر عمل ایسا ہونا چاہیئے جس میں کشش اور جاذبیت ہو لوگ دیکھ کر متاثر ہوں اور اثر قبول کرلیں، جیسے دستر خوان میں مختلف قسم کے کھانے ہوتے ہیں گوشت بھی ہے، دال بھی ہے، چٹنی بھی ہے، اچار بھی ہے، قسم قسم کے کھانے ہوتے ہیں، کسی کو کچھ پسند ہے، کسی کو کچھ پسند ہے جس کو جو پسند ہے وہی اختیار کرتا ہے، ہمارے اندر بھی سارے اچھے اوصاف ہونا چاہیئے ہم کو جامع کمالات ہونا چاہیئے، ہماری زندگی میں کسی کو غیرت پسند آئے گی، کسی کو ورع وتقویٰ پسند آئے، کسی کو اچھے اخلاق پسند آئیں، ہمارے اندر کوئی تو عمل ایسا ہونا چاہیئے جو لوگوں کیلئے اسوۃ اور عمدہ نمونہ ہو، ہمارے اندر کچھ تو کشش وجاذبیت ہونی چاہیئے، ورنہ محض پڑھنے پڑھانے سے کیا فائدہ۔

آج ہماری زندگیوں میں ہمارے اسلاف واکابر کا شعار نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا شعار نہیں، ہم نے غیروں کا شعار غیروں کا طریقہ اور دوسروں کے اوصاف اختیار کررکھے

ہیں، حرص لالچ ریا دکھلاوا ہم نے اختیار کر رکھا ہے، اللہ ہماری حفاظت فرمائے ، ہماری زندگی تو نمونے والی ہونی چاہئے اور ہم کو لوگوں کے لئے اچھا نمونہ پیش کرنا چاہئے۔

ایک مدرسہ کے ناظم زادہ کو نصیحت

مدرسہ کے ایک طالب علم (جن کے باپ ایک مدرسہ کے ذمہ دار، ناظم تھے) سے فرمایا کہ اگر تم محنت سے پڑھ لو تو کتنی خوشی ہو، تمہارے والد صاحب کے کیا کیا ارمان ہیں اور وہ کیا امیدیں لگائیں بیٹھے ہیں، اور تمہارا یہ حال ہے، تمہارے باپ تو یہ سوچتے ہیں کہ تم آکر مدرسہ سنبھالو گے، پورا علاقہ سنبھالو گے، اگر تم اچھی طرح محنت سے پڑھ لو تو کتنی خوشی کی بات ہے، اس میں مشکل کیا ہے، آج ہی سے محنت شروع کر دو، ہر وقت کتاب دیکھو، ہر وقت ہاتھ میں کاپی قلم ہو، جو بات سمجھ میں نہ آئے فوراً نوٹ کر لو، نشان لگا لو، بعد میں پوچھ لو، کیسے نہ علم آئے گا، کوئی وقت ضائع نہ ہو، تمہارے باپ تو تم سے امیدیں لگائے بیٹھے ہیں کہ تم مدرسہ سنبھالو گے تو کیا جاہل رہ کر مدرسہ سنبھالو گے۔

ناظم نہ بننا خادم بننا

اور سنو مدرسہ کے ناظم نہ بننا خادم بننا، بہت سے مدرسوں کے ناظم جاہل بھی ہوتے ہیں انھیں کچھ آتا جاتا نہیں، اڑی گھڑی، چھڑی، شیروانی، چشمہ میں رہتے ہیں، اور گدّی پر بیٹھے بیٹھے حکم نافذ کیا کرتے ہیں، ناظم بننا بڑا آسان کام ہے لیکن تم ناظم نہ بننا خادم بننا اور کچھ کر کے دکھلانا، محنت مجاہدہ کرنا، پڑھنا پڑھانا۔

حضرت نے اس لڑکے سے پوچھا کہ حافظ بھی ہو یا نہیں اس نے کہا نہیں، حضرت نے افسوس فرمایا اور فرمایا کہ اب شروع کر دو، تھوڑا تھوڑا کرتے رہو انشاء اللہ پورا ہو جائیگا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے بیٹے کو چند اہم نصیحتیں

حضرت والا کے منجھلے صاحب زادے مولانا نجیب احمد صاحب دامت برکاتہم (جو اس وقت ماشاء اللہ تدریسی کام کے ساتھ بہت سے دین کے کام انجام دے رہے

ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مزید ترقیات سے نوازے اوران کی حفاظت فرمائے) حضرت کے کمرہ میں تشریف لائے، احقر بھی کمرہ میں موجود تھا، حضرت والا نے صاحب زادہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا ارے تم بھی تو کچھ کیا کرو، کچھ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ قائم رکھو، ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہا کرو، اور فرمایا کچھ نہیں تو کچھ لڑکوں کو لے لو اور ناظرہ ہی پڑھانا شروع کردو، درجہ حفظ میں کسی استاد کے پاس بیٹھ جایا کرو کچھ لڑکوں کا قرآن پاک سن لیا کرو، کیا ناظرہ پڑھانے سے ترقی نہیں ہوتی؟ کسی کو کچھ دکھانا تھوڑی ہے، جو کچھ کرنا ہے اللہ واسطے کرنا ہے، قاعدہ بغدادی پڑھانے کی برکت سے میاں جی حضرت نور محمد جھنجھانویؒ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے پیر بنے، ترقی ناظرہ پڑھانے سے بھی ہوتی ہے، اصل ترقی تو اخلاص سے ہوتی ہے جس کام میں اخلاص ہوگا اس سے ترقی ہوگی، اور کچھ نہیں تو خود ہی مطالعہ کیا کرو، اتنی کتابیں ڈھیر لگی ہیں لے جاؤ، دیکھو کتنے رسائل ہیں ان میں اچھے اچھے مضامین ہیں ان کا مطالعہ کرو، کچھ مضامین چھانٹو، تم بھی کچھ لکھو، ہر وقت لگے رہو، میری اتنی ڈاک آتی ہے ڈاک ہی دیکھ لیا کرو، یہ بھی ایک کام ہے جہاں چاہو بیٹھ جاؤ، کتابیں دیکھنا شروع کردو، میرے ہی کمرہ میں بیٹھ کر کتابیں دیکھو، مسجد کے کسی کونے میں چلے جاؤ، کہیں نہیں تو جنگل چلے جاؤ، کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر کام کرنا شروع کردو، روزانہ تین چار رکوع تجوید کے ساتھ قرآن پاک پڑھا کرو، ذکر و نوافل، اشراق واوّابین کی بھی پابندی کیا کرو، کچھ تسبیحات کا معمول بنالو، کم ازکم روزانہ پانچ پارے تلاوت کیا کرو، کچھ تو کرو، دنیا تو ضمنی چیز ہے اصل چیز تو دین ہے، کس کا باپ نہیں چاہتا کہ ہمارے لڑکے خوب خوش حال رہیں لیکن اصل چیز تو دین ہے اس کی بھی تو فکر ہونی چاہئے، دنیاوی کاموں میں تو کوشش کے بعد بھی کامیابی اور ناکامی نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہے اور اس راہ میں تو خسارہ اور ناکامی کا کچھ بھی احتمال نہیں، اللہ تعالیٰ کا تو وعدہ ہے وہ کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا۔

جس کے دادا پردادا ایسے ہوں کہ ان کی جماعت کبھی نہ چھوٹی ہو، تکبیر اولیٰ نہ

فوت ہوئی ہو، خود اس کو بھی تو کچھ خیال رکھنا چاہئے، احقر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ میرے دادا کی کبھی جماعت نہیں فوت ہوئی، کسی حال میں بھی ہوتے جماعت سے نماز ضرور پڑھتے تھے، کھیت میں ہل بھی چلاتے تھے، جب مزدور نہ ہوتا تھا تو خود ہی کھیت جوتتے تھے، لیکن نماز کا وقت جب آتا تھا تو سب کچھ چھوڑ کر اتنی دور سے یہاں مسجد آکر جماعت سے نماز پڑھتے تھے۔

صاحبزادہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا تم کو بھی نماز با جماعت کی پابندی اسی طرح کرنا چاہئے، اور آج سے مطالعہ شروع کردو، کسی فن کا بھی مطالعہ کرو، سیرت کی اتنی کتابیں رکھی ہیں سب ایک طرف سے دیکھ ڈالو، تاریخ کی اتنی کتابیں ہیں وہ دیکھ ڈالو، لڑکوں کو تکرار (مذاکرہ) کہلاؤ، کچھ لڑکوں کو منتخب کرلو ان کو قرآن شریف پڑھایا کرو، لگے رہو کام میں۔

طلبہ کے کامل بننے کا ایک طریقہ

بعد عشاء طلبہ سے فرمایا کہ تہجد اور نوافل پڑھنے کی عادت ڈالو، فجر سے آدھ گھنٹہ پہلے ہی اٹھ جایا کرو، وضو وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد دس پندرہ منٹ تو مل ہی جائیں گے، دو چار رکعت نفل پڑھ لیا کرو پھر کتاب کے مطالعہ میں لگ جاؤ، اور اگر رات میں آنکھ نہ کھلے تو سونے سے قبل ہی دو چار رکعت نفل پڑھ لیا کرو لیکن فجر کی اذان ہوتے ہی مسجد میں آجایا کرو، اتنا کرلو پھر دیکھو کہاں سے کہاں پہنچتے ہو، کیسی اڑان ہوتی ہے۔

اصلاح کا مفید اور آسان نسخہ
ہر شخص کے لئے دو ضروری مراقبے

فرمایا دو قسم کے مراقبے ہر شخص کو ضرور کرنے چاہئے ایک تو یہ کہ یہ سوچا کرے کہ دن بھر میں آج اس نے کون کون سے کام کئے، کتنے اچھے کام کئے اور کتنے غلط اور برے کام کئے، اچھے کاموں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اور غلط کاموں پر ندامت کرے، توبہ واستغفار کرے اور آئندہ ایسی حرکت سے باز رہنے کو طے کرے۔

دوسرا مراقبہ یہ کہ یہ سوچا کرے کہ کیا ہمارے اعمال ایسے ہیں اور ہماری یہ زندگی کیا ایسی ہے کہ اس حال میں اللہ کو منھ دکھا سکیں گے، اگر ایسے حال میں اچانک خدا کے سامنے ہم کو جانا پڑے تو ہمارا کیا حشر ہوگا، موت کسی کو بتلا کر نہیں آتی، پہلے سے اطلاع کر کے نہیں آتی بلکہ اچانک آتی ہے، ہزاروں واقعات موجود ہیں۔

اگر یہ دونوں مراقبے کوئی پابندی سے کرلے زیادہ نہیں صرف چند منٹ، پانچ ہی منٹ کر لے، امید ہے کہ بہت جلد اس کی اصلاح ہو جائے گی اور اس کا بیڑہ پار ہو جائیگا۔

طلبہ عشاء کے بعد کیا کریں

طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ عشاء کے بعد یا تو مطالعہ کرو، یا قرآن شریف پڑھو یا پھر سو جاؤ، باتیں کسی سے قطعاً نہ کرو، یہ عادت اچھی نہیں حدیث پاک میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے۔

اور جب سویا کرو باوضو سویا کرو، ذکر کرتے کرتے سویا کرو، سورۂ ملک پڑھ کر سویا کرو، سونے سے پہلے چاروں قل پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیا کرو، تسبیحات پڑھتے ہوئے اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیَا دعاء پڑھ کر سویا کرو، اور جب سو کر اٹھا کرو تو پہلے دعاء پڑھو، اور اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ سورۂ آل عمران کا آخری رکوع پڑھ لیا کرو، اور جو لوگ سو رہے ہیں ان کو بھی جگا دیا کرو، نیک ماحول بناؤ، لکھنے پڑھنے کا ماحول بناؤ، مدرسہ میں رہ کر تَعَاوُنُ عَلَی الْبِرّ جس کا حکم دیا گیا ہے یہی ہے، کھیل کود، سیر و تفریح اور فتنہ وفساد کا ماحول نہ بناؤ یہ تَعَاوُنُ عَلَی الْاِثْم ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔

عشاء کے بعد باتیں کرنے اور فضول بجلی خرچ کرنے کی ممانعت

عشاء کے بعد طلبہ کو نصیحت کرنے کے بعد فرمایا، جاؤ اور اب جا کر باتیں نہ کرنا، تم لوگ یہاں سے جا کر کمروں میں باتیں کرتے ہو، لوگوں کی نیند خراب ہوتی ہے، بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کی آنکھ کھل گئی تو نیند اُچاٹ ہو جاتی ہے پھر نیند آتی ہی نہیں، سخت پریشانی ہوتی ہے، کیا یہ تکلیف کی بات نہیں ہے، میری بھی طبیعت ایسی ہی

ہے کہ نیند اچاٹ ہوگئی تو مشکل سے آتی ہے اور نہ معلوم کتنوں کی طبیعت ایسی ہوگی، دوسروں کی نیند خراب ہونے سے ان سب کو تکلیف ہوتی ہے، عشاء کے بعد تو یوں بھی باتیں کرنا ممنوع ہے اگر باتیں کرنا ضروری ہی ہوں تو آہستہ باتیں کرلیا کرو، اور کمرہ کی بجلی بند کرکے سویا کرو، بعض کمروں میں رات بھر بجلی جلتی رہتی ہے، یہ دیانت اور تقویٰ کے بھی تو خلاف ہے، مدرسوں میں رہ کر اگر تقویٰ اور دیانت نہ سیکھا تو مدرسوں میں رہنے سے کیا فائدہ، طلبہ میں آج ان باتوں کا لحاظ نہیں، اسی واسطے ان کی باتوں میں اور ان کی زندگیوں میں کوئی اثر نہیں، ایسی زندگی بناؤ کہ لوگ تمہاری زندگی دیکھ کر ہی اثر لیں، صحابہ کرام کی زندگیوں کو دیکھ کر لوگ اسلام میں داخل ہوگئے، تمہاری زندگی بھی تو ایسی ہونی چاہئے کہ لوگ اس سے متاثر ہوں۔

یہ ذکر بدعت نہیں ہے

حضرت کے مدرسہ کا معمول ہے کہ عصر کی نماز کے بعد دعاء سے فارغ ہونے کے بعد تمام طلبہ اسی حال میں بیٹھے ہوئے دو منٹ ذکر کرتے ہیں، یعنی ایک تسبیح لا الہ اللہ کی پڑھتے ہیں، ہر طالب علم اپنے طور سے اس کو پڑھتا ہے، ایک مہمان جو بڑے عالم بھی تھے مدرسہ میں تشریف لائے انہوں نے فرمایا کہ میں تو اس کو بدعت سمجھتا ہوں، ان عالم صاحب سے بعض لوگوں کی علمی گفتگو بھی ہوئی جس میں وہ خاموش بھی ہوگئے، یہ مہمان حضرت کے پاس بڑی عقیدت سے تشریف لائے لیکن اس سلسلہ میں انہوں نے تنقید کی حضرت کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ شروع سے اخیر تک جتنے مشائخ اور اولیاء کرام گذرے ہیں جن کی پوری زندگی اتباع سنت میں گذری، جو ایک ایک سنت پر عمل کرنے والے تھے، وہ بھی اسی طرح ذکر کرتے چلے آئے ہیں، کیا وہ سب بھی بدعت کرتے آئے ہیں، آخر ہم لوگوں کو کیا بدعت کرنے کا شوق ہے؟ ہم بھی تو جانتے ہیں کہ بدعت ناجائز ہے، حرام ہے، یہاں تو محض طلبہ کی عادت ڈلوانے کے لئے ان سے ذکر کرایا جاتا ہے، تاکہ طلبہ ذکر کے بھی عادی ہوجائیں۔

تنقید سے نہیں تقلید سے کام بنتا ہے

حضرت نے فرمایا شیخ پر نکیر اور اعتراض نہیں کرنا چاہئے، اس سے بڑا نقصان ہوتا ہے، ایسا شخص ہمیشہ محروم رہتا ہے جو کچھ حاصل ہوتا ہے تنقید سے نہیں بلکہ تقلید سے حاصل ہوتا ہے، اور تقلید ہی سے کام بنتا ہے، اس کے بغیر ترقی نہیں ہوتی، البتہ کسی مسئلہ کو تحقیق کرنا اور اطمینان کے لئے سمجھنا یہ دوسری بات ہے لیکن تنقید اور اعتراض مضر چیز ہے۔

ایک صاحب کا اشکال اور اس کا جواب

وہ مہمان صاحب فرماتے تھے کہ یہ ذکر وغیرہ اس طرح اجتماع واہتمام کے ساتھ سمجھ میں نہیں آتا، اگر کوئی لڑکا اٹھ جائے تو اس پر نکیر کی جاتی ہے، سختی سے ذکر کرایا جاتا ہے، کسی امر مندوب پر اگر اصرار کیا جائے تو وہ بدعت بن جاتا ہے، احقر راقم الحروف نے عرض کیا کہ اگر امر مندوب کو اس کے درجہ سے بڑھا دیا جائے تو بے شک بدعت ہو جاتا ہے، لیکن جب اس کو اس کے درجہ سے آگے نہ بڑھایا جائے بلکہ مستحب سمجھتے ہوئے عادت ڈلوانے کے لئے، تعلیم وتربیت کے طور پر اگر سختی بھی کی جائے اور طلبہ کو اس کا پابند بنایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، دیکھئے چھوٹے سات سالہ بچے سے نماز پڑھوانے کا حکم حدیث پاک میں آیا ہے اور نو دس سال میں تو مار کر نماز پڑھوانے کا حکم ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ اس عمر میں ابھی اس پر نماز فرض نہیں بلکہ نفل اور مندوب ہے لیکن صرف عادت ڈلوانے کے لئے اس سے نماز پڑھوائی جاتی ہے، سختی بھی کی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ امر مندوب پر بھی مندوب سمجھتے ہوئے اور اس کو اس کے درجہ پر رکھتے ہوئے عادت ڈلوانے کے لئے نکیر کرنا اور سختی کرنا جائز ہے، اس پر وہ عالم صاحب خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہیں دیا۔

چوک بڑوں سے بھی ہوتی ہے
لیکن بڑوں کی غلطی میں حتی الامکان مناسب تاویل کرنا چاہئے

حضرت والا مختصر المعانی (جوفن بلاغت کی مشہور کتاب ہے) کا سبق پڑھا رہے تھے، صاحب کتاب نے کسی مقام پر مثال دی ہے "**حفظت التوراة**" تم نے تورات کو حفظ کرلیا، حضرت نے فرمایا معلوم نہیں یہ مثال کیوں دی، تورات کا ذکر کیوں کیا **حفظت القرآن** کہہ دیتے، **حفظت البخاری** وغیرہ کہہ دیتے یہ زیادہ بہتر تھا،

اسی ضمن میں فرمایا چوک تو ہر ایک سے ہوتی ہے، بڑوں سے بھی ہوتی ہے، لیکن بڑوں کی غلطی میں حتی الامکان تاویل کرلینا چاہئے، **حفظت التوراة**، گویا تعجب کے لئے مثال کے طور پر کہا، کیونکہ قرآن پاک کا حفظ کرلینا تعجب کی بات نہیں عام طور سے لوگ یاد کرلیتے ہیں توراۃ کے حافظ نہیں ہوتے اس کو یاد کرلینا واقعی تعجب کی بات ہے، یہ تاویل ہوسکتی ہے، الغرض بڑوں کے قول میں جہاں تک ہوسکے تاویل ہی کرنا چاہئے۔

بخاری شریف مشکوٰۃ شریف کا حفظ

اسی ضمن میں فرمایا بخاری شریف کے بھی لوگ پہلے حافظ ہوا کرتے تھے، ہمارے ایک عزیز لکھنؤ میں ٹیلہ والی مسجد میں رہا کرتے تھے، حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے ان کو بخاری شریف حفظ یاد تھی، مشکوٰۃ شریف بھی زبانی یاد تھی، اللہ کے بندے ایسے بھی گذرے ہیں۔

حضرت والا کی حکمت عملی، مصلحت بینی و دور اندیشی

مدرسہ کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے تم سے ہزار مرتبہ منع کیا ہے کہ جس کو سیر و تفریح کرنا ہو مدرسہ ہی کے احاطہ میں پیچھے اتنا لمبا چوڑا میدان پڑا ہے وہاں خوب ٹہلو، سیر و تفریح کرو، کھیلو کودو، لیکن حدود مدرسہ کے باہر نالہ پار مت جاؤ،

آخر کوئی تو مصلحت ہوگی جس کی وجہ سے منع کیا جاتا ہے، تم کو کیا معلوم اس میں کیا حکمت ہے ہر بات بتلائی نہیں جاتی، آخر کوئی وجہ تو ہوگی تم لوگ سمجھتے نہیں، فتنوں کا دور ہے بلا وجہ خواہ مخواہ کوئی بات ہوجائے فتنہ کھڑا ہوجائے گا، لوگ تو سوچا ہی کرتے ہیں بلکہ سازشیں کرتے ہیں کہ کسی طرح کوئی فتنہ کھڑا ہوجائے، کسی وقت بھی کوئی بات ہوسکتی ہے، یہ فتنوں کا زمانہ ہے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

یہ اتنی بھیڑ یہاں جمع ہے، اتنا بڑا مدرسہ ہے کیا ان لوگوں کو یہ سب اچھا لگتا ہوگا، کیا مدرسہ کی عالیشان عمارت دیکھ کر وہ خوش ہوتے ہوں گے، غیر تو بہرحال غیر ہی ہیں سب کی ذہنیت یکساں ہوتی ہے **الکفر ملة واحدة**، یہ تو یہاں کے اخلاق ومروّت اور اچھے برتاؤ کا اثر اور دباؤ پڑتا رہتا ہے اس لئے معاملہ کچھ دبا رہتا ہے ورنہ جس طرح دوسری جگہوں میں طرح طرح کے فتنے ہوتے رہتے ہیں یہاں بھی ہوتے رہتے، لیکن بزرگوں کی پرانی روایات اور باہمی تعلقات چلے آرہے ہیں، ان کو نباہتا رہتا ہوں، ان کی ہگنی موتنی (یعنی ان کے دکھ سکھ، خوشی غمی) میں شریک ہوتا رہتا ہوں، ان کا کوئی آدمی بیمار ہوتا ہے تو مزاج پرسی کرتا ہوں، مالی خدمت بھی کردیتا ہوں، ضرورت پڑتی ہے تو لکھنؤ، کانپور تک دکھانے کا انتظام کرتا ہوں، کبھی خود ساتھ جاتا ہوں، یہ سب کیوں کرتا ہوں، ان کی ہگنی موتنی میں شریک ہوکر سوائے تضیع اوقات کے اور کیا ہے، ضروری کاموں کا بھی نقصان ہوتا ہے لیکن اس میں حکمت ہے مصلحت ہے اس طرح کرنا پڑتا ہے، ان ہی سب اخلاق کی وجہ سے معاملہ دبا رہتا ہے، اور ان اخلاق کی وجہ سے وہ لوگ مروّت میں خاموش رہتے ہیں، ورنہ کیا مدرسہ ان کو اچھا لگتا ہوگا، کسی وقت بھی فتنہ کھڑا کرسکتے ہیں، اس لئے ادھر ٹہلنے مت جایا کرو، سیر وتفریح کے لئے مدرسہ کا میدان بہت کافی ہے مچھلی کا شکار بھی کرنا ہے تو اس طرف مت جایا کرو جس طرف جانے کی اجازت ہے اس طرف جایا کرو، ایک تو مچھلی کا شکار کرنے کی اتنی عادت نہ ہونا چاہئے، چھٹیوں میں کبھی ایک آدھ بار چلے گئے، پڑھنے لکھنے والے طلبۃ کو ان سب کاموں کی کہاں فرصت۔

ششماہی امتحان کے بعد چھٹی کا ماحول نہ بنائیے

ششماہی امتحان کے بعد طلبہ میں عام رجحان چھٹی منانے اور گھر جانے کا ہوتا ہے، امتحان ختم ہونے میں صرف ایک روز باقی تھا، حضرت نے فجر کی نماز کے بعد حکم دیا کہ پنکھے سب بند کردو تاکہ آواز صاف سنائی دے، اس کے بعد طلباء سے مخاطب ہوکر کھڑے کھڑے ارشاد فرمایا، امتحان تو کل ختم ہوجائے گا لیکن چھٹی نہ ہوگی، نہ ہم نے آج تک ششماہی امتحان بعد چھٹی دیکھی نہ ہمارے زمانہ میں ہوتی تھی، اور نہ ہم اس کو پسند کرتے ہیں، امتحان بعد اگر چھٹی کا معمول ہوجائے تو غور کرنے کی بات ہے کہ پندرہ بیس دن تو امتحان سے پہلے ناغہ ہوتا ہے پھر یہ ناغہ اور ہو، ہم تو اس کو بھی پسند نہیں کرتے کہ امتحان کے لئے سبق بند کیا جائے نہ ہمارے زمانہ میں سبق بند ہوتا تھا، لیکن خیر سلسلہ چل پڑا ہے لڑکے محنت کرتے ہیں یاد کرتے ہیں، ٹھیک ہے چندروز کے لئے سبق بند ہوجائے لیکن امتحان کے بعد چھٹی کے کیا معنی، پندرہ بیس دن کا وہ ناغہ اور ادھر چھٹی ہوجائے تو ایک ماہ کا یہ نقصان ہوگا اس لئے چھٹی کا تو کوئی نام نہ لے۔

خبردار! میرے پاس کوئی چھٹی کی سفارش لے کر نہ آئے، میں پہلے سے کہے دے رہا ہوں، کل امتحان ختم ہوگیا پرسوں ہی سے انشاء اللہ اسباق شروع ہوجائیں گے، ایک دن کا بھی اگر ناغہ ہوتا ہے تو اس کی بے برکتی ہوتی ہے، طبیعت میں اضمحلال اور پژمردگی چھاجاتی ہے، کتاب سے مناسبت بھی تو رفتہ رفتہ ہی قائم ہوتی ہے، دوچار دن تو یوں ہی گذر جاتے ہیں، چھٹی کرنے سے اور زیادہ نقصان ہوگا، درجہ حفظ کے جن لڑکوں کا امتحان ہوگیا ہے وہ کل ہی سے درجہ میں جاکر پڑھنا شروع کردیں، سبق نہ سنائیں سہی لیکن درجوں میں جانا اور پڑھنا شروع کردیں، سبق کا پارہ یاد کریں، اور تھوڑا تھوڑا دو دو چار چار سطریں سبق بھی یاد کرتے رہیں، استاد اگر نہ بھی پڑھانے آئے لیکن تم لوگ پڑھنا شروع کردو، تم لوگ اتنا بھی نہیں چاہتے کہ استاد ایک دن آرام کرلے، امتحان ختم ہوگیا ہے کم از کم ایک دن تو استاد کو آرام کرلینے دو، یہ کیا کہ بغیر گھیرے گھارے پڑھنے ہی نہ جاؤ، (حضرت نے یہ تدبیر اور حکمت عملی اس لئے اختیار فرمائی تھی کہ طلبہ میں ٹھلنے

گھومنے پھرنے اور گھر جانے کا رجحان نہ بننے پائے، نیز اساتذہ کو بھی حکمت عملی سے میٹھے بول بول کر پابند کرنا مقصود تھا۔

ششماہی امتحان کے بعد فوراً اسباق شروع کرنے کا اہتمام

مدرسہ میں ششماہی امتحان ہو چکا تھا، ششماہی امتحان کے بعد تعطیل کا معمول نہیں ہے بلکہ دوسرے ہی دن سے تعلیم شروع ہو جاتی ہے، لیکن بعض طلبہ گھر جانے کا ماحول بنا رہے تھے، حضرت نے پہلے سے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے آگاہ فرمایا۔

''دیکھو خبردار! میرے پاس کوئی طالب علم گھر جانے کی چھٹی کی درخواست لے کر نہ آئے، اس میں تمہارا ہی تو فائدہ ہے، گھر جانے سے تمہارا ہی نقصان ہے، تم یہ سوچو کہ تمہارے روکنے سے میرا کیا فائدہ؟ ہم کو کیا مل جائے گا، تمہارے فائدے ہی کے لئے کہہ رہا ہوں، اگر تم چلے جاؤ گے ہماری روٹی بچے گی، ہم خالی رہیں گے وقت بچے گا، کچھ لکھنے پڑھنے کا وقت ملے گا، ہمارے پاس تو ہزاروں کام ہیں کچھ نہیں تو علاقہ کا دورہ کروں گا، تمہاری طرح میں بھی گھوموں گا پھروں گا، علاقہ میں تبلیغی سفر کروں گا، لیکن گھر جانے سے تمہارا تو نقصان ہی ہوگا، اس لئے امتحان کے بعد فوراً اسباق شروع ہو جائیں گے، کل دوپہر تک امتحان ختم ہوگا اور پرسوں سے اسباق شروع کر دیئے جائیں گے، اور میں تو اپنے اسباق کل ہی سے شروع کر دوں گا کیونکہ میرے اسفار تو ویسے بھی ہوتے رہتے ہیں، سبق کا ناغہ ہوتا ہی رہتا ہے اس لئے میرے پاس کل ہی کتاب لے کر آجانا، ایک لڑکا بھی اگر ہوگا تو سبق پڑھایا جائے گا، سبق کا ناغہ نہیں ہوگا، اور جو طالب علم گھر جائے گا اخیر سال تک اس کا کھانا بند رہے گا۔

علاقہ اور حالات کے اعتبار سے ماحول اور مزاج بنانا پڑتا ہے

مہمان کا اکرام اس کی شان کے موافق ہونا چاہئے

دوپہر کے بعد کچھ اہم مہمان آگئے جن کے طعام کیلئے حضرت فکرمند اور پریشان

تھے، فرمایا اگر اپنے آدمی اور بے تکلف لوگ ہوں تو ان کو جو چاہو دال روٹی کھلا دو، لیکن ہر مہمان کے سامنے تو دال روٹی نہیں رکھ سکتے، مہمان کا اکرام اس کی شان کے مطابق ہونا چاہئے، کچھ اہتمام بھی کرنا چاہئے، ایک صاحب نے عرض کیا کہ ناوقت اور بغیر اطلاع اچانک آنے کی وجہ سے یہ پریشانی ہورہی ہے اگر یہ اصول مقرر کر دیا جائے کہ جو آئے پہلے سے اطلاع کر دیا کرے، بغیر اطلاع نہ آئے تاکہ پہلے سے انتظام کرلیا جائے، اور عین وقت پر پریشانی نہ ہو، فرمایا ہر جگہ یہ نہیں چل پاتا علاقہ کی اور حالات کی رعایت کرنا پڑتی ہے، اس علاقہ میں یہاں یہ بات نہیں چل سکتی، ورنہ مزاج تو میرا بھی یہی ہے، اصول کی پابندی اور خانقاہی مزاج کا میں بھی ہوں، اگر تبلیغ اور مدرسہ کی لائن اختیار نہ کی ہوتی صرف خانقاہی کام ہوتا تو خانقاہ بنا کر اور خانقاہی بن کر دکھا دیتا لیکن مجھ سے ہر قسم کے لوگوں کا سابقہ پڑتا ہے، طرح طرح کے لوگوں سے میرے روابط ہیں، تبلیغ کے کام سے بھی میں جڑا ہوا ہوں، مدرسہ کے کام اور دوسری ذمہ داریاں بھی ہیں، ہر طرح کے لوگوں سے ملنا پڑتا ہے یہاں اصول وصول کہاں چل سکتے ہیں، رعایت کرنا پڑتی ہے، اس پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ کے یہاں اصول مقرر تھے، ان کے یہاں ایسا ہوتا تھا، ان کی خانقاہ کا یہ اصول تھا، ان کے گھر میں یوں ہوتا تھا، اچھے اچھے لوگ اس میں مبتلا ہیں کہ حضرت تھانویؒ کے یہاں ایسا ہوتا تھا لہٰذا ہم بھی ایسا ہی کریں گے، ارے بزرگوں کی شانیں ہوتی ہیں، ان کی ایک شان تھی، ان کے سامنے ایسے حالات تھے جس کی وجہ سے انہوں نے ایسے اصول مقرر کئے تھے، کیا تمہارے سامنے بھی ایسے حالات ہیں اور تم بھی ایسے ہو جیسے حضرت تھانویؒ تھے، حضرت تھانویؒ نے کیا کیا تھا اور تم کیا کرتے ہو؟ کیا تم بھی حضرت تھانویؒ ہو؟ اگر ایسا کرتے ہو تو پہلے حضرت تھانویؒ تو بنو، بن کر دکھلاؤ پھر ایسا کرو، پہلے اپنے اندر کچھ ہونا تو چاہئے تب ان کی نقل اتارنا، پہلے سے نقل اتارنا شروع کردی وہ بھی صرف اس قسم کے امور میں؟ کہیں سن لیا کہ حضرت تھانویؒ ایسا کرتے تھے، ان کے یہاں ایسے اصول

مقرر تھے بس اسی کے پیچھے پڑ گئے، ارے ہم بھی جانتے ہیں حضرت تھانویؒ کو اور تم سے زیادہ جانتے ہیں، ہم نے تو ان کی جوتیاں سیدھی کی ہیں اور ہم تو ایسوں کی صحبت میں رہے ہیں، ایسوں کی خدمت کی ہے اور ایسا مزاج پایا ہے، اسی ماحول میں میری پرورش ہوئی ہے اور میرا بھی وہی مزاج ہے تم سے زیادہ ہم اس کو جانتے ہیں لیکن حالات ہوتے ہیں اس کا لحاظ کرنا پڑتا ہے، علاقہ کی رعایت کرنا پڑتی ہے، کوئی بتلائے کہ اس ماحول میں اور ایسے علاقہ کے لوگوں میں وہ اصول چل سکتے ہیں؟ یہ گفتگو حضرت نے خاص اپنے علاقہ جہاں بدعت وجہالت کا غلبہ تھا ان کے حالات کے مطابق فرمائی تھی، حالات بدلنے سے بعد میں کچھ تبدیلی بھی آگئی تھی۔

مدرسہ کی ضروریات کی ہر وقت فکر

حضرت اقدس دامت برکاتہم کی شان استغناء کا ایک واقعہ

حضرت اقدسؒ کا مزاج تھا کہ کہیں بھی تشریف لے جاتے اپنے مدرسہ اور مدرسہ کے طلبہ کی ضروریات نہیں بھولتے کسی علاقہ میں اینٹوں کے بھٹہ پر سے گذر ہوا تو اینٹوں کا نرخ (بھاؤ) معلوم کرتے، غلّہ منڈی سے گذرنا ہوتا یا ایسے لوگوں سے ملاقات ہوتی تو غلّہ گیہوں چاول کا بھاؤ معلوم کرتے حتیٰ کہ ضرورت کی کوئی چیز مثلاً عمدہ چھری چاقو وغیرہ سستی ملتی تو مہمانوں کے لئے اس کو خرید کر گاڑی میں رکھ لیتے، یہ حضرت کی عام عادت تھی۔

حضرت اقدسؒ کا سلطانپور کا سفر تھا، سلطانپور میں ایک صاحب کی دکان پر سے گذر ہوا جن کی دکان میں پلاسٹک کی عمدہ بالٹیاں فروخت ہو رہی تھیں، حضرت کو پسند آئیں اس نمونہ کی بڑی بالٹیاں دیکھ کر حضرت نے فرمایا مدرسہ میں مہمانوں کے لئے ایسی بالٹیاں مناسب رہیں گی، دکاندار صاحب حضرت کے کافی معتقد تھے، ان کو علم ہوا تو انہوں نے فوراً بالٹی حضرت کی خدمت میں حاضر کردی حضرت نے انکار فرمایا لیکن وہ

نہیں مانے اور اصرار کرتے رہے لیکن حضرت نے قبول نہیں فرمایا، حضرت نے دوسرے صاحب سے جو ذمہ دار اور سمجھ دار تھے ان سے فرمایا کہ ان کو سمجھا دیجئے، میرا مزاج ایسا نہیں ہے میں اس طرح کا آدمی نہیں، میں تو اس طرز کو بھی صحیح نہیں سمجھتا اس کو میں اشرافِ نفس سمجھتا ہوں میں دوسروں کو تو منع کرتا ہوں اور خود لے لوں یہ کیسے ہو سکتا ہے، اور اس طرح لینے کو غیرت کیسے گوارہ کر سکتی ہے، اگر میں نے ضرورت کا اظہار نہ کیا ہوتا تو بات دوسری تھی، اگر ان کو بالٹی دینی ہے تو مجھ سے پیسے لے کر دیں بغیر پیسے کے میں نہیں لوں گا، ان صاحب نے کہا تھوڑے پیسے دے دیجئے، حضرت نے فرمایا رعایت کرنا دوسری بات ہے نفع نہ لیں لیکن بغیر قیمت کے میں اس کو نہیں لوں گا چنانچہ حضرت نے بالٹی کی قیمت ادا فرمائی اور بالٹی ساتھ آ گئی۔

مدرسہ کا ناظم بننا بہت بڑی ذمہ داری ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ان کے دور خلافت میں دودھ میں پانی ملانے کا رواج ہو گیا آپ کو فکر ہوئی، اعلان کر دیا کہ اب کوئی دودھ میں پانی نہیں ملائے گا، چنانچہ لوگوں نے دودھ میں پانی ملانا بند کر دیا، ایک مرتبہ کی بات ہے کہ آپ رات کے وقت گشت فرما رہے تھے، حالات کا جائزہ لے رہے تھے کہ کون کیا کر رہا ہے، ذمہ داری اس کا نام ہے، ذمہ داری سنبھالنا آسان کام نہیں، مدرسہ کا ناظم بننا بہت بڑی ذمہ داری ہے، آج کل جس کو دیکھو مدرسہ چلانے اور ناظم بننے کو تیار ہے اور ذمہ داری کا کچھ احساس نہیں، ذمہ داری بہت بڑا کام ہے، اس کے لئے قربانی دینا پڑتی ہے آرام و نیند سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ سب کچھ کرے لیکن مدرسہ کا ناظم کبھی نہ بنے، آج کل لوگوں میں احساس ذمہ داری نہیں خوف خدا نہیں، اگر یہ پیدا ہو جائے تو اصلاح ہو جائے، اسی احساس ذمہ داری اور خوف خدا کا اثر تھا کہ حضرت عمرؓ گشت فرما رہے تھے، ایک گھر کے اندر سے آواز آئی کہ بیٹی دودھ میں پانی ملا دے، بیٹی نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہے، بوڑھی ماں نے کہا کہ

امیر المؤمنین کہاں دیکھ رہے ہیں، بیٹی نے کہا کہ وہ نہیں دیکھ رہے اللہ تو دیکھ رہا ہے۔

یہ ہے خوف خدا جب یہ آدمی میں آجاتا ہے تب کام ہوتا ہے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے، ہر حال میں کام کیا جاتا ہے، یہاں کتنے لوگ ہیں کہ صرف دکھانے کے لئے کام کرتے ہیں، نماز اس لئے پڑھتے ہیں کہ کھانا نہ بند ہوجائے، ارے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے جو کام کرنے کا ہے وہ تو کرنا ہی ہے۔

ایسے مولویوں اور واعظوں کی بس اللہ ہی حفاظت فرمائے

فرمایا حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ آج کل کے نام نہاد مولوی پہلے تو چکنی چپڑی لچھے دار تقریروں اور خوش انداز بیانوں سے، لمبے لمبے کرتوں اور جبّوں سے عوام کو اپنے پھندے میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنا سکّہ جمانا چاہتے ہیں، لیکن یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہم اس کے اہل نہیں، اپنے باطنی احوال سے واقف ہوتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ ہمارا باطن خراب ہے اور ہم بہت سے باطنی عیوب میں مبتلا ہیں، لیکن جب خوب شہرت ہوجاتی ہے، اور چاروں طرف سے خوب آؤ بھگت ہونے لگتی ہے تو یہ شخص خود دھوکہ میں پھنس جاتا ہے اور اپنے کو کامل اور اہل سمجھنے لگتا ہے، پہلے تو خود دوسروں کو دھوکہ میں ڈالا بعد میں خود بھی دھوکہ میں مبتلا ہو گیا، پہلے تو خود دوسروں کو جال میں پھانسا بعد میں خود جال میں پھنس گیا۔

اس پر حضرت اقدس تھانویؒ نے ایک واقعہ بطور لطیفہ کے نقل کیا ہے کہ ایک لالچی شخص نے بچوں سے کہا کہ ارے جاؤ وہاں مٹھائی بٹ رہی ہے لڑکے دوڑے چلے گئے حالانکہ اس نے یوں ہی جھوٹ کہا تھا، لیکن جب لڑکے دوڑے تو پیچھے پیچھے خود یہ لالچی بھی دوڑا، لوگوں نے پوچھا ارے تو نے یوں ہی کہا تھا تو کیوں دوڑ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بات صحیح ہے لیکن مجھے شبہ ہوا کہ جب یہ لڑکے دوڑ رہے ہیں تو کہیں واقعی مٹھائی بٹ ہی رہی ہو، پہلے تو اس نے لڑکوں کو دھوکہ دیا، بعد میں خود دھوکہ میں آگیا، اسی طرح آج کل کے مولوی پہلے تو خود عوام کو دھوکہ دیتے ہیں پھر جب عوام اس

کو بڑا سمجھنے لگتے ہیں تو خود یہ شخص بھی دھوکہ میں پڑ جاتا ہے اور اپنے کو فضل وکمال والا سمجھنے لگتا ہے، آج کل کے علماء جو اپنے نفس کی اصلاح کرائے بغیر بڑے بن جاتے ہیں ا ن کی یہی حالت ہوتی ہے اللہ حفاظت فرمائے۔

محض علم اور قوت بیان کمال نہیں عمل وتقویٰ کی ضرورت ہے

فرمایا علم کی مثال چراغ اور دیا سلائی جیسی ہے اور عمل کی مثال روشنی جیسی ہے، اگر دیا سلائی پاس میں موجود ہو لیکن جب تک اس کو جلایا نہ جائے، ماچس میں تیلی رگڑ کر چراغ کو روشن نہ کیا جائے اس وقت اس سے روشنی حاصل نہیں ہوسکتی، روشنی اسی وقت ہوگی جب کہ اس کا استعمال کیا جائے، اسی طرح محض علم سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اس کو استعمال نہ کیا جائے، یعنی اس کے مطابق عمل نہ کیا جائے، جب عمل کرے گا تب ہی اس سے فائدہ ہوگا۔

لیکن آج کل محض علم ہی کو کمال سمجھا جاتا ہے، کہ فلاں صاحب بڑے ذی استعداد ہیں، فلاں صاحب بڑے اچھے مقرر ہیں، حالانکہ یہ کوئی کمال نہیں بلکہ دھوکہ ہے، شہرت تو خوب ہوجاتی ہے، اشتہاروں میں نام جلی قلم سے آجائے گا، بڑے بڑے القاب سے پکارا جائے گا، فرسٹ کلاس کا کرایہ ملے گا، ہدایا تحائف ملیں گے، سب کچھ ہوگا لیکن پہلے تو اس نے دوسروں کو دھوکہ دیا اور بعد میں خود دھوکہ میں مبتلا ہوگیا، تقریریں تو ایسی لمبی چوڑی اور لچھے دار لیکن سفر میں دیکھو تو خود نمازیں چھوڑے بیٹھا ہوگا۔

اہل علم کی پکڑ بڑی سخت ہوگی

فرمایا اہل علم کی پکڑ بڑی سخت ہوگی کہ جاننے کے بعد بھی عمل نہیں کیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ایسی بات ہے تو چلو پھر علم ہی حاصل نہ کریں تاکہ پکڑ نہ ہو، کیونکہ پکڑ دونوں میں ہے، پہلے میں علم سیکھنے کے بعد عمل نہ کرنے کی اور دوسری صورت میں دو طرح کی پکڑ ہوگی ایک علم حاصل نہ کرنے کی دوسرے عمل نہ کرنے کی، اس لئے یہ پکڑ زیادہ سخت

ہوگی، اور علم حاصل کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ پورا مولوی بن جائے، مدرسہ میں داخلہ لے، بلکہ شریعت کے احکام، دینی مسائل معلوم کرلے یہی علم دین حاصل کرنا ہے، خواہ کتابوں سے پڑھ کر معلوم کرے یا سن کر اور پوچھ کر، روزانہ دس منٹ بھی دین کی باتیں سن لیا کرے اس سے علم دین حاصل ہوجائے گا، اگر پڑھنا نہ آتا ہو تو لوگوں سے سن لیا کرے، لیکن علم دین حاصل کرنا بہر حال ضروری ہے، یہ عذر ہرگز قابل قبول نہ ہوگا کہ فرصت نہ ملتی تھی۔

مدرسوں میں کام کے افراد کیوں نہیں ملتے

فرمایا دنیا میں ہر چیز کی ترقی ہورہی ہے، ہر چیز بن رہی ہے، چل رہی ہے، کارخانے چل رہے ہیں، اس میں ایک سے ایک اچھی اور عمدہ سے عمدہ چیزیں تیار ہوتی ہیں، بس مدرسے ہی ایسے ہیں کہ وہ نہیں چلتے، ان میں ترقی نہیں ہوتی، ایسا کیوں؟ کارخانہ میں کپڑا اچھا سے اچھا بنتا ہے، لیکن مدرسوں میں لڑکا اچھا سے اچھا کیوں نہیں بنتا؟ اس لئے کہ کارخانہ چلانے والے لوگ موجود ہیں اور کارخانے میں کام کرنے والے افراد تیار ہوتے رہتے ہیں، آگے چل کر وہ کام کرتے ہیں، جو کام سیکھ لیتا ہے وہ کارخانہ چھوڑتا نہیں اسی میں لگا رہتا ہے، کارخانہ کی جگہ خالی نہیں ہوتی، ایک نہیں تو دوسرا آجاتا ہے، لیکن مدرسوں میں رہنے والے طلبہ مدرسہ چلانے کے قابل نہیں ہوتے، ایک تو صلاحیت ہی نہیں ہوتی اور جو باصلاحیت ذی استعداد ہوتے ہیں وہ اس میں لگتے نہیں دوسری جگہ چلے جاتے ہیں، کوئی دکان کھولتا ہے، کوئی کارخانہ کا مالک بنتا ہے کوئی سعودیہ جاتا ہے، جو اچھے لوگ ہوتے ہیں وہ تو ادھر ادھر چلے جاتے ہیں پھر مدرسہ میں کون لگے، اور یہ کام کون کرے، اسی لئے آج کل مدرسہ چلانے والے افراد نہیں ملتے اور جو ملتے ہیں وہ نکمے ہوتے ہیں الّا ماشاء اللہ۔

فصل

سبق پڑھانے کی اہمیت

شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حضرت کی حاضری

فرمایا معلوم نہیں بزرگان دین اورمشائخ پڑھنے پڑھانے کا مشغلہ کیوں نہیں رکھتے ،حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ درسی کتابیں مرقاۃ وغیرہ سب پڑھایا کرتے تھے، اوراخیر عمر تک پڑھاتے رہے،ایک مرتبہ میں حاضر ہوا تو مرقاۃ کا سبق پڑھا رہے تھے، میں کثرت سے حضرت کے پاس جایا کرتا تھا، اس زمانہ میں باندہ سے الہ آباد ٹرک بہت چلا کرتے تھے، باندہ میں اس وقت غلہ بہت ہوتا تھا، ملک کے مختلف حصوں میں یہاں سے غلہ جاتا تھا، الہ آباد بھی جاتا تھا اس لئے الہ آباد ٹرک بہت چلتے تھے،منّو بھائی (باندہ کے صاحب ثروت مشہور آدمی) کی بسیں بھی بہت چلتی تھیں،جس میں میرا کرایہ نہ لگتا تھا اس لئے الہ آباد کثرت سے حاضری ہوتی رہتی تھی، اگر ٹرک سے جاتا تو گھاٹ پراتر جاتا، پل پر ایک کنارہ پڑا سوتا رہتا اور صبح رکشہ سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوجاتا، ایک مرتبہ حاضر ہوا تو شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے پوچھا کہ اتنی جلدی صبح کیسے آگئے، احقر نے عرض کیا رات ہی آ گیا تھا پل پر گھاٹ پر سوتا رہا، حضرت بہت ہنسے اور فرمایا صدّیق کو دیکھو رات میں آیا اور گھاٹ پر وہیں سوتا رہا، مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا تھا صدیق تم واقعی صدّیق ہو، حضرت کے پاس میں حضرت ناظم صاحبؒ (یعنی مولانا اسعد اللہ صاحب جو حضرت کے پیر ومرشد تھے) کے حکم سے گیا تھا، جا کر عرض کیا کہ حضرت ناظم صاحب نے بھیجا ہے کہ الہ آباد قریب ہے وہاں جانا اور کہہ دینا کہ فلاں نے بھیجا ہے، حضرت بہت خوش ہوئے تھے۔

جلسوں کی وجہ سے سبق کا ناغہ نہ کرنا چاہئے

حضرت اقدسؒ مہوبا ایک جلسہ میں تشریف لے گئے تھے حضرت کے بڑے صاحبزادے بھی ساتھ میں تشریف لے گئے تھے، جلسہ کے بعد حضرت ھتورا کے لئے روانہ ہوگئے، جلسہ کی وجہ سے پوری رات خراب ہوئی، فجر سے پہلے مدرسہ پہنچے، سونے کا موقع ہی نہیں ملا، حضرت اقدسؒ تو فجر کی نماز کے بعد حسب معمول اسباق پڑھانے میں مشغول ہوگئے، سبق کے بعد فرمایا حبیب کہاں ہے، سورہا ہوگا وہ پڑھائے گا کہاں، آج تو وہ دن بھر سوئے گا، جب تک دن بھر سو نہ لے گا، اس کی نیند پوری نہ ہوگی، ایسے شخص کو سفر ہی نہ کرنا چاہئے جو سبق کا ناغہ کرکے تعلیم کا حرج اور طلبہ کا نقصان کرے، راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ رات بھر جاگنے کے بعد دن میں آرام کرنا طبعی تقاضہ ہے جو قابل ملامت بھی نہیں لیکن حضرت اقدسؒ نے اپنے صاحبزادوں کی عجیب انداز سے تربیت فرمائی تھی اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ماشاء اللہ وہی صاحبزادے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کے طرز پر کام کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقیات سے نوازے۔

سبق پڑھانے کا طریقہ

ایک کتاب کا درس دیتے ہوئے فرمایا کہ اصل چیز یہی ہے کہ جس فن کی جو کتاب ہو اور فن کا جو مسئلہ بیان کیا گیا ہو پہلے اس کو سمجھا کر پھر اس مضمون کا عبارت سے انطباق کیا جائے، محض لمبی چوڑی تقریر کردینے سے کچھ نہیں ہوتا، اصل تو یہ ہے کہ عبارت کو حل کرائے، ضمائر کے مراجع ظاہر کرے، ترجمہ صحیح صحیح کرے، لوگ یہ تو کرتے نہیں لمبی چوڑی تقریر کردیتے ہیں، تقریر کرکے اپنے عیب کو چھپاتے، تم لوگ خوب مطالعہ کیا کرو اور عبارت میں خوب غور کیا کرو۔

سبق پڑھانے کا اچھا انداز

حضرت اقدسؒ ایک کتاب کا درس دے رہے تھے، طالب علم کے عبارت پڑھنے

کے بعد فرمایا عبارت کا ترجمہ کرو، ترجمہ کے ساتھ ہی حضرت عبارت کی وضاحت اور اس کا مطلب بیان فرماتے جاتے تھے، اسماء موصولہ اور ضمائر کے مراجع پر خاص طور پر توجہ دلاتے تھے، طالب علم کے ترجمہ کرنے میں جو غلطی ہوتی اس کی بھی اصلاح فرماتے جاتے، فرمایا پڑھانے کا یہ انداز اچھا ہے کہ طالب علم خود مطالعہ کرکے آئے اور ترجمہ ومطلب کی تشریح بھی اسی سے کرائی جائے، جہاں غلطی کرے ٹوک دیا جائے، ضرورت ہو تو مزید تشریح کردی جائے، اور کوشش کی جائے کہ کتاب طالب علم خود حل کرے، سبق کی تقریر اسی سے کرائی جائے، اس طرح پڑھانے سے واقعی استعداد بنتی ہے، متقدمین اور اسلاف کے پڑھانے کا یہی انداز تھا، تب ہی تو ان کی استعداد بنتی تھی، علم کے دریا اور پہاڑ ہوتے تھے، اب آج کل اول تو طلبہ مطالعہ ہی کرکے نہیں آتے اور استاد صاحب بھی صرف لمبی چوڑی تقریر کرنا جانتے ہیں، جو زیادہ اچھا بول لے، لمبی چوڑی تقریر کرلے وہ سب سے اچھا پڑھانے والا سمجھا جاتا ہے، میں تو صاف کہتا ہوں کہ لمبی تقریر کرنے والے بعض دفعہ دراصل اپنے عیب کو چھپاتے ہیں، عبارت حل نہیں کراتے، ترجمہ بھی صحیح نہیں کراتے، عبارت اور اس کے مطلب میں انطباق نہیں کراتے، بس تقریر کرکے نکل جاتے ہیں لمبی تقریر کرکے سب باتوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔

پشاور کے ایک مدرسہ کا نظام اور پڑھانے کا عجیب انداز

پشاور میں ایک مدرسہ ہے اس میں سبق پڑھانے کا یہی انداز ہے کہ طلبہ خود محنت سے مطالعہ کرکے آتے ہیں اور طلبہ ہی سبق کی تقریر کرتے ہیں، استاد سنتا رہتا ہے اگر طالب علم نے غلطی کی تو ہوں کہہ دیا، اگر طالب علم سمجھ گیا تو ٹھیک ہے ورنہ استاد صحیح تقریر کردیتا ہے، اس سے طلبہ کی استعداد اچھی بنتی ہے، اس مدرسہ کا نظام بھی عجیب وغریب ہے، مدرسہ میں دار الاقامہ نہیں، طلبہ کے قیام وطعام کا نظم نہیں، مدرسہ میں طلبہ صرف پڑھنے آتے ہیں اور ادھر ادھر اطراف کے گاؤں میں رہتے ہیں، وہاں لوگوں میں دینی جذبہ ہے، گاؤں والے خود کہتے ہیں کہ ہمارے گاؤں میں دس لڑکوں کا انتظام رہے گا،

کسی گاؤں میں بیس لڑکوں کا انتظام ہوتا ہے، لڑکے صبح کے وقت مدرسہ میں پڑھنے آجاتے ہیں اور تعلیم ایک ہی وقت ہوتی ہے، کیونکہ لڑکے اطراف سے چل کر آتے ہیں، دونوں وقت آنے میں زحمت ہوگی اس لئے مدرسہ ایک ہی وقت کا ہوتا ہے، پڑھ کر پھر واپس چلے جاتے ہیں، یہ اچھا نظام ہے، نہ باورچی کی فکر نہ غلہ آٹے دال کی فکر، بس پڑھانے سے مطلب ہے، متقدمین اسلاف کے یہاں یہی طریقہ رائج تھا۔

ہمارے دیار کی بدنصیبی

ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم ایسے علاقہ میں پیدا ہوئے جہاں لوگ جانتے ہی نہیں کہ طالب علم بھی کوئی چیز ہوتے ہیں، طلبہ کی مد کا ایک لقمہ ان کے نزدیک حرام سمجھا جاتا ہے، جانوروں کو کھلائیں گے، سور کتے کو کھلائیں گے، بیل گدھے کو کھلائیں گے، لیکن طالب علم کو کھلانے اور ان کا انتظام کرنے کی ان کے یہاں کوئی مد نہیں۔

مخالفت نہ ہونا بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے

اس علاقہ میں تو پھر بھی غنیمت ہے کہ یہاں شادی وغیرہ کے موقع پر کبھی کسی نہ کسی بہانہ سے پوچھ لیتے ہیں، بعض علاقوں میں تو یہ بھی نہیں، ایک جگہ کئی سال رہنا ہوا، تین چار مدرسین تھے، لیکن تین چار سال کے عرصہ میں کبھی ایک مرتبہ بھی کسی مدرّس کی دعوت نہیں ہوئی، حالانکہ بالکل سامنے رہتے تھے، اور شادیاں ہوا کرتی تھیں، ہم ان کی دعوت کے کوئی بھوکے نہیں لیکن اس سے تعلقات کا پتہ چلتا ہے اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، خیر یہی کیا کم ہے کہ مخالفت نہیں کی ورنہ بعض جگہ تو لوگ مخالفت کرتے ہیں اور ہاتھ دھو کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ پیچھا چھڑانا مشکل ہوتا ہے، مخالفت نہ ہونا بھی بڑی بات ہے کہ سکون سے کام تو کرتے رہیں۔

بغیر مطالعہ پڑھانے کی مذمّت

فرمایا میں اتنے سالوں سے پڑھا رہا ہوں لیکن پھر بھی بغیر مطالعہ کے نہیں پڑھاتا،

خواہ تھوڑی دیر مطالعہ کروں، ایک ہی نظر دیکھوں لیکن مطالعہ ضرور کرتا ہوں، معلوم نہیں لوگ بغیر مطالعہ کیسے پڑھا لیتے ہیں، یہ بھی دیانت کا مسئلہ ہے، حقوق العباد میں سے ہے، پڑھانے والے کو اپنی طرف سے پوری کوشش کرنا چاہئے، اپنی طرف سے کسر نہ اٹھا رکھے، بغیر سمجھے اور بغیر مطالعہ کے پڑھانا حق العبد کو ضائع کرنا ہے، میں سفر سے آتا ہوں تو دو بجے رات کو مطالعہ کرتا ہوں، ۴۰ سال پڑھانے کے بعد بھی مجھے مطالعہ کی ضرورت پیش آتی ہے، پتہ نہیں لوگ کیسے مطالعہ نہیں کرتے، نئی نئی کتابیں نیا نیا سال بغیر مطالعہ کے پڑھاتے ہیں، اگر کتاب پڑھائی ہوئی بھی ہو تو بھی کم از کم ایک نظر تو دیکھ ہی لینا چاہئے، بعض لوگ مطالعہ توجہ سے نہیں کرتے، ادھر ادھر دیکھا اور درجہ میں پہنچ گئے اور آئیں بائیں ہانک دیا، یہ بھی دیانت کے خلاف ہے اس میں حقوق العباد کے ضائع کرنے کا گناہ ہوگا۔

اسباق میں طلبہ کے علاوہ دوسروں کی شرکت

فرمایا مدرسہ میں مہمان آتے ہیں، ادھر ادھر بیٹھے باتیں کیا کرتے ہیں، اگر تفسیر وحدیث کے سبق ہی میں آکر بیٹھ جایا کریں تو کچھ تو فائدہ ہوگا، اصل میں دوسرے مدرسوں میں یہ معمول ہے کہ بلا اجازت کوئی سبق میں نہیں بیٹھ سکتا، پہلے اجازت لینی پڑتی ہے، وہی یہاں بھی سمجھتے ہیں، میرے یہاں تو بالکل اجازت ہے جس کا جی چاہے آکر بیٹھے، شیخ الحدیث بھی آکر بیٹھ جائے تو میں اسی طرح سبق پڑھاتا رہوں گا، ایک جگہ میرا جانا ہوا اور ایک سبق میں جا کر بیٹھ گیا انہوں نے سبق نہیں پڑھایا اور کہا کہ مولانا اگر آپ رہیں گے تو سبق نہیں پڑھا پاؤں گا، مجھے بہت افسوس ہوا میں اٹھ کر چلا آیا، آخر اس میں کون سی ایسی بات ہے اگر ہمارے بڑے موجود ہیں اور میرا سبق سن رہے ہیں تو اچھا ہے سنیں، جو غلطی ہوگی اس کی اصلاح کر دیں گے، تنبیہ ہوگی اس کا فائدہ ہوگا، جو سمجھ میں نہ آئے گا ان سے پوچھ لیں گے یہ تو خوشی کی بات ہے۔

شروع کی محنت ہمیشہ کام آتی ہے

فرمایا میں جب سہارنپور پڑھنے گیا اور وہاں بہت دنوں تک تو داخلے ہی ہوتے

رہتے ہیں، لڑکے ادھر ادھر بیٹھے باتیں کیا کرتے ہیں، ایک مجلس میں ایک طالب علم آیا اور کسی بات پر اس نے کہا ”ارے یار کیوں تجاہل عارفانہ کرتے ہو“ (یعنی کیوں جان بوجھ کر بتکلف جاہل بن رہے ہو) باب افتعال کا ایک خاصہ تکلف بھی تو ہے، جب اس نے یہ جملہ استعمال کیا تو میں مرعوب ہوا اور سوچا کہ یہاں تو بڑے قابل قابل لڑکے ہیں یہاں دال نہ گلے گی پانی پت میں تو اپنے درجہ میں سب سے تیز میں ہی تھا، یہاں آ کر فکر ہوگئی لیکن جب کتابیں شروع ہوئیں اسباق ہونے لگے تب معلوم ہوا کہ ارے کچھ بھی نہیں عبارت پڑھنا بھی نہیں آتی، تکرار و مذاکرہ کراتے ہیں تو اٹائیں سٹائیں ہانکتے ہیں، ایک جملہ تھا ”تجاہل عارفانہ“ کہیں سن لیا ہوگا اس کو رٹ لیا تھا اس سے میں خواہ مخواہ اتنا مرعوب ہوگیا تھا، اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا، شروع کی محنت ہمیشہ کام آتی ہے، ابتدائی محنت کی اس وقت قدر ہوئی۔

استعداد نہ بننے میں طلبہ کا قصور زیادہ ہے

اصل بات یہ ہے کہ طلبہ خود ہی کچھ حاصل کرنا نہیں چاہتے، خود ان کے اندر ذوق شوق نہیں ورنہ اس کی کوشش کرتے، کتاب کا مطالعہ کر کے آتے، نہ مطالعہ کا اہتمام نہ تکرار کی فکر، بس سبق میں آ کر بیٹھ گئے، استاد کی تقریر سن لی وہ بھی بے توجہی سے اس طرح کہیں استعداد بنتی ہے۔

شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا ارشاد کہ بغیر مطالعہ کے پڑھنا میں حرام سمجھتا ہوں

حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بغیر مطالعہ کے پڑھانا میں حرام سمجھتا ہوں ایک مرتبہ میں الہ آباد گیا تھا، میرے سامنے کی بات ہے ان کے داماد مولانا مبین احمد صاحب مرقاۃ کا سبق پڑھ رہے تھے، عبارت پڑھنے میں غلطی کی، مولانا نے فرمایا بغیر مطالعہ کے پڑھتے ہو، بہت ڈانٹا اور فرمایا نکل جاؤ، بغیر مطالعہ کے پڑھنے آگئے، بغیر مطالعہ کے پڑھنا میں حرام سمجھتا ہوں۔

ابن مبارکؒ کا حال

فرمایا ابن مبارکؒ کا عجیب وغریب معمول تھا تین ماہ پڑھاتے تھے، تین ماہ جہاد کرتے تھے، تین ماہ وعظ وتقریر اور تبلیغ کرتے تھے، اور تین ماہ تجارت کرتے تھے، لیکن ان کی تجارت ایسی نہ ہوتی تھی جیسی آج کل کی ہوا کرتی ہے کہ نماز روزہ سب غائب، ان کی تجارت ان کو غفلت میں نہیں ڈالتی تھی۔

مدارس میں منصب اور کتابوں کی تقسیم میں انصاف پسندی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا واقعہ

فرمایا حضرت تھانویؒ کانپور میں پڑھاتے تھے حضرتؒ کے خلیفہ مولانا محمد اسحاق صاحبؒ تھے، جو بردوان (بنگال) کے رہنے والے تھے، حضرت تھانویؒ جب کانپور سے جانے لگے تو مولانا اسحٰق صاحب کو شیخ الحدیث بنانے کا ارادہ کیا، لوگوں میں اس کا چرچا ہوا مولانا اسحٰق صاحبؒ چونکہ بردوان کے رہنے والے تھے اس لئے اردو بھی بہت اچھی نہیں تھی اس وجہ سے بھی لوگوں کو ان پر اعتراض تھا، لیکن اس قسم کے معاملات میں صلاحیت دیکھی جاتی ہے صوبہ داری نہیں دیکھی جاتی حضرت تھانویؒ نے ان کی لیاقت وصلاحیت ہی کی بنا پر ان کا انتخاب کیا تھا، لیکن جب لوگوں کو اشکال ہوا تو حضرتؒ نے سب کو جمع فرمایا اور فرمایا تم لوگ کوئی حدیث پڑھو مولوی اسحٰق تم لوگوں سے سوالات کریں گے چنانچہ لوگوں نے حدیث پڑھی اس پر مولانا نے سوالات کئے وہ معترضین کسی بات کا جواب نہ دے سکے اس کے بعد حضرت نے فرمایا اچھا اب مولوی اسحٰق پڑھیں گے اور تم سوالات کرنا چنانچہ ان لوگوں نے طرح طرح کے سوالات کئے اور مولانا اسحٰق صاحب نے تسلّی بخش جوابات دیئے، اس وقت معترضین خاموش ہوگئے۔

حضرت نے فرمایا کسی کو کوئی عہدہ یا کوئی کتاب اس کی صلاحیت کی وجہ سے دی جانی چاہئے، یہ نہیں کہ چونکہ ہمارے دیار کا ہمارے علاقہ کا ہمارے صوبہ کا ہمارے خاندان وبرادری کا ہے اس لئے اس کو دینا ہے، یہ طریقہ غیر منصفانہ ہے۔

شر اور فتنہ کو دبانے اور ختم کرنے کی کوشش

سخت مزاج کا ایک طالب علم حضرت کے پاس کمرہ میں ایک پھٹا ہوا چادر اور ساتھ میں بکری کو پکڑ کر لایا اور کہا کہ دیکھئے حضرت یہ میرا نیا شال ہے اس بکری نے کھاڈالا، پورا شال پھٹ گیا، بڑی ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے غصہ میں اس لڑکے نے شکایت کی، حضرت نے اس کو تسلی دیتے ہوئے اور ٹھنڈا کرتے ہوئے فرمایا جو نقصان ہونا تھا ہو گیا، اب بات بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں بلاوجہ بات بڑھے گی، بکری نے نقصان کیا اس کا تم کو ثواب ملے گا، جو تمہارا نقصان ہوا ہے ہم تم کو اس کے پیسے دے دیں گے، وہ لڑکا خوشی خوشی درجہ چلا گیا ورنہ درجہ میں سخت غصہ میں کہہ رہا تھا کہ میں اس بکری کو ماروں گا، ذبح کر ڈالوں گا، اور واقعی وہ ذبح کرنے پر آمادہ تھا۔

دین کے کام کی حرص

فرمایا ایک دکاندار تاجر اپنی دکان کی ترقی کی فکر کرتا ہے، برابر اس کی کوشش میں رہتا ہے کہ دوکان خوب بڑی ہو جائے، ایک دکان ہے تو ایک سے دو دکان بنانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہاں بھی ہو وہاں بھی ہو، ایک کانپور میں ایک لکھنؤ میں، ایک دکان یہاں ہو ایک مکان وہاں ہو، ایک کارخانہ یہاں کھولا تو ایک کارخانہ کلکتہ میں ہونا چاہیئے، بس ہر وقت یہی دھن اور یہی فکر سوار رہتی ہے یہ تو دنیادار کا حال ہوا۔

دین دار کو بھی دین کے معاملہ میں ایسا ہی ہونا چاہیئے، ہر وقت یہی فکر سوار ہو کہ دین کا کام خوب ہو، یہاں بھی ہو وہاں بھی ہو، جہاں جائے وہاں دین کا کام کرے، جہاں رہے دین کا کام کرے، صرف ایک ہی مدرسہ کھول کر نہ بیٹھ جائے بلکہ جہاں ضرورت ہو جہاں موقع ملے گنجائش ہو فوراً مدرسہ قائم کر دے، مدرسوں کا جال بچھا دے، تھوڑے کام پر قناعت نہ کرے دنیادار کی طرح دین کے حریص کا بھی یہی حال ہونا چاہیئے۔

ادب میں غلو پسندیدہ نہیں

فرمایا حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا ادریس صاحبؒ دونوں بڑے درجہ کے اہل علم ہیں، مولانا ادریس صاحبؒ پاکستان تشریف لے گئے تھے، ایک مرتبہ علامہ کشمیریؒ پاکستان تشریف لے گئے، مولانا ادریس صاحبؒ بھی موجود تھے، ایک جگہ دونوں مہمان تھے، مولانا ادریس صاحبؒ علامہ کشمیریؒ کے شاگرد ہیں، بہت ادب کرتے تھے، میزبان نے جو سونے کا انتظام کیا تھا تو شاہ صاحب اور مولانا ادریس صاحبؒ کی چارپائی برابر سے لگی تھی، دونوں کے سونے کا انتظام قریب قریب تھا، مولانا ادریس صاحبؒ ادب کی وجہ سے سو نہیں رہے تھے، شاہ صاحبؒ نے فرمایا سوجاؤ لیکن مولانا ادریس صاحبؒ کو ادب مانع تھا، شاہ صاحبؒ نے فرمایا میاں صاحب سوجاؤ زیادہ ادب آدمی کو سڑک تک پہنچا دیتا ہے۔

دین کے خاطر دنیاداروں اور مالداروں سے ملاقات کرنا

فرمایا مجھے کیا پڑی ہے کہ کلکٹر، ایس پی، تھانیدار، داروغا، ڈاکٹر، انجینئر سے ملاقات کرتا پھروں، ان کے پاس جاؤں لیکن صرف دین کے خاطر کبھی جانا پڑتا ہے، اسی بہانہ وہ لوگ کچھ دین اسلام سے قریب ہوتے ہیں، کل سارا کام چھوڑ کر میں فلاں ڈاکٹر صاحب کو دیکھنے گیا تھا، بہت نقصان ہو رہا تھا، لیکن گیا اور فوراً ہی واپس آ گیا، اس میں ذاتی میری کوئی غرض نہیں تھی صرف دین کے واسطے لوگوں سے ملا کرتا ہوں، لوگوں کو جوڑے رہتا ہوں، اسی وجہ سے لوگوں کی شادیوں میں بھی شرکت کرتا ہوں ورنہ مجھے شادیوں میں شرکت کی کہاں فرصت، اس میں تو واقعی بڑا نقصان ہوتا ہے، لیکن اسی بہانہ کچھ لوگ دین سے قریب ہوتے ہیں اس لئے برداشت کرتا ہوں۔

علاقہ میں کام کرنے میں عاقبت اندیشی اور مختلف پہلوؤں پر نظر رکھنے کی ضرورت

شہر مہوبا جہاں اہل بدعت کی کثرت ہے وہاں سے حضرت کے معتقد سلیم بھائی بارہ ربیع الاول کے موقع پر جلسہ کے لئے حضرت کو دعوت دینے کے لئے تشریف لائے، حضرت کو علاقہ کی حالت معلوم تھی ان سے فرمایا کہ میلاد میں سلام وقیام ہوتا ہے میں کیسے کروں گا، انہوں نے عرض کیا حضرت کچھ نہیں ہوگا، جلسہ میں سب ہم ہی لوگ تو ہوں گے اور کون ہوگا، حضرت نے فرمایا کہ اگر سلام وقیام نہ ہوگا تو خواہ مخواہ لوگوں میں چہ می گوئیاں ہوں گی، تذکرے چرچے ہوں گے، بلا وجہ کیوں پیچھے پڑے ہو، خواہ مخواہ ایک بات کھڑی کردو گے، جیسا چل رہا ہے چلنے دو، کوئی ضروری ہے جلسہ کرنا، ان صاحب نے کہا کہ نہیں حضرت کچھ نہ ہوگا سب اپنے ہی لوگ ہیں اور ہم اس کا پورا انتظام کرلیں گے، ایسی فضا پہلے سے بنالیں گے آپ بالکل بے فکر رہیں، اس سے پہلے فلاں عالم صاحب جلسہ میں آئے تھے سکون سے جلسہ ہوا اور کچھ بھی نہیں ہوا، حضرت نے فرمایا وقت آنے پر مجھے بلا لینا اور قیام وسلام جو کچھ کرنا ہو میرے آنے سے پہلے کرلینا، لیکن پھر بعد میں وہی چوں چرا ہوگا کہ مولانا صاحب نے سلام نہیں پڑھا، حضرت نے فرمایا ارے چھوڑو جو کہیں کہنے دو، اپنا کام ہم کردیں گے، حق بات کہہ دیں گے، جس کو سننا ہوگا سنے گا، اتنا بزدل کیوں بنیں، ان صاحب نے کہا جی حضرت اب تک اسی میں معاملہ خراب ہوتا رہا، پھر حضرت تشریف لے گئے اور خطاب بھی فرمایا تھا۔

بڑا مدرسہ بنانے کی فکر نہ کرنا چاہئے

مدرسہ میں دو استادوں میں کسی وجہ سے آپس میں اختلاف ہوگیا، ایک بڑے درجہ کے استاد تھے دوسرے چھوٹے درجہ کے، بڑے درجہ کے استاد کا حضرت بہت خیال بھی رکھتے تھے اور مروّت سے پیش آتے تھے لیکن اس قضیہ میں بظاہر غلطی بڑے استاد کی تھی،

حضرت اس کی وجہ سے بڑے متفکر اور پریشان تھے، فرمایا ایسی دماغی الجھن اور ذہنی تشویش میں کیا لکھوں پڑھوں، سب لکھنا پڑھنا بھول گیا، بعض لوگ فسادی مزاج کے ہوتے ہیں، ادھر کی بات ادھر اور اُدھر کی بات ادھر، لگائی بجھائی کرا کر لڑائی کرادیتے ہیں۔

بڑا مدرسہ ہونے میں عموماً اس طرح کی خرابیاں ہوتی ہیں، آدمی کس کس کو خوش رکھے، نباہنا بڑا مشکل کام ہے، اس لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کوئی انتظام کردے کہ چھوٹا مدرسہ ہو تھوڑے لڑکے ہوں دو تین استاد ہوں، پڑھانے والے ان ہی لڑکوں پر محنت کریں، زیادہ بکھیڑا نہ پالیں، حضرت تھانویؒ نے چھوٹا مدرسہ کھولا تھا، ایک دو مدرّس اور تھوڑے سے لڑکے تھے، سکون سے مدرسہ چلتا تھا، بڑے مدرسوں میں سیکڑوں مسائل آئے دن کھڑے ہوتے ہیں، میں نے بڑا مدرسہ بنانے کی کوشش نہ کی تھی اللہ کو منظور تھا تکوینی طور پر ایسا ہوتا چلا گیا۔

فصل

طلبہ اور چوری

چور کو چوری کی سزا مل کر رہے گی

(مدرسہ کے بعض غریب طلبہ کی چپلیں اور سامان چوری ہوگیا تھا اس موقع پر عشاء کے بعد طلبہ کی مجلس میں) فرمایا کوئی طالب علم اپنے اندر طالب علمی کے صفات پیدا کر کے تو دیکھے کہ کیا ہوتا ہے، آخر طالب علم ہی کے بارے میں تو آیا ہے کہ فرشتے پر بچھاتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے، مچھلیاں ان کے لئے دعائیں کرتی ہیں، لیکن کس کے لئے؟ جس کے اندر طالب علمانہ اوصاف ہوں، اور آج کل طالب علموں کا یہ حال ہے کہ چپل کی چوری کرتے ہیں، ناشتہ اور کھانے کی چوری کرتے ہیں، کیا ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے؟ ایسوں پر تو اللہ کا غضب اور قہر نازل ہوتا ہے، اور وہ یہ نہ سمجھیں کہ کچھ ہوگا نہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل ہے، جس ذات نے قارون کو فرعون کو ہامان کو مہلت دی، بڑے بڑے کافروں کو مہلت دی وہ کیا ان کو مہلت نہیں دے سکتا لیکن پھر جب پکڑ ہوگی تو بہت سخت پکڑ ہوگی، اِنّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِید.

پھر ایسی پکڑ ہوگی کہ ڈھونڈے دھرتی نہ ملے گی، جہاں جائے گا ذلیل وخوار اور پریشان ہوگا، اور کوئی نہ ہوگا جو اس کو اس پریشانی اور ذلت سے بچا سکے، اندھیر ہے بیچارے غریب طلبہ اور ان کی چیزیں چوری کی جائیں، اللہ کے یہاں بھی دیر ہے اندھیر نہیں ہے، جب وقت آئے گا اور جس وقت پکڑ ہوگی کہیں پناہ کی جگہ نہ ملے گی، کیا طالب علم جس کے لئے فرشتے پر بچھاتے ہیں ایسا ہوتا ہے جو چوری کرتا ہو، جس کی زمانہ طالب علمی میں بری عادت پڑگئی، چوری کی عادت ہوگئی تو اب وہ جہاں بھی جائے گا چوری ہی

کرے گا، وہ مکہ مدینہ خانہ کعبہ میں بھی جائے گا وہاں بھی چوری کرے گا، وہ وہاں قرآن شریف اٹھائے گا تو اس کا چوری کرنے کو جی چاہے گا، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

حقوق العباد کا معاملہ بہت سنگین ہوتا ہے اس کو تو اللہ تعالیٰ بھی معاف نہ فرمائیں گے اگر کسی نے کسی کے دو پیسے لئے ہیں تو اس کی سات سو برس کی مقبول نمازیں اس کے بدلہ میں دیدی جائیں گی۔

ایسے چور کے لئے بددعا کرو اللہ اسے ہلاک اور ذلیل کرے

فرمایا آج کل چوری کرنے کا بہت رواج ہوگیا ہے، جہاں دیکھو چوری ہورہی ہے، مہمان آتے ہیں ان کے جوتے چپل کوئی لے لیتا ہے، قاری صاحب آئے تھے ان کا کسی نے لوٹا لے لیا، معلوم ہوتا ہے کوئی تاکے بیٹھا رہتا ہے، میں بہت تنگ آگیا ہوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں، مسلمانوں کو جو ستائے گا کیا وہ پریشان نہ ہوگا؟ کیا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا؟ چند کوڑیوں کے خاطر اپنی عاقبت خراب کررہے ہو؟ اپنی جنت کو ختم کررہے ہو؟ دوزخ کا ایندھن بن رہے ہو؟ اگر یہی سب کرنا ہے تو جاؤ کہیں اور مرو جا کر کیا مدرسہ ہی اس کے لئے رہ گیا ہے، کیا مدرسہ ہی چوری کرنے کی جگہ ہے، دنیا چند روز کی ہے ایسے شخص کو بہت جلد ہی ذلّت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا، میری بات لکھ لو ایسا شخص ابھی تو نہیں کچھ دنوں کے بعد ذلیل وخوار ہوگا، پولیس نہیں تو کوئی اور اس کے ہاتھ پیر توڑے گا، اس کے ہاتھ پیر ٹوٹ کر رہیں گے، اندھیر ہوگیا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں، آئے دن چوری ہورہی ہے، کسی کی چپل کسی کا جوتا، کسی کی گھڑی، کسی کا لوٹا، سب چوری ہوجاتا ہے، سب لوگ مل کر ایسے چوروں کے لئے آج بددعاء کرو، اللہ تعالیٰ انھیں ہاتھوں کو جس سے وہ چوری کرتا ہے ان ہاتھوں کو شل کردے، وہ معذور ہوجائے، اور یہیں سے ذلیل ہوکر نکلے، کل ہی ذلیل ہوجائے، پڑھو درود شریف اور سب لوگ بددعاء کرو، چنانچہ سب نے درود شریف پڑھا، پھر حضرت نے فرمایا اچھا آج رہنے دو ایک بار کی اور مہلت دے دو۔

ایک ٹارچ کی چوری کا قصہ اور حضرت کا ارشاد

مدرسہ کے ایک استاد فجر کی نماز کے وقت مسجد میں بیٹھے بیٹھے اونگھ رہے تھے، ان کے سامنے سے چپکے سے کسی نے ان کی نئی ٹارچ اٹھا کر غائب کردی، یا چوری کرلی، باوجود تلاش کے نہیں ملی، حضرت نے اس کا اعلان بھی فرمایا تب بھی نہیں ملی، دوسرے دن حضرت نے پھر بعد فجر اعلان فرمایا (مسجد ہی میں کھوئی ہوئی چیز کا مسجد میں تلاش کرنا اور اعلان کرنا جائز ہے) حضرت نے طلبہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ آخر اس پڑھنے پڑھانے سے کیا مقصود ہے، اگر اس کے مطابق عمل نہ ہو تو سب بیکار ہے، مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان وہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہ ہو، کسی کی کوئی چیز لے لینا یا چھپا دینا، چپل جوتا یا کوئی بھی چیز لے لینا سب ناجائز وحرام ہے، یہ ایذاء مسلم ہے، حقوق العباد کا معاملہ بہت سنگین ہے، دو پیسے کے بدلہ سات سو مقبول نمازیں دے دی جائیں گی، ایک تو سات سو مقبول نمازیں ہوں گی کس کے پاس؟ اس لئے جس کے پاس جس کی جو بھی چیز ہو کسی بہانے سے اس کو واپس کردے، عبداللہ بن مبارکؒ کے پاس کسی دوسرے کا ایک بانس کا قلم رہ گیا تھا میلوں پیدل چل کر اس کو واپس کرنے گئے تھے۔

ایسا شخص بہت جلد ذلیل ہوتا ہے

مدرسہ میں ایک مہمان آئے ہوئے تھے عشاء کی نماز میں مسجد سے ان کی کوئی قیمتی چپل لے گیا، حضرت والا کو اس کی فکر ہوئی، احقر سے فرمایا کہ ان کی چپل تلاش کرو، احقر نے تمام مواقع جہاں چپل اتاری جاتی ہیں خوب اچھی طرح دیکھا لیکن کہیں نہیں ملی، حضرت والا کو سخت پریشانی لاحق ہوئی اور ندامت بھی ہوئی، طلبہ کو جمع کرکے فرمایا چپل کون لے گیا ہے کیا طالب علم ایسے ہی ہوتے ہیں جو چوری کریں؟ جس کی ابھی سے یہ عادت پڑ گئی ہو آگے چل کر اس کی عادت خراب ہوتی ہی چلی جائے گی، ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جب کسی مدرسہ کے مدرس یا مہتمم بن جاتے ہیں تو جی بھر کر خیانت

کرتے ہیں، جب ایک دو روپئے میں نیت خراب ہوتی ہے تو وہاں تو ہزاروں کو ہضم کرنے کا موقع ملے گا، وہاں کون پوچھنے والا ہے، خرچ کریں گے دو روپئے تو لکھائیں گے دس روپئے، وہ تو لاکھوں پر ہاتھ مارے گا، خدا کا خوف تو دل میں ہے نہیں، دین ودیانت بھی نہیں، پھر ڈر کس بات کا، جو چاہا کیا، جتنا چاہا خرچ کیا کون پوچھنے والا، گویا خدا کو تو منہ دکھانا ہی نہیں، لیکن ایسا شخص بہت جلد ذلیل ہوتا ہے، وہ تو سمجھتا ہے کہ کون مجھے کوئی دیکھ رہا ہے، کسی کو میری حرکتوں کا علم نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر ہی کے رہتا ہے، اور جس کی عادت خراب ہو جاتی ہے پھر اس کی اصلاح بہت مشکل ہوتی ہے، وہ بڑا ہو جائے گا، پڑھ لکھ کر فارغ ہو جائے گا، کسی مدرسہ کا مدرس ہو جائے گا، مہتمم، ناظم، شیخ الحدیث بن جائے گا پھر بھی اس کی عادت نہ جائے گی۔

چوری کی عادت کیسے ہو جاتی ہے

ایک چور مولوی صاحب کا قصہ

سہارنپور میں ایک صاحب کی ایسی ہی عادت خراب ہوگئی تھی، جس کا سامان چاہا بغیر پوچھے لے لیا، معمولی سی چیز سمجھ کر اٹھالی، رفتہ رفتہ ان کی عادت خراب ہوگئی چوری کرنے لگے، بڑے ہونے اور مدرس ہونے کے بعد بھی ان کی یہ حرکت نہ گئی، پڑھاتے تھے لیکن چوری کرتے تھے، لیکن آخر کب تک پردہ پڑا رہتا، ایک مرتبہ سفر میں گئے ایک شخص کی اٹیچی پر ہاتھ مارا، تحقیق کے بعد جب معلوم ہوا تو پکڑے گئے اور بری طرح جوتوں سے خبر لی گئی، پھر تھانہ لے جائے گئے اور وہاں بھی ان کی خبر لی گئی بری گت بن گئی، اور بڑی بدنامی ہوئی، ایسے ذلیل ورسوا ہوئے کہ منہ دکھانے کے قابل نہ رہے، بالآخر جہاں رہتے اور پڑھاتے تھے وہاں واپس نہیں گئے کہ کیا منہ لے کر جائیں گے، وہیں سے پاکستان بھاگ گئے یہ حال ہوتا ہے ایسے لوگوں کا، اللہ بچائے ایسی عادت سے اور ایسی ذلت سے۔

ایک چور کی وجہ سے پوری جماعت بدنام ہوتی ہے

فرمایا مدرسہ میں چوری کرتا ہے ایک آدمی لیکن بدنام ہوتا ہے پورا مدرسہ نیز بدنام ہوتے ہیں ایسے لوگ بھی کہ اگر سونا چاندی بھی پڑا ہو تو وہ نگاہ اٹھا کر نہ دیکھیں، غلطی کرتا ہے ایک شخص لیکن پورا مدرسہ اور پوری جماعت بدنام ہوتی ہے، کیا ایسا شخص ذلیل و رسوا نہ ہوگا؟ ضرور ہوگا، یہ تو مدرسہ میں رہ کر بھی خیانت ہی کرتا ہے کیونکہ مدرسہ میں جو پیسہ آیا ہے وہ پڑھنے والے طلبہ کے لئے ہے اور یہ تو چور ہے، اس کو مدرسہ کا کھانا کھانا، مدرسہ کی کتابیں لینا، مدرسہ کے کمروں میں رہنا، مدرسہ کی چیزیں استعمال کرنا سب حرام ہے، کیا ایسا شخص جس نے اتنے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا ہو اللہ اس کو ذلیل نہ کرے گا؟ ضرور کرے گا، اگر کوئی شخص چپل غلطی سے لے گیا ہو تو اسی جگہ لا کر رکھ دے، غلطی انسان سے ہوتی ہے، غلطی ہوگئی کوئی بات نہیں، نفس اور شیطان نے بہکا دیا لیکن اب توبہ کر لے، اور چپل لا کر چپکے سے رکھ دے، ورنہ کتنی بڑی بدنامی کی بات ہے کہ دس روپئے کے خاطر اس نے پوری جماعت کو بدنام کیا، سب لوگ بد دعاء کرو اس کے لئے اگر وہ چپل لا کر نہ رکھے تو اللہ اسے سزا دے، اس کے وہ ہاتھ جس سے اس نے چپل اٹھائی ہے شل ہو جائیں، اس کو کوڑھ کا مرض ہو جائے، اور یہیں مدرسہ میں ہو جائے، ایسی حرکتیں کرتا ہے جس کی وجہ سے کتنی بدنامی اور کتنی پریشانی ہوئی، سب لوگ جا کر اپنے اپنے کمروں میں کہہ دینا۔

چوری کی جرأت وہی شخص کر سکتا ہے
جس کو خدا کا خوف اور یقین نہ ہو

علم سے مقصود تو عمل ہے علم واسطہ ہے اصل چیز تو عمل ہی ہے، علم تو ہم اس لئے پڑھتے ہیں تاکہ شیطان ہم کو غلط راستہ پر نہ لے جائے، قرآن و حدیث عربی میں ہے اس لئے اس کے سمجھنے کے لئے یہ علوم نحو صرف وغیرہ پڑھے جاتے ہیں ورنہ سب باتوں سے

مقصود عمل ہی عمل ہے، اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں، ایسے علم سے کیا فائدہ جس کے بعد عمل نہ ہو، اور تم لوگوں کا یہ عمل ہے کہ چوری کرتے ہو، چوری کی جرأت وہی شخص کرسکتا ہے جس کو خدا پر بھروسہ نہ ہو، خدا کو منھ دکھانے کا یقین نہ ہو، اگر خدا کا خوف ہو اس کا استحضار ہو تو گناہ ہو ہی نہیں سکتا، کیا تھانیدار کے سامنے بھی کوئی غلطی کرتا ہے، کیا سپاہی کے سامنے بھی کوئی جرم کرتا ہے؟ میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوں کیا تم میرے سامنے غلطی کروگے؟ اسی طرح جس کو خدا کے وجود اور اس کو منھ دکھانے اور جواب دینے کا یقین نہ ہو، اس کا ایمان کامل نہ ہوا ایسا ہی شخص چوری کرتا ہے، گویا وہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو نہیں جانتا ورنہ اگر اس کو یہ اعتقاد و استحضار ہوتا کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو ہرگز ایسی حرکت نہ کرتا، اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے "لَایَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَایَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ. (مشکوٰۃ شریف) یعنی زنا کار زنا کے وقت مومن نہیں رہتا، اور چوری کرنا والا جب چوری کرتا ہے اس وقت اس کے اندر ایمان نہیں رہتا، شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو اس وقت اس کے اندر ایمان نہیں رہتا، یہ سب حدیث شریف میں آیا ہے، اور یہ تو صرف چند معاصی گنائے گئے ہیں، ورنہ ہر گناہ کا یہی حال ہے کیونکہ گناہ نام ہے خدا کی نافرمانی کا اور نافرمانی ہر گناہ میں ہوتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کی صفت بصر کا استحضار ہو تو نافرمانی ہو ہی نہیں سکتی، اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے کہ بہت سے مومن ایسے ہوتے ہیں کہ اخیر میں وہ ایسے کام کر ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں بلکہ کفر پر ہوتا ہے، وہ اسی قسم کے اعمال ہیں کہ کرتے کرتے ان کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوتا، دس پیسے اور دس روپئے کے خاطر وہ ایمان کھو بیٹھتا ہے، کیا ایمان کی اتنی بھی قدر نہیں؟ ارے کتنی ہی قیمتی چیز ہو اور ساری دنیا بھر سے اچھی چیز ہو لیکن جس کی وجہ سے ہم کو ایمان سے ہاتھ دھونا پڑے اس کو لے کر ہم کیا کریں گے، انسان ان باتوں کو معمولی سمجھتا ہے حالانکہ اس کی نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ ایمان تک سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

مولانا مظفر حسین صاحبؒ کی حکایت

فرمایا حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ فجر سے پہلے سفر کیا کرتے تھے، ساتھ میں ایک گھٹری ہوتی تھی جس میں کپڑے وغیرہ ہوتے تھے اور ایک ڈنڈا ہوتا تھا، جھولے (بیگ) کا تو اس وقت رواج نہ تھا، بالکل سادگی تھی، یہ تو اب جھولے کا رواج ہوگیا ہے، اور اٹیچی تو ابھی کی ایجاد ہے، پہلے کہاں یہ سب چیزیں تھیں، صندوقچہ ہوتا تھا اسی میں سب سامان رکھ لیتے تھے، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب ایک مرتبہ اپنے معمول کے مطابق فجر سے پہلے چل دیئے گٹھری ساتھ تھی، کاندھلہ سے نانوتہ پیدل سفر کیا کرتے تھے، راستہ میں ایک گاؤں سے گذرے، اتفاق سے اس گاؤں میں رات میں چوری ہوگئی تھی، لوگ چور کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑے پھر رہے تھے، لوگوں نے حضرت مولانا کو دیکھا گٹھری لئے ہوئے ہیں سیدھے انھیں کو پکڑ لیا، مولانا نے فرمایا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں سے چور نکل کر بھاگے ہیں میں چور نہیں ہوں میں تو مسافر ہوں کاندھلہ سے آکر نانوتہ جارہا ہوں، لوگوں نے نہ مانا اور کہا چل دیکھ ابھی تجھے بتاتا ہوں، مولانا کو پکڑ کر گھسیٹتے لے جارہے تھے، جھنجھانہ وہاں سے قریب تھا اور وہیں تھا نہ تھا، لوگ سیدھے تھانہ میں پکڑ کر لے گئے، تھانے دار حضرت مولانا کو جانتا تھا اور مولانا کا معتقد تھا، وہ دور سے دیکھ کر گھبرا گیا کہ یہ کیا ماجرہ ہے، جب وہاں پہنچے تو تھانے دار نے ان سب لوگوں کو گرفتار کرنے کا آرڈر دے دیا کہ حضرت مولانا کے ساتھ یہ گستاخی؟ تھانیدار حضرت مولانا کو اچھی طرح پہچانتا تھا، اور دوسرے لوگ نام سے واقف تھے کہ کاندھلہ میں ایک بزرگ مظفر نامی ہیں لیکن شکل سے واقف نہ تھے یہ نہ جانتے تھے کہ یہ ہیں، اس لئے یہ حرکت کی، اور حضرت مولانا نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں فلاں ہوں، بلکہ اپنے آپ کو چھپایا، اور تھانے دار نے جب گرفتار کرنے کا حکم دیا تو حضرت نے فرمایا سن لیجئے تھانے دار صاحب ہماری اور آپ کی دوستی اسی وقت تک ہے جب تک آپ اِن کو کچھ نہ کہیں اور ان سب کو چھوڑ نہ دیں، ورنہ آج سے دوستی ختم،

تھانے دار نے کہا جب حضرت ہی منع فرمارہے ہیں تو میں کیا کروں ورنہ ایک ایک کو میں بتلاتا۔

مدرسہ سے ایک طالب علم کا اخراج

مدرسہ کا ایک طالب علم بڑا شریر تھا، گاؤں کے غلط قسم کے لڑکوں سے اس کے گندے تعلقات تھے اور بہت سی اس کی شکایتیں آچکی تھیں، اس کو بہت سمجھایا گیا، اصلاح کی کوشش کی گئی، لیکن اپنی حرکت سے باز نہ آتا تھا، گندے لڑکوں کے ساتھ رات میں ٹہلا کرتا تھا اور خطرہ تھا کہ پھر رات میں غلط لڑکوں کے ساتھ فرار ہوجائے، اس لئے حضرت نے اس کو ایک کمرہ میں علیحدہ بند کرادیا باہر سے تالا ڈال دیا اور دو معتبر لڑکے پہرہ دار کی طرح مقرر کردیئے، وقت پر کھانا دیا گیا، پیشاب پاخانہ سے فراغت نگرانی میں کرائی گئی، اور صبح کو ناشتہ کرا کر ایک مدرس کے ساتھ اس کے گھر اس کو روانہ کردیا، اور اس کے والدین کے پاس وجہ اخراج اور اس کے حالات کے متعلق ایک پرچہ تحریر فرمادیا۔

کتوں پر ظلم کرنے کے نتیجے میں طلبہ کے اخراج کی دھمکی

مدرسہ ہتورا دیہات میں واقع ہے کبھی مدرسہ کے احاطہ میں کتے بھی آجاتے ہیں، ایک مرتبہ لڑکوں نے ازراہ شرارت ایک کتے کو کمرہ کے اندر بند کرکے بہت مارا، مارتے مارتے اس کے پیر توڑ دیئے، حضرت کو اس کا علم ہوا، فجر بعد طلبہ سے مخاطب ہوکر فرمایا، تم لوگوں کو شرم نہیں معلوم ہوتی، اللہ کی مخلوق کو ستاتے ہو، ان کو مارتے اور پریشان کرتے ہو، کتوں کے پیر توڑ ڈالے، یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے، کوئی تمہارے ہاتھ پیر توڑ ڈالے تو تمہارا کیا حال ہو، کیا مدرسہ میں تم لوگ اسی لئے آئے ہو اور تمہارا یہی مشغلہ ہے؟ جن لڑکوں نے یہ حرکت کی ہے ان کی فہرست میرے پاس آجانا چاہئے ان کا کھانا بند اور ان طلبہ کا اخراج کردیا جائے گا۔

فصل

تصنیف تالیف کرنے والوں کے لئے ضروری ملفوظ

فرمایا اس وقت بخاری شریف کی کتاب الایمان و کتاب العلم کی شرح لکھ رہا ہوں خدا کرے پوری ہوجائے، مرنا تو ہر ایک کو ہے کس کو نہیں جانا لیکن جی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنا ضرور پورا کرادے، اب تک کتاب پوری ہوجاتی لیکن جہاں لکھنے بیٹھتا ہوں ذہن چلنے لگتا ہے تو کہیں تعویذ والے آجاتے ہیں اور کبھی سفر پیش آجاتا ہے، سفر میں اتنی سب کتابیں لے جانا بہت دشوار ہے ورنہ میں تو سفر میں بھی لکھتا رہتا، سلّم کی شرح میں نے سفر ہی میں اسٹیشنوں میں بیٹھ کر لکھی ہے۔

تھوڑی کتابیں ہوتی تھیں پھیلالیں اور بیٹھے بیٹھے لکھا کرتا تھا، اس وقت میری نگاہ بہت تیز تھی دور رکھی ہوئی کتاب بھی دیکھ لیتا تھا، لوگ تماشہ دیکھتے تھے کہ یہ کون ہے کیا کر رہا ہے کتابیں پھیلا رکھی ہیں کبھی یہ کتاب کبھی وہ کتاب اور میں برابر لکھتا رہتا تھا، لیکن بخاری شریف کی اتنی شروحات اور عربی اردو کی اتنی تقریریں ہیں کہاں لادے لادے پھروں، کام اتنا مشکل اور پھیلا ہوا ہے کہ پہلے ساری شروحات دیکھنا، ساتھ میں اردو تقریریں بھی دیکھنا پھر اس کا خلاصہ آسان زبان میں لکھنا کہ مختصر بھی ہو جامع بھی ہو آسان بھی ہو. بہت مشکل کام ہے خدا کرے یہ پوری ہوجائے تو بہت بڑا کام ہوجائے، بخاری پڑھنے والوں کا تو فائدہ ہوگا ہی ویسے بھی یہ ایک بہت مفید علمی کام ہے، کچھ دنوں کا اور موقع مل جائے تو انشاء اللہ آسانی سے پوری ہوجائے گی۔ (الحمد للہ کتاب پوری ہوگئی ''تسہیل الباری شرح بخاری'' کے نام سے طبع ہوچکی ہے)

حضرت مولانا عبد الحیؒ صاحب فرنگی محلیؒ کتابیں اس طرح لکھا کرتے تھے کہ ایک خادم بیٹھا رہتا تھا حکم دیا کہ فلاں کتاب اٹھا کر لاؤ وہ لے آیا وہ موقع اور مضمون تلاش

کر کے دے دیا حضرت مولانا اس کو دیکھ کر نقل کر دیتے تھے، آسان کام تھا، یہاں تو کتاب بھی خود ہی نکالو، تلاش بھی خود کرو اور پھر نقل بھی کرو اس لئے مشکل کام ہے اور مشغولی بڑھتی جارہی ہے، لیکن شاید اللہ تعالیٰ اسی مشغولی میں پوری فرمادے، ایک دن خوب موقع مل گیا تو فجر سے لے کر ظہر تک اور ظہر سے عصر تک اور پھر عصر سے مغرب اور مغرب سے عشاء تک برابر لکھتا رہا، اسی طرح اگر چند روز کا اور موقع مل جائے تو انشاء اللہ بہت جلد پوری ہو جائے گی، جب تک کام کی دھن نہیں ہوتی کام نہیں ہوتا۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک لکھنے والے کو مقرر کر لیجئے آپ بولتے جائیں وہ لکھتا جائے، حضرت نے فرمایا ہو نہیں پاتا، خود لکھنے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے بسا اوقات کتاب دیکھتے وقت ذہن میں ایک مضمون اور اس کو لکھنے کی خاص ترتیب ہوتی ہے کہ اس طرح لکھنا ہے لیکن جب لکھنے بیٹھو تو ذہن میں دوسری نئی باتیں آجاتی ہیں، ترتیب بھی دوسری آجاتی ہے املاء کرانے میں یہ بات نہیں ہوتی، اپنا اپنا مزاج ہے۔

مختصر المعانی اور شرح جامی سے مناسبت
مشکل مقامات کو لکھ لینے کی اہمیت

حضرت اقدسؒ مختصر المعانی اور شرح جامی کا برسہا برس سے درس دے رہے ہیں، یہ کتابیں حضرت کی بہت از بر ہو گئی ہیں اور نحو و بلاغت کی مشکل سے مشکل بحث کو حضرت ایسے انداز سے سمجھاتے ہیں کہ ادنیٰ درجہ کا غبی طالب علم بھی بہت آسانی سے سمجھ لیتا ہے، حضرت نے فرمایا کیا بتاؤں شروع میں چوک ہو گئی مشکل مقامات کو حل کر کے لکھ لیتا تو بہت اچھا رہتا بعد والوں کے لئے آسانی رہتی، محنت تو بہت کی لیکن نہ لکھنے کی وجہ سے دوسروں کو فائدہ نہ ہو سکا۔

مختصر المعانی کا حاشیہ بھی بہت عمدہ ہے لیکن بسا اوقات اس سے بھی کتاب حل نہیں ہوتی اور اردو شرح والوں نے تو ایسا ناس کیا ہے کہ کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کیا کہنا

چاہتے ہیں، ادھر ادھر کی ہانکتے ہیں کہ فلاں نے یہ لکھا ہے فلاں نے یہ لکھا ہے لیکن نفس مسئلہ کو سمجھا دیں، اصل عبارت کو حل کر دیں یہ کام نہیں کیا، جہاں کہیں مشکل مقام آتا ہے اس کو گول ہی کر جاتے ہیں، خدا کا شکر ہے مجھے تو اردو شروحات کی ضرورت نہیں پڑی، دسوقی مختصر کی بہت اچھی شرح ہے میں نے اس کا بہت مطالعہ کیا ہے، احقر سے فرمایا واقعی اگر مشکل مقامات کی تقریر پہلے لکھ لیتا تو اچھا رہتا، کتابوں میں تو سب موجود ہے لیکن تلاش کرنا اور آسان تعبیر سے اس کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے۔

افسوس کہ اتنی اہم کتابیں بڑے اداروں سے بھی نصاب سے نکال دی گئیں اس لئے ان کتابوں کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹتی جارہی ہے اس لئے اب ان کتابوں میں زیادہ محنت کرنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں حالانکہ استعداد تو واقعی انھیں کتابوں سے بنتی ہے، لیکن آج کل استعداد کا فقدان ہے، اس کے مباحث دقیق اور مشکل ہیں، اس کا حل یہ نکالا کہ کتاب ہی نصاب سے ہٹا دی جائے، سمجھ میں نہیں آتا آگے کیا ہوگا علم کا فقدان ہے، پڑھانے والے حضرات محنت نہیں کرتے صرف ترجمہ کر دیتے ہیں نام ہی نام رہ گیا ہے الا ماشاء اللہ، آج جو ہو رہا ہے وہ بھی غنیمت ہے ورنہ ابھی تو وہ زمانہ آئے گا کہ اردو کی کتاب سمجھانے والا کوئی نہ ملے گا، جو ہو رہا ہے یہی غنیمت ہے۔

دورہ حدیث کی وجہ سے تعلیمی معیار نہیں گرنا چاہئے

فرمایا دورہ حدیث کی وجہ سے تعلیمی معیار نہیں گرنا چاہئے، میری رائے تو بالکل نہیں تھی کہ یہاں دورہ حدیث ہو لیکن حالات ہی ایسے بن گئے بڑوں کی رائے ہوئی کہ دورہ شروع کر دیا جائے لیکن اس کی وجہ سے تعلیمی معیار نہیں گرنا چاہئے، مجھ سے بہت لوگوں نے کہا کہ کچھ کتابیں آپ کم کر دیجئے، مختصر اور شرح جامی دوسرا کوئی پڑھا دیا کرے، دورہ کی وجہ سے کافی بوجھ بڑھ جائے گا میں نے کہا کہ دورہ کی وجہ سے میں تعلیمی معیار نہیں گھٹانا چاہتا، مختصر اور شرح جامی میں اول تو کوئی اتنی محنت نہ کر سکے گا، خالی ترجمہ کر کے کتاب کا ناس مارے گا اور میں پچیسوں سال سے پڑھا رہا ہوں، دسوقی

وغیرہ سب چاٹے پڑا ہوں اتنے سالوں کے بعد اب اس قابل ہوا ہوں اور اسی کو چھوڑ دوں البتہ اگر کوئی ذی استعداد اچھا پڑھانے والا مل جائے تو دوسری بات ہے۔

دورہ حدیث شریف سے متعلق ضروری اصلاحات

فرمایا تعلیمی معیار تو گرتا ہی جا رہا ہے لیکن سب سے زیادہ دورہ حدیث کا ناس کیا ہے، صرف چند مسائل اور بحثیں ہیں ان میں لمبی چوڑی تقریر کر دی جاتی ہے، اور اسی کو مقصود اور کافی بلکہ بڑا اکمال سمجھا جاتا ہے، جو زیادہ لمبی چوڑیں تقریر کر دے وہ بڑا اچھا پڑھانے والا سمجھا جاتا ہے۔

مجھے افسوس ہوا کہ بعض مدرسوں میں دورہ حدیث شریف کی کتابوں میں بھی کتر بیونت کر دی گئی ہے موطا امام مالکؒ، موطا محمد، کا صرف ایک ایک باب مقرر کیا ہے نسائی شریف صرف چالیس صفحات مسلم شریف جلد اول کے صرف چند ابواب گویا بس نام کے لئے پڑھانا ہے، سب ہی کچھ تو حذف کر دیا، نسائی شریف اتنی اہم کتاب ہے بہت سی احادیث ایسی ہیں جو صرف نسائی میں ہی ملتی ہیں کسی کتاب میں نہیں ملتیں اس کے صرف چالیس صفحات رکھے ارے کبھی کوئی مجبوری ہو جائے تو دوسری بات ہے لیکن پہلے ہی سے طے کر دیا جائے کہ نصاب ہی اتنا ہے بڑے افسوس کی بات ہے، علم اٹھتا جا رہا ہے، ذی قعدہ کی ۲۸ ر تاریخ ہو چکی ہے اور ابھی بعض مدرسوں میں کتاب کے خطبہ ہی میں تقریر چل رہی ہے ابھی کتاب کا خطبہ ہی نہیں ختم ہوا، کوئی پوچھے ان سے کہ اس میں طلبہ کا کیا فائدہ اور کس کو وہ تقریریں یاد رہتی ہیں غور سے طلبہ سنتے بھی تو نہیں کوئی ادھر تک رہا ہے کوئی ادھر تک رہا ہے کوئی سو رہا ہے اور تقریر جاری ہے، اور اگر واقعی کوئی ضروری بحث ہو اہم مضمون ہو تو تقریر کے بجائے لکھا دینا چاہئے اس میں زیادہ فائدہ ہوگا گو مقدار کم ہوگی، لیکن وہ چیز طلباء کے کام کی تو ہوگی، ایک محفوظ ذخیرہ ہوگا، اور اس طرح جو باتیں کان میں پڑیں گی وہ محفوظ رہیں گی اسی لئے میں نے بھی شروع میں کچھ باتیں لکھائی ہیں۔

مدارس میں تعلیمی انحطاط اور اہل شوریٰ کی ذمہ داری

فرمایا تعلیمی معیار تو گرتا ہی جا رہا ہے اور سب سے زیادہ خرابی دورہ حدیث میں ہو رہی ہے جس کے سمجھ میں جس طرح آتا ہے پڑھاتا ہے، میں تو کہا کرتا ہوں کہ ذمہ داران مدرسہ اور اہل شوریٰ کو اس پر بھی نکیر کرنا چاہئے، اس پر نکیر کیوں نہیں کی جاتی، شوریٰ والے جس طرح اور چیزوں کی دیکھ ریکھ کرتے ہیں اس میں بھی غور کریں جہاں کمی ہو اس پر روک ٹوک کریں، نظام درست کریں یہ سب کام بھی تو ضروری ہے۔

ممبران شوریٰ کو کرایہ لینے کے متعلق حضرت کا ذوق

بعض ممبران شوریٰ کے متعلق فرمایا کہ اہل شوریٰ کا بھی عجیب حال ہے سفر کسی درجہ میں کیا ہو لیکن کرایہ لیں گے فرسٹ کلاس کا، رفیق سفر کا کرایہ الگ، سفر خرچ الگ، چائے پان تک کے پیسے وصول کرتے ہیں، کتنی شرم کی بات ہے، دارالعلوم دیوبند میں جب شوریٰ ہوئی تھی میں بھی گیا تھا میرے پاس ملازم آیا اور کاغذ دیا کہ اپنا اور اپنے خادم رفیق سفر کا خرچ لکھ دیجئے میں نے کہا دارالعلوم ہمارا ادارہ ہے ہمارے اکابر نے اس کو قائم کیا ہے، دینی مرکز ہے کیا ہمارے اوپر اس کا اتنا بھی حق نہیں کہ اپنے کرایہ سے سال میں ایک دوبار اس کے کام آسکیں، ارے اور کچھ نہیں کرتے، چندہ نہیں دیتے کم از کم اتنا ہی کرلیں کہ خود حاضر ہو جایا کریں، ادارہ کے ہم پر کتنے احسانات ہیں، مجبوری ہو، تنگی ہو، گنجائش نہ ہو تو دوسری بات ہے۔

میں ناجائز تو نہیں کہتا ہر شخص کے حالات ہوتے ہیں لیکن الحمدللہ میں جہاں کہیں شوریٰ میں جاتا ہوں، فتح پور، گونڈہ سب جگہ اپنے ہی کرایہ سے جاتا ہوں دارالعلوم دیوبند بھی اپنے کرایہ سے گیا، وہ ملازم میرے پاس بار بار کاغذ لے کر آیا میں نے معذرت کر دی اور کہہ دیا کہ تم کو معلوم ہے کہ میں کرایہ نہیں لیا کرتا پھر کیوں میرے پاس آتے ہو، پھر نہیں آیا۔

جامعہ عربیہ ہتورا سے فارغین کا لقب

فرمایا آج کل لوگ پڑھتے کہیں اور ہیں اور ایک سال میں جا کر قاسمی مظاہری بن جاتے ہیں، دار العلوم دیوبند کے فارغین قاسمی اور مظاہر علوم سہارنپور کے فارغین مظاہری ہوتے ہیں، یہاں کے فارغین کو کیا کہا جائے، پھر مسکرا کر خود ہی فرمایا کہ للّٰہی (اللہ والا) کہا جائے،

واقعی حضرت کے خلوص وللّٰہیت کی برکت کے اعتبار سے یہ لقب مناسب موزوں معلوم ہوتا ہے، لیکن حضرت نے کوئی قطعی رائے نہیں دی بلکہ بر سبیل تذکرہ ایک بات فرما دی، واللہ اعلم۔

تقریر وتحریر اور بڑوں سے گفتگو میں تصنع وتکلف سے احتراز

حضرت اقدسؒ کے ایک شاگرد نے اپنے علاقہ میں ایک دیہات میں مدرسہ کھولا تھا، اور اسی مناسبت سے جلسہ کرنا چاہتے تھے، جس میں حضرت کو بلانا چاہتے تھے اس غرض کے لئے پہلے تو انہوں نے خط لکھا جس میں بڑے پر تکلف جملوں سے اصرار کیا اور لکھا کہ حضرت پہلی بار میں آپ کو آواز دے رہا ہوں محروم نہ فرمایئے گا، بعد میں وہ صاحب خود بھی تشریف لائے حضرت نے فرمایا یہ کون سے لکھنے کا انداز ہے؟ ہمیشہ سادے الفاظ استعمال کرنا چاہیئے تصنع وتکلف سے بچنا چاہیئے، میں ادب اور مضمون نگاری کو منع نہیں کرتا لکھنے کی مشق کرنا چاہیئے، مضمون نگاری بھی سیکھو، یہ بھی ضروری ہے لیکن تصنع وتکلف سے احتراز کرو، دل کی حالت بدلو، سب کچھ زبان دانی ہی سے نہیں ہوتا۔

ایک بزرگ شیخ حمید الدین گذرے ہیں ان پڑھ تھے لیکن بڑے بڑے علماء ان کے پاس جا کر استفادہ کرتے تھے، اصل چیز تعلق مع اللہ ہے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

سفر میں بھی کتابوں کا احترام

فرمایا جب میں سفر میں جاتا ہوں اور کوئی دینی کتاب جھولے (تھیلے) میں رکھی

ہوئی ہوتی ہے اور بھیڑ کی وجہ سے تھیلا کبھی سیٹ کے نیچے رکھنا پڑتا ہے اور سیٹ کے اوپر بیٹھنا ہوتا ہے تو ضرورت اور حاجت کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے، لیکن پھر بھی طبیعت گوارہ نہیں کرتی، اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ کتاب نیچے ہو اور ہم اوپر سیٹ پر بیٹھے ہوں اس لئے تھوڑی دیر تو میری کتاب جھولے میں رہتی ہے اور جب اطمینان سے بیٹھ جاتا ہوں تو کتاب نکال کر رومال میں لپیٹ کر اسے اوپر رکھ لیتا ہوں۔

حضرت اقدسؒ الاشباہ والنظائر کا درس دے رہے تھے جس میں ایک عبارت آئی

"اذا توسد الکتاب فان قصد الحفظ لایکرہ والایکرہ"، (الاشباہ بحوالہ تاتارخانیہ ص ۵۵)

اگر حفاظت کی غرض سے کتاب پر ٹیک لگالے تو گنجائش ہے مکروہ بھی نہیں ورنہ مکروہ ہے، حضرت نے فرمایا اگرچہ گنجائش ہے لیکن دل میں کھٹک سی معلوم ہوتی ہے، **والاثم ماحاک فی صدرک.**

کتاب میں تصویر دار کاغذ رکھنے کی ممانعت

حضرت اقدسؒ نے تفسیر کی کتاب جلالین شریف کا درس دینا شروع کیا، طالب علم نے کتاب حضرت کے سامنے پیش کی اس میں سبق کے مقام پر بطور نشان کے ایک پوسٹ کارڈ رکھا ہوا تھا جس میں تصویر بنی تھی حضرت نے دیکھ کر فرمایا واہ صاحب کیا کہنے، کتنے تعجب کی بات ہے تفسیر کی کتاب اور اس میں تصویر دار کاغذ، کتاب اللہ کی تصویر؟ تصویر دار کاغذ اس میں ہونا ہی نہیں چاہئے، اسی طرح کتابوں کی جلد پر جو اخبار چڑھایا جاتا ہے اس میں بھی اس کا لحاظ رکھنا چاہئے، اگر ایسا اخبار چڑھا ہوا ہے تو اس کی تصویر کو قلم سے مٹا دینا چاہئے، حضرت کا معمول ہے کہ اگر کتاب میں نشان کے لئے پوسٹ کارڈ رکھا ہوتا ہے تو تصویر کا حصہ پھاڑ دیتے ہیں، اور عموماً سادہ چھوٹا کاغذ رکھتے ہیں، تصویر دار کاغذ ہرگز نہیں رکھتے۔

اسی طرح آج کل جو دستور ہے کہ اخبار بچھا کر کوئی کھانے والی چیز اس پر رکھ کر کھاتے ہیں گویا اس کو دسترخوان کے قائم مقام سمجھتے ہیں حضرت اس سے بھی بہت احتراز فرماتے ہیں۔

ایثار سے کام لو ثواب ملے گا

جلالین شریف کا سبق شروع ہوا، ایک ساتھ تقریباً دس لڑکوں نے عبارت شروع کردی، ہر لڑکا عبارت پڑھنا چاہتا تھا، حضرت نے فرمایا ارے خاموش رہو، اس میں بھی ایثار سے کام لو، ایثار کرنا سیکھو ثواب ملے گا۔

حکومت کی ماتحتی میں مدرسہ چلانے کا نقصان

حضرت کی خدمت میں کچھ لوگ ایک مدرسہ اسلامیہ کی بابت مشورہ کی غرض سے حاضر ہوئے، مدرسہ اسلامیہ کے منتظم صاحب جنہوں نے مدرسہ قائم کیا اور دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا معقول نظم کر رکھا تھا اور بورڈ سے لاحق کر کے سرکار سے کافی امداد لے کر مدرسہ کو کافی ترقی بھی دی تھی، مدرسہ اسلامیہ کے اساتذہ کی تنخواہیں سرکاری بورڈ سے ہی ملتی تھیں، اساتذہ میں بعض حضرت کے تلامذہ میں سے تھے اور حضرت اقدس گویا اس مدرسہ کے سرپرست تھے موجودہ منتظم صاحب اس کی کوشش کر رہے تھے کہ اسکول کی مانتاہائی اسکول تک کرادی جائے (جس کے بعد ادارہ حکومت کی ماتحتی میں ہو جاتا ہے) جب کہ ابھی صورت حال یہ ہے کہ ادارہ تو دینی اور مدرسہ اسلامیہ کے نام سے ہے تعلیم بھی دینی ہوتی ہے لیکن دنیاوی تعلیم کے ساتھ البتہ سرکار سے امداد (تنخواہیں) آتی ہے، ہم جب چاہیں اس امداد کو بند کر کے سرکار سے رشتہ منقطع کر سکتے ہیں، موجودہ حالت میں مدرسہ کی کافی عمارت ہو گئی ہے، دارالاقامہ ہے، درجہ حفظ کی عمارت اور اس کا مستقل شعبہ ہے اور مدرسہ کے لئے حدود مدرسہ میں مسجد کی تعمیر کی بحث چل رہی ہے اور اسی سلسلہ میں حضرت کے سامنے مشورہ ہونا تھا۔

موجودہ منتظم صاحب حدود مدرسہ میں مسجد کے لئے قطعی راضی نہ تھے بلکہ ان کا خیال تھا کہ اسکول کی مانتاہائی اسکول تک کرادی جائے، اور اس کے لئے پوری تفصیل حکومت کو لکھ کر دینا پڑتی ہے کہ اسکول کی اتنی عمارت ہے اتنے کمرے ہیں، سائنس روم ہے ہال ہے اس کا معائنہ ہوتا ہے ان کا خیال تھا کہ مسجد کی تعمیر دکھلانے سے ہائی

اسکول کی مانتا رک جائے گی کیونکہ اس کی حیثیت کالج کی نہیں مدرسہ کی سمجھی جائے گی، حالانکہ یہ اسکول دراصل مدرسہ اسلامیہ ہے دنیا کے ساتھ دینی تعلیم کا فروغ اس کا اصل مقصد ہے، موجودہ صورت حال میں مسجد بننے کے سلسلہ میں منتظم صاحب کی رائے کے مطابق ترقی رک سکتی ہے، سارے حالات جب حضرت کے سامنے رکھے گئے مختلف لوگوں نے مختلف باتیں کہیں حضرت اقدس نے مشورہ دیتے ہوئے فرمایا۔

''ایسی مانتا کو لے کر ہم کیا کریں جس میں ہم مسجد بھی تعمیر نہ کرسکیں جب ابھی یہ حال ہے کہ اس کی مانتا لینے کے سلسلہ میں مسجد کا ہونا رکاوٹ بن سکتا ہے تو مانتا ہوجانے کے بعد تو پتہ نہیں کیا ہو، مدرسہ کے لئے مسجد بہت ضروری ہے ہائی اسکول رہے یا نہ رہے لیکن مدرسہ میں مسجد ہونا ضروری ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ایسی جگہ پہلے مسجد بعد میں مدرسہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سب سے پہلے مسجد تعمیر کرائی، صفّہ اور اصحاب صفہ کا وجود تو بعد میں ہوا (جس کی حیثیت مدرسہ کی تھی) مسجد پہلے بنی۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ منتظم صاحب تو پوری تفصیل عمارت کے نقشے کے ساتھ لکھ کر دے چکے بلکہ دکھلا چکے ہیں، دینیات کا شعبہ یعنی حفظ وغیرہ کا شعبہ بالکل الگ چھوڑ دیا ہے اس کو اس میں نہیں لیا ہے حکومت اس میں دخل نہیں دے گی اگر چہ دونوں کی عمارت ساتھ ہی ہے، حضرت اقدسؒ نے ایک بہت بڑے خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہندی انگریزی عصری تعلیم ثانوی درجہ میں ہوتی ہے اصل تعلیم دینی ہی ہوتی ہے دنیوی تعلیم اس کے تابع ہوتی ہے، دونوں کے شعبے بھی الگ الگ کردیئے جاتے ہیں، لیکن ہوتا یہ ہے کہ چونکہ عموماً لوگوں کا رجحان دنیوی تعلیم کی طرف زیادہ ہوتا ہے اس لئے غالب وہی آجاتی ہے بلکہ رفتہ رفتہ دینی تعلیم برائے نام بلکہ ختم ہی ہوجاتی ہے ہمارے سامنے اس کی نظیریں موجود ہیں۔

منتظم صاحب آج موجود ہیں ان میں دینی جذبہ ہے وہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم دینا چاہتے ہیں مان لیجئے کل منتظم صاحب نہ رہے اور بجائے منتظم صاحب کے

کوئی دوسرا آیا، حکومت کا کوئی آدمی آیا وہ آتے ہی ستیاناس کردے گا، اور ایک ایک چیز پر قبضہ کرکے دینی چیزوں کو نکال باہر کرے گا، میرے سامنے ایک دو نہیں کئی واقعات ہیں۔

مدرسہ اسلامیہ فتح پور کا حال

ابھی کل ہی کی تو بات ہے میں مدرسہ اسلامیہ فتحپور کی کمیٹی میں گیا ہوا تھا، وہاں بھی یہی صورت حال پیش آئی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک برابر جھگڑا رہتا ہے، شروع شروع میں مولانا ظہور الحسنؒ صاحب نے بڑی نیک نیتی اور اخلاص سے مدرسہ اسلامیہ میں انگریزی تعلیم باقاعدہ شروع کردی، حالانکہ اس مدرسہ میں اصل تعلیم دینی ہی تعلیم تھی انگریزی تو بعد میں مصلحتاً شروع کردی گئی، حکومت سے مانتا بھی مل گئی، ہائی اسکول تک کی منظوری ہوگئی، لیکن رفتہ رفتہ نوبت یہ آگئی کہ پورے اسکول میں انگریزی تعلیم کا غلبہ ہوگیا دینی تعلیم برائے نام رہ گئی، پورے طور پر انہیں کا دخل ہوگیا، مدرسہ کالج بن گیا، مدرسہ کے دینی طلبہ کو ان لوگوں نے دور ایک طرف کونہ میں جگہ دے دی، یہ وہ مدرسہ ہے جس میں مولانا ابرار الحق صاحبؒ پڑھاتے تھے، میں بھی اسی میں پڑھاتا تھا، ہمارے زمانہ تک یہی صورت حال رہی کہ مدرسہ ایک کونہ میں دور کردیا گیا اور باقی عمارت کو کالج بنادیا گیا اور اب تو وہ پورا کالج بن گیا، پیچھا چھڑانا مشکل ہوگیا، حالانکہ واقعۃً وہاں مدرسہ و مسجد سب موجود ہے پوری عمارت و زمین مدرسہ ہی کی ہے، اب اگر ان سے کہا جاتا ہے کہ مدرسہ خالی کردو تو نہیں کرتے ان کو ان کے مطلب کے لئے علیحدہ کافی زمین دی جارہی ہے تب بھی نہیں مانتے، ابھی کل کی بات ہے کہ مسجد کا صحن بڑھانے کے لئے صرف ایک دو بالشت زمین کی ضرورت ہے اس میں جھگڑا ہو رہا ہے، وہ دینے کو تیار نہیں، کتنے افسوس کی بات ہے رونے کا مقام ہے، سب کچھ مدرسہ کا مدرسہ ہمارا، زمین ہماری اور وہ ہم کو نہیں مل رہی ایسی ترقی اور مانتا کو لے کر ہم کیا کریں، مولانا ظہور الحسن صاحبؒ نے جو کچھ کیا واقعی بڑی نیک نیتی و اخلاص سے خیر خواہی کے جذبہ سے کیا لیکن اس کا انجام کیا ہوا دیکھ لو، یہی خطرہ مجھے یہاں بھی ہو رہا ہے منتظم صاحب آج موجود ہیں ان کے بعد ان کی جگہ کوئی دوسرا آیا تو پھر کیا ہوگا۔

فیض عام کانپور کا حال

کانپور میں مدرسہ فیض عام کا بھی یہی حال ہوا شروع میں تو یہ ایک خاص دینی ادارہ تھا، حضرت تھانویؒ جیسے لوگ اس میں پڑھاتے تھے، بعد میں اس میں انگریزی اور عصری علوم داخل کردیئے گئے رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی جو آج آپ کے سامنے ہے، اب تو فیض عام دینی مدرسہ نہیں انٹر کالج ہے، وہاں کوئی قاعدہ بغدادی اور ناظرہ پڑھانے والا نہیں، حالانکہ شروع میں صرف دینی تعلیم ہوتی تھی اور حضرت تھانویؒ جیسے لوگ اس میں درس دیتے تھے، جب کچھ حالات میں تبدیلی آئی حضرت تھانویؒ نے استعفیٰ دے دیا، اور وطن جانے لگے کانپور کے حاجی عبدالرزاق وغیرہ حضرات نے حضرت تھانویؒ کو روک لیا اور جامع العلوم (پٹکاپور) کی بنیاد ڈالی اور حضرت تھانویؒ نے (تقریباً ۱۴؍) سال تک اسی مدرسہ میں کام کیا۔

سرکاری بورڈ سے ملی ہوئی امداد کی حیثیت

بحث کے درمیان شرکاءِ مشورہ میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ مدرسہ کی عمارت جو بھی بنی ہے وہ تو سب سرکاری پیسے سے بنی ہے۔ زمین اگرچہ مدرسہ کی ہے لیکن عمارت چونکہ حکومت کی امداد سے بنی ہے اس لئے یہ عمارت بھی اسی کی ہوگی، مسجد کا مسئلہ تو بعد کا ہے پہلے یہ طے کیا جائے کہ یہ عمارت کس کی ہے کیونکہ آج نہیں تو کل یہ مسئلہ کھڑا ہوگا حضرت نے فرمایا کہ تحقیق کرلی جائے، ایک صاحب بولے کہ یہ تو یقینی بات ہے کہ اس عمارت میں وہی رقم لگی ہے جو حکومت سے ملی ہے۔

حضرت نے فرمایا سرکار جو مدد دیتی ہے وہ مدرسہ اسلامیہ ہی کے لئے دیتی ہے اور مدرسہ اسلامیہ یہی دینی مدرسہ ہے سب ایک ہی ہے دو نہیں لہٰذا یہ پیسہ بھی عربی مدرسہ ہی کے لئے ہوگا، البتہ اب ماتحت ہوجانے کے بعد ضرور خطرہ ہوگا کہ پورا ادارہ اور اس کی عمارت سب حکومت کی ماتحتی میں ہوجائے، وہ لوگ تو کاغذ میں لکھاتے ہی اسی

غرض سے ہیں کہ پورا ادارہ ان کے ہاتھ آجائے، لیکن ابھی اس کی موجودہ عمارت جس میں حکومت نے امداد کی ہے وہ سب مدرسہ ہی کی ہے۔

الغرض حضرت اقدسؒ کی قطعی منشا نہ تھی کہ اسکول میں ہائی اسکول تک کی مانتا کرالی جائے یا دینی مدرسہ کو خالص اسکول اور کالج میں تبدیل کردیا جائے، حضرت اس کو خالص دینی مدرسہ ہی رکھنا چاہتے تھے، جس میں دنیوی تعلیم بھی ساتھ ساتھ ہو لیکن ضمناً وتبعاً اور اصل دینی مدرسہ اور دینی تعلیم ہی ہو۔

دینی مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم کا طریقہ

زیر غور حالات میں حضرت اقدسؒ نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ دینی تعلیم کے ساتھ یہ سلسلہ (یعنی حکومت کی دخل اندازی اور اس سے مانتا لینے کا سلسلہ) ہونا ہی نہیں چاہئے ورنہ کل رونا پڑے گا اور سب کچھ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا، بعد میں حکومت کا کوئی دوسرا افسر آئے گا وہ بڑا سخت مزاج ہوگا تعصب برتے گا سارے اختیارات اور کاغذات اس کے قبضہ میں ہوں گے ایک ایک کو نکال کر باہر کرے گا، مدرسہ کا نام ونشان مٹ جائے گا، مدرسہ کالج بن جائے گا، ہم ایسا موقع ہی کیوں آنے دیں، اور اگر کسی کو کرنا ہی ہے اور حکومت سے مانتا لینی ہی ہے تو اس کی یہ صورت تو ٹھیک نہیں کہ دونوں مشترک ہوں بلکہ دونوں کو بالکل علیحدہ کردو، دونوں کی عمارت بھی بالکل علیحدہ ہو ادھر کے لڑکے ادھر اور ادھر کے لڑکے ادھر نہ آجاسکیں، درمیان میں دیوار حائل کردی جائے مدرسہ میں داخل ہونے کے لئے دونوں کا گیٹ بھی علیحدہ علیحدہ ہو، الغرض کسی قسم کا تعلق اور کسی نوع کی شرکت دونوں کے درمیان نہ ہو اس طرح حکومت کی مانتا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، ورنہ مخلوط انگریزی تعلیم کا دینی مدارس میں بہت خراب اثر پڑتا ہے، اور اگر مدرسہ میں انگریزی تعلیم کرنا ہی ہے تو اس کو تابع کر کے رکھنا چاہئے اس طرح کہ ایک گھنٹہ اور ایک سبق اس کا بھی ہو جیسا کہ ندوہ وغیرہ میں ہے، خالص انگریزی کورس نہ ہو، جیسا کہ اسکولوں اور کالجوں میں ہوتا ہے۔

بدعتیوں کے مدرسہ کی تعلیم

فرمایا ایک بدعتی مولوی صاحب یہاں آئے تھے، درجوں میں اسباق میں بھی بیٹھے اور بہت غور سے سبق سنا، تعجب سے دیکھتے رہے کہ اتنی تحقیق سے یہاں پڑھائی ہوتی ہے، ہر ہر لفظ کا پورا ترجمہ اور پھر مطلب بیان کیا جاتا ہے، ضمیر کے مرجع کو ظاہر کیا جاتا ہے، وہ صاحب کہنے لگے کہ کیا یہاں ایسے ہی پڑھائی ہوتی ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، کہنے لگے ہمارے مدرسوں میں تو ایسی نہیں ہوتی، بس ترجمہ بھی ایسا ہی کرادیا جاتا ہے، ضمیر کے مرجع کے بارے میں کبھی بات سامنے آئی، استاد شاگرد کی رائے میں اختلاف ہوا، استاد نے ترجمہ کیا شاگرد نے کہا کہ ضمیر کا مرجع یہ نہیں یہ معلوم ہوتا ہے، استاد فرماتے ہیں کہ ایسا ہی ہوگا، دوسرے طالب علم نے کہا کہ ایسا نہیں یہ معلوم ہوتا ہے تو استاد صاحب فرماتے ہیں کہ ایسا ہی مان لو یہی صحیح ہوگا، الغرض ضمیر کے مرجع کے بارے میں کوئی بات طے نہیں ہو پاتی، طلبہ کی شوریٰ ہوتی ہے طلبہ کی اکثریت جس کو کہہ دے وہی ضمیر کا مرجع ہوتی ہے، اور استاد صاحب اسی کی تصدیق کردیتے ہیں کہ ہاں یہی صحیح ہے، حضرت نے فرمایا اس انداز سے تو ان کے یہاں تعلیم ہوتی ہے، ارے تعلیم کیا ہوتی ہے وہاں تو صرف تقریر کرنا تقریروں میں گالی بکنا سکھایا جاتا ہے۔

طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تو ضروری تعلیم حاصل کرکے تعلیم بند کردیجئے کچھ کام کیجئے

ایک طالب علم حضرت کے مدرسہ میں پڑھتے تھے، آب وہوا کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے اکثر بیمار رہتے تھے، انہوں نے حضرت سے مشورہ کیا، حضرت نے فرمایا جب تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی مستقل بیمار رہتے ہو تو تعلیم چھوڑ دو، بس ضروری تعلیم حاصل کرلو، تجوید پڑھ لو تاکہ قرآن پاک صحیح ہوجائے، مسئلے مسائل کی ضروری کتابیں پڑھ لو اور علاقہ میں جاکر کام کرو، طالب علم نے عرض کیا کہ تجوید تو پڑھ چکا ہوں، حضرت

نے فرمایا اچھا ابھی تو گھر جاؤ صحت ہو جائے تو پھر یہیں آ کر پڑھنا، ورنہ وہیں کسی جگہ پڑھ پڑھا لینا، اتنا پڑھ لیا کافی ہے کسی مدرسہ میں پڑھانا شروع کردو۔

ایک خطرہ کی بات

ایک مدرسہ کا اور مدرسہ کے ایک بڑے جید عالم کا تذکرہ کسی ضرورت سے آ گیا درمیان گفتگو حضرت نے ان کی صلاحیت کی بڑی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ بس ذرا اس بات کا لگتا ہے کہ یہ لوگ علاقائی اور صوبائی بنیاد پر بہت جلدی پارٹی بنا کر فتنہ کھڑا کردیتے ہیں، کئی جگہ اس کا بہت تلخ تجربہ ہو چکا ہے، بس اسی کا خطرہ لگتا ہے ارے سب مسلمان بھائی بھائی ہیں علاقہ کی بناء پر تفریق کیسی۔

وعظ ونصیحت کی باتیں ہمیشہ کرتے رہنا چاہیئے

فرمایا جب بھوک لگتی ہے کھانا ہمیشہ کھایا جاتا ہے، پیاس لگتی ہے تو ہمیشہ پانی پیا جاتا ہے، بیمار ہوتا ہے ہمیشہ علاج کیا جاتا ہے، تو روحانی بیماریوں کا علاج کیا ہمیشہ نہیں ہونا چاہیئے؟ روحانی بیماریوں کا علاج یہی وعظ نصیحت کرنا ہے اس کو بھی ہمیشہ کرتے رہنا چاہیئے، کیا وعظ نصیحت صرف چند روز کر لینا کافی ہے؟ ہرگز نہیں، لیکن چند بار نصیحت کر لینے کو کافی سمجھ لیا جاتا ہے اسی میں انسان مارا جاتا ہے، اس کا مرض بڑھتا جاتا ہے اور علاج ہوتا نہیں حتیٰ کہ وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

۳ باب
اصلاح نفس

اپنی محنت وکوشش کے بغیر کچھ نہ حاصل ہوگا

فرمایا جب تک آدمی خود کوشش نہیں کرتا کسی کام میں اس کو ترقی نہیں ہوتی، مثلاً ایک آدمی بھوکا ہے پیاسا ہے، اگر کوئی شخص اس کی مدد کرنا چاہتا ہے اس کو کھانا کھلانا چاہتا ہے تو کس طرح اس کی مدد کرسکتا ہے؟ یا کوئی شخص ننگا ہے اس کے پاس کپڑے پہننے کے نہیں ہیں، اس کو کوئی کپڑے پہنانا چاہتا ہے، اور اس کی مدد کرنا چاہتا ہے تو اس کی مدد کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ مدد کرنے والا صرف یہی تو کرسکتا ہے کہ کھانا لاکر اس کے سامنے رکھ دے گا کپڑے اس کو دیدے گا بس اتنا ہی تو کرسکتا ہے اس کے بعد کھانا تو خود اسی کو پڑے گا، کچھ کام تو اس کو بھی کرنا پڑے گا جب ہی تو اس کا پیٹ بھر سکتا ہے، یا مثلاً ڈاکٹر مریض کا علاج کرنا چاہتا ہے تو ڈاکٹر اتنا ہی کرے گا کہ نسخہ لکھ کر دے دے دگا، دوا نکال کر دیدے گا زیادہ خیر خواہی کرے گا تو اپنی فیس اور دوا کے پیسے نہ لے گا، بس اتنا ہی تو کرسکتا ہے یا دوا بھی اپنے ہاتھ سے کھلائے گا؟ یا کوئی شخص راستہ بھول گیا دوسرا کوئی آدمی اس کو صرف راستہ ہی بتلاسکتا ہے آگے چلنا تو اسی کو پڑے گا، یا کوئی اس کے بدلے خود وہ چلے گا بھی؟ دوسرے کے کھانا کھالینے سے خود اس کا پیٹ نہیں بھرتا جب تک کہ وہ خود نہ کھائے، دوسرے کے چلنے سے وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ خود نہ چلے، جس طرح دنیا کے معاملات میں سوچا جاتا ہے، اسی طرح دین اور آخر

ت کے بارے میں بھی تو سوچنا چاہئے، آخرت کے جو امور ہیں انکو اختیار کرنے سے ہی آخرت بنے گی، جنت میں جانے کے جو اسباب ہیں ان اسباب کو اختیار کیا جائے، تب ہی جنت ملے گی، محض دوسروں کے کرنے سے کچھ نہ ہوگا جب تک خود کچھ نہ کرے۔

بغیر مجاہدہ وریاضت کے کمالات کی صلاحیت نہیں پیدا ہوتی

بخاری شریف کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں وحی کی آمد سے قبل خلوت میں رہتے تھے اس وقت خلوت آپ کو نہایت محبوب تھی، غار حرا میں جا کر آپ عبادت وریاضت اور مجاہدہ کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کمال حاصل کرنے کیلئے پہلے اپنے اندر اس کی صلاحیت پیدا کرنا ضروری ہے، جب صلاحیت پیدا ہوگی تب ہی کمال حاصل ہوگا، صوفیاء کرام بھی اسی لئے مجاہدات کراتے ہیں، دیکھئے وحی کا نزول تو بعد میں ہوا خلوت کے ذریعہ مجاہدہ پہلے ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی اور قرآن پاک کے انوار و برکات اسی وقت حاصل ہوں گے جب کہ خلوت میں عبادت وریاضت کے ذریعہ پہلے اپنے اندر صلاحیت پیدا کرلے اسی وقت اس کے انوار و برکات کا اثر ہوگا ورنہ کورا کا کورا ہی رہے گا، صرف لکھ پڑھ لینے سے کچھ نہیں ہوتا، آج ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں سمجھی جاتی۔

ایسی عبادت، عبادت نہیں جس میں گھر والوں کی حق تلفی ہو

اسی ضمن میں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں توشہ لے کر جایا کرتے تھے، بسا اوقات کئی کئی روز تک غار حرا میں قیام فرماتے، توشہ ختم ہوتا تو پھر گھر تشریف لاتے اور توشہ لے کر حضرت خدیجہ سے اجازت لیتے، پھر واپس تشریف لے جاتے، بغیر اجازت کے نہ جاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ گھر والوں کا بھی حق ہے کہ ان کے پاس رہا جائے، رات میں بیوی کے پاس رہنا اس کا حق ہے اس کی حق تلفی کر کے عبادت کرنا درست نہیں ایسی

عبادت عبادت نہیں جس میں بیوی کی حق تلفی کی جائے، اس لئے جہاں بیوی کا حق ہو وہاں بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے۔

مجاہدہ کا مطلب

فرمایا مجاہدہ کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آدمی کھانا پینا اور اپنے نفس کی مرغوبات کو چھوڑ دے، اپنے کو مصیبت اور نفس کو مشقت میں ڈالے یہ چیزیں شرعاً پسندیدہ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں تشریف لے جاتے تھے لیکن ساتھ میں توشہ یعنی کھانا پینا ساتھ لے کر جاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ کھانا پینا اور اس کا انتظام رکھنا توکل اور مجاہدہ کے خلاف نہیں۔

البتہ ریاضت اور مجاہدہ میں تنعم پرستی کو چھوڑ دیا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "اِيّاكُم وَالتَّنَعُّمَ فَاِنّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوا بِالْمُتَنَعِّمِينَ او كما قال عليه السلام، یعنی تنعم پرستی سے بچو کیونکہ اللہ کے نیک بندے عیش پرست، تنعم پرست نہیں ہوتے، تنعم پرستی یہی کہ ہر وقت عمدہ سے عمدہ کھانے پینے ہی کی فکر رہے اس کے سوا کچھ مشغلہ نہیں، عیش پرستی میں منہمک ہو کر اللہ سے بھی غافل ہو جائے، ہر وقت راحت و آرام اور عمدہ کھانے کی فکر سوار رہے یہ ضرور مجاہدہ کے خلاف ہے، حدیث پاک میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

پہلے جو مجاہدہ کرتا ہے وہ مجاہدہ کرواتا ہے

فرمایا پہلے آدمی خود پِستا ہے بعد میں دوسروں کو پیستا ہے یعنی پہلے خود مجاہدہ کرتا ہے پھر دوسروں سے مجاہدہ کراتا ہے، جب پہلے خود کو پیس لیتا ہے اور مجاہدہ کر لیتا ہے تب باطل کو پیستا ہے اور دین کو بلند کرتا ہے لیکن آج اگر کوئی پسے تو کیوں، اور یہ ذلت برداشت کیوں کرے، اندر تکبر بھرا ہوا ہے، ذرا بھی مجاہدہ برداشت نہیں ہوتا، فوراً زبان پر یہ لفظ آتا ہے کہ ہماری توہین کر دی، ہم کو ذلیل کر دیا، ادنیٰ مجاہدہ نہیں کر سکتے، ذرا سی بات برداشت نہیں کر سکتے، محنت مجاہدہ کرنا جانتے نہیں ترقی ہو تو کیسے ہو۔

گمنامی کی زندگی بہتر ہے

فرمایا مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے کچھ کام نہیں کر پاتا، جہاں لکھنے بیٹھتا ہوں کوئی نہ کوئی آجاتا ہے جب سے یہ بس چلنے لگی اور زیادہ پریشانی ہوگئی، جس زمانہ میں بس نہ چلتی تھی، بہت کم لوگ آتے تھے، حضرت مفتی محمود صاحبؒ تو میل (ایک مقام کا نام) سے ہتورا کئی مرتبہ پیدل تشریف لائے ہیں، حضرت سے بار بار عرض کرتا کہ دعاء کر دیجئے کہ سڑک بن جائے اور ہتورا تک بس آنے لگے، مفتی صاحب فرماتے میں کبھی دعاء نہیں کروں گا، بس چلے گی تو بھیڑ جمع ہوگی پریشان ہو جاؤ گے اس وقت تو سمجھ میں نہیں آیا لیکن اب سمجھ میں آرہا ہے کہ جب سے بس چلنے لگی بالکل بے بس ہوگیا، کچھ کام ہی نہیں کر پاتا پہلے تھوڑے لوگ ہوا کرتے تھے، تھوڑی دیر میں سب کا کام کر دیا اور اپنے کام میں لگ گیا اب تو بھیڑ کی بھیڑ آتی ہے۔ کام تو گمنامی ہی میں ہوتا ہے، شہرت کے بعد کام نہیں ہو پاتا۔

حضرت کے پیر و مرشد حضرت ناظم صاحبؒ کا حال

فرمایا حضرت ناظم صاحبؒ (یعنی حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب حضرت اقدسؒ کے پیر و مرشد) کا مزاج یہ تھا کہ ہر آنے والے سے اسی کے حال و مزاج کے مطابق گفتگو فرماتے تھے، کاشتکار آتے تو کھیتی اور کاشتکاری کی باتیں کرنے لگتے، شاعر آتا تو شعر و شاعری کی باتیں کرنے لگتے، انگریزی داں آتا تو اس سے انگریزی میں باتیں کرنے لگتے، معلوم ہوتا کہ کوئی بی، اے، ایم، اے، کا ماہر بات کر رہا ہے، بہت روانی سے بے تکلف انگریزی بولتے تھے، لیکن لکھتے کبھی نہ تھے، انگریزی سے نفرت کرتے تھے، قادر الکلام تھے لیکن بلا ضرورت اس کا استعمال نہ فرماتے تھے۔

شاہ عبدالقادر صاحب کا حال

فرمایا مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کاندھلویؒ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے مرید تھے، کثرت سے خدمت میں حاضر ہوتے تھے، کچے مکان میں رہتے تھے، بڑی

کوشش کے بعد پختہ مکان بنوایا اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کو اطلاع دی کہ مکان بن گیا حضرت رائپوریؒ نے فرمایا پختہ مکان بن گیا بڑی خوشی کی بات ہے، راحت کا مکان ہے اللہ کی بڑی نعمت ہے، لیکن مجھے تو یہی پسند ہے کہ کچا مکان ہوتا، بارش ہوتی تو کبھی چارپائی ادھر کھسکاتے کبھی ادھر کھسکاتے، (اس حالت پر اللہ کو پیار آتا، یہ حضرت شاہ صاحبؒ کا طبعی مزاج تھا)۔

دل سے ذکر جاری ہوجانے کا مطلب

فرمایا پابندی سے ذکر کرتے کرتے کبھی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ اس کے قلب سے ذکر جاری ہونے لگتا ہے، اس کا قلب ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے کبھی ادھر سے غافل نہیں ہوتا، اپنے دل سے وہ ہر وقت اللہ کو یاد کرتا ہے وہ کسی بھی کام میں لگا ہو اس کے سارے اعضاء ہاتھ پیر آنکھ کان زبان ہر ایک اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں لیکن دل اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے، لطائف ستہ جس کے جاری ہوتے ہیں اس کو یہ بات نصیب ہوتی ہے کثرت ذکر کی بدولت اللہ پاک یہ مقام نصیب فرمادیتا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ چلے جارہے تھے کچھ مریدین اور خدّام ساتھ تھے جاتے جاتے اک دم سے ایک دکان کے پاس ٹھہر گئے، دکاندار کو کھڑے دیکھتے رہے، دکاندار اپنے کام میں مشغول تھا نہ لینا نہ دینا نہ کوئی گفتگو کی تھوڑی دیر ٹھہر کر آگے چل دیئے بعض خدام نے اس کی وجہ پوچھی ان بزرگ نے فرمایا میں اس دکاندار کو دیکھ کر تعجب کررہا ہوں کہ یہ شخص کتنا مصروف ہے، اور اس کی زندگی کتنی مشغول ہے یہ سامان لاؤ وہ سامان لاؤ ہاتھ پیر زبان سب مشغول ہیں لیکن اس کے باوجود اس کا قلب ایک آن بھی اللہ کی طرف سے غافل نہیں ہر آن ہر لمحہ اللہ کی طرف متوجہ ہے، اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا، ایسے بھی اللہ کے بندے گذرے ہیں اللہ ہمیں بھی ایسا بنادے۔

نماز میں غیر اختیاری خیالات کا آنا خشوع کے منافی نہیں

خطرات ووساوس کا علاج

ایک بڑے میاں جو کافی معمر تھے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت نماز میں گندے گندے خیالات اور وساوس بہت آتے ہیں اس کی وجہ سے بڑی بے چینی رہتی ہے، نماز میں جی نہیں لگتا، حضرت نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ اس سے کوئی نہیں بچا، نماز میں طرح طرح کے خیالات ہر ایک کو آتے ہیں اور یہ کوئی خشوع کے منافی نہیں قلب کی مثال تو سڑک کی سی ہے کہ اس میں گدھا بھی چلتا ہے آدمی بھی چلتے ہیں کتا، بلی، بیل اور تمام جانور سڑک سے گذرتے ہیں اب اگر کوئی شخص ان گذرنے والوں کو چھیڑنے لگے اور ان سے تعرض کرے کہ یہاں سے کیوں گذرتے ہیں تو کیا اس کا راستہ طے ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، ارے وہ اپنے راستے جارہے ہیں تم اپنے راستے جاؤ ان کو چھیڑتے کیوں ہو، تم تو چلتے چلے جاؤ کتّا گذرتا ہے گذرنے دو، بلّی گذرتی ہے گذرتی رہے چھیڑوگے تو خود پریشان ہوگے، یہی حال خطرات اور وساوس کا بھی ہے قلب تو گویا ایک سڑک اور گذرگاہ ہے اس میں طرح طرح کے خیالات گذرتے ہیں تو گذرنے دو تم اپنے کام میں لگے رہو، ان خیالات کے پیچھے نہ پڑو نہ ان کو چھیڑو، چھیڑوگے تو پریشان ہوگے۔

نماز میں خشوع کی حقیقت اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ

فرمایا نماز میں جو خیالات ازخود آجاتے ہیں ان کی طرف توجہ نہ کرنا چاہئے نہ ہی ان کو دفع کرنے کی کوشش کرنا چاہئے، دفع کروگے تو اور بڑھیں گے بلکہ نماز میں جو کچھ پڑھ رہا ہے، اس کے الفاظ ومعانی اور ترجمہ میں غور کرے دوسری طرف سے توجہ خود ہٹ جائے گی، اسی کا نام خشوع ہے، خشوع اس کو نہیں کہتے کہ نماز میں کسی قسم کا خیال ہی نہ آئے، نماز میں استغراقی کیفیت ہوجانے کا نام خشوع نہیں ہے کہ دنیا ومافیھا کی

بھی خبر نہ رہے اس کو تو استغراق کہتے ہیں، یہ مطلوب نہیں اگرچہ بعض اللہ کے بندوں کو یہ بھی حاصل ہوتا ہے لیکن یہ خشوع نہیں جو کہ مطلوب ہے، خشوع کے لئے تو اتنی بات کافی ہے کہ نماز میں جو کچھ پڑھ رہا ہے اس کے الفاظ ومعانی میں دھیان لگائے رکھے اگر کبھی توجہ ہٹ بھی جائے تو پھر دوبارہ الفاظ ومعانی میں غور کرنے لگے، درمیان میں بے توجہی وغفلت کا جو وقفہ ہوگا اس میں کوئی حرج نہیں یہ غیر اختیاری چیز ہے، دو توجہ کے درمیان جو غفلت ہوگی وہ بھی توجہ کے حکم میں ہوگی بس شرط یہ ہے کہ از خود ادھر ادھر کے خیالات نہ سوچنے لگے، بلکہ قرآن کے الفاظ ومعانی میں غور کرے اگر کبھی ذہن ہٹ جائے تو دوبارہ پھر غور کرنا شروع کردے بس اسی کا نام خشوع ہے، زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ورنہ خیالات تو ہر ایک کو آتے ہیں کوئی اس سے بچا نہیں۔

تکبر ایک مہلک مرض اور اس کا علاج

فرمایا تکبر اتنا بڑا اور برا مرض ہے کہ ہر مرض کا تو علاج ہے لیکن متکبر کا علاج نہیں، یہ مطلب نہیں کہ تکبر کا علاج موجود نہیں، علاج تو ہے لیکن متکبر اپنا علاج کرتا نہیں کیونکہ علاج تو وہ کراتا ہے جو اپنے کو مریض سمجھے، متکبر اپنے کو مریض ہی نہیں سمجھتا وہ تو اپنے کو اچھا اور صحت مند سمجھتا ہے پھر کیوں علاج کرانے لگے، لیکن اگر واقعی کوئی اپنی اصلاح چاہتا ہے تو آج بھی اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اس کا طریقہ اختیار کرے، کسی مصلح سے اصلاحی تعلق قائم کرے، جو بات اس سے کہی جارہی ہے سمجھے کہ اسی میں ہماری بھلائی ہے، نفس اتنی جلدی سے قابو میں آنے والا نہیں ہے، جب نفس کے خلاف کوئی بات ہوگی اس کی ذلت ہوگی چیں چیں کرنے لگے گا، لیکن تم اس کو چوں نہ کرنے دو، چیں چیں کرتا ہے تو کرنے دو، شروع میں تو کچھ دن مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، ذرا کسی نے کچھ کہہ دیا تو نفس میں تکبر پیدا ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ جب اس کو قابو میں کرلیا جائے گا تو عادت پڑ جائے گی، لیکن پھر بھی چوکنا ہر وقت رہنا پڑے گا، یہ نفس کبھی انسان کا ساتھ نہیں دے سکتا، اس کو تو جہاں موقع ملے گا اپنا اثر دکھائے گا، شیطانی حرکت کرائے گا۔

خواجہ مجذوب کا شعر ہے ؎

دلا نفس کا اژدہا ابھی مرا نہیں
ادھر غافل ہوا نہیں ادھر اس نے ڈسا نہیں

یہی تو کمال ہے کہ غصہ آئے پھر صبر وسکوت کرے

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تھا کہ جہاد میں جو مال غنیمت تقسیم کیا گیا ہے اس میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہوئی، آپ نے فرمایا کہ اللہ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے وہ اس سے بھی زائد تکلیف پہنچائے گئے تھے۔

حضرت نے فرمایا کہ اعتراض سے کوئی بچا نہیں، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا کون ہوگا، آپ پر بھی لوگوں نے اعتراض کیا، پھر جب حضور سب سے بڑے اور امتی سب سے ادنیٰ، اگر کسی امتی پر اعتراض کیا جائے یا اس کو سخت باتیں کہہ دی جائیں تو اس کو بھی وہی کرنا چاہئے جو حضور نے کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور ان کی تکلیف اور اس پر صبر کو یاد کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ سے ہم کو سبق سکھلا دیا کہ جب تم پر ایسے حالات آئیں تو تم کو بھی یہی کرنا چاہئے کہ اپنے پہلوں کے حالات دیکھو ان کے واقعات سے عبرت حاصل کرو، انہوں نے کس طرح صبر کیا تم بھی اسی طرح صبر کرو، انتقام نہ لو، اپنے جذبات کو ابھارو نہیں، طبعی طور پر غصہ ضرور آتا ہے تکلیف بھی ہوتی ہے لیکن جب ہی تو صبر ہوتا ہے، اور اسی پر تو اجر کا وعدہ ہے، ترقی تو اسی سے ہوتی ہے، ورنہ پھر ثواب ہی کس چیز کا، اگر غصہ ہی نہ آئے تو پھر کون سا کمال ہے، کمال کی بات یہ ہے کہ غصہ آئے پھر صبر کرے، ایک نامرد کہے کہ میں بدنگاہی بدکاری نہیں کرتا اس میں اس کا کیا کمال؟ کمال تو یہ ہے کہ قوت ہو، تقاضہ ہو پھر بھی اپنے کو بچالے، چھوٹوں کا کام تو اعتراض کرنا ہے بڑوں کا کام وہ ہے جو بڑے کر کے دکھلا گئے، یعنی صبر کرنا اور انتقام نہ لینا، اللہ ہم سب کو توفیق نصیب فرمائے۔

نسبت، اجازت وخلافت کی حقیقت

منطق کی مشہور کتاب ''قطبی'' کا سبق پڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لفظ ھــو موضوع اور محمول کے درمیان رابطہ ہے یعنی موضوع اور محمول کے درمیان ربط لفظ ھو کے ذریعہ ہوتا ہے، ربط کا واسطہ وذریعہ یہی ھو بنتا ہے اسی وجہ سے اس لفظ ہی کو رابطہ کہنے لگے یہی مطلب ہوتا ہے تسمیۃ الدّال باسم المدلول کا یعنی مدلول پر جو شئی دلالت کرنے والی تھی دراصل وہ نسبت ہے لیکن اس پر دلالت کرنے والا لفظ ھــو ہے اسی لئے اس کو رابطہ اور نسبت کہہ دیا۔

یہ ہے نسبت کی حقیقت، جو شخص کسی کے ساتھ رہتا ہے، اس کو اس سے نسبت قائم ہوجاتی ہے اس سے رابطہ ہوجاتا ہے، اس کے اخلاق وعادات اس کے اندر منتقل ہوجاتے ہیں جو باتیں اس کے اندر پائی جاتی ہیں وہ اس کے اندر پائی جانے لگتی ہیں اسی کا نام ہے نسبت کہ فلاں کو فلاں سے نسبت اور رابطہ ہے یعنی جو کام فلاں شخص کرتا تھا وہی کام یہ بھی کرتا ہے، اور اسی کا نام ہے خلافت یعنی جو اخلاق وعادات شیخ کے اندر پائے جاتے تھے وہ اس کے اندر بھی پائے جانے لگے، تو اب یہ خود شیخ ہوگیا، شیخ کی نسبت وعادت اور شیخ کے اخلاق اس میں بھی منتقل ہوگئے تو گویا یہ اپنے شیخ کے قائم مقام ہوگیا، اسی کا نام ہے خلافت، لیکن یہ حقیقت آج کل کون دیکھتا ہے اب تو بازار گرم ہے۔

فـــائـــدہ:۔ حضرتؒ نے سمجھانے کے لئے یہ مثال دی ہے، اسی کے قریب حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بھی تحریر فرمایا البتہ اس میں یہ اضافہ بھی فرمایا ہے کہ شیخ کے اندر خداداد اصلاح وتربیت کی صلاحیت واستعداد موجود ہوتی ہے، لہٰذا مصلح وشیخ (خلیفہ) کے اندر اس کا ہونا بھی ضروری ہے محض صالح اور خلیق ہونا شیخ ومصلح بننے کیلئے کافی نہیں، نیز یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ نائب اور خلیفہ کا اپنے شیخ کے جملہ صفات سے متصف ہونا ضروری نہیں۔

اپنے چھوٹوں کے سامنے بھی اپنے بڑوں کی خدمت اوران کا احترام

فرمایا حضرت شاہ صاحبؒ بڑے درجہ کے بزرگ اور خلیفہ ہیں، ان کے مریدین کا بڑا حلقہ تھا لیکن اس کے باوجود حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اوران کی مجلس میں جا کر بیٹھا کرتے تھے ان سے استفادہ کرتے تھے، اوران کو ذرا بھی احساس نہ ہوتا تھا کہ میں اپنے مریدین اور شاگردوں کے ساتھ ہوں، ان کے سامنے اس طرح چھوٹا بن کر رہوں گا تو میری شان کے خلاف ہوگا، اس کا خیال بھی نہ ہوتا تھا۔

احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ صاحب ملفوظ حضرت اقدسؒ کا بھی یہی مزاج اور یہی عادت تھی بڑوں کی خدمت میں خود حاضر ہوتے، استفادہ کرتے اپنے چھوٹوں کے ہوتے ہوئے بھی اپنے بڑوں کی خدمت کرتے اور ذرا بھی اس میں عار نہ فرماتے، ایک مرتبہ اپنے استاد حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحبؒ گنگوہیؒ کی خدمت میں سہارنپور تشریف لے گئے احقر اس وقت مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھا حضرت اقدس مفتی صاحب لیٹے ہوئے تھے اور حضرت مولانا کو دیکھا کہ طلبہ کی موجودگی میں حضرت مفتی صاحب کے پیر دبا رہے ہیں۔

اسی طرح ہردوئی حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ کی خدمت میں بکثرت تشریف لے جاتے اوراپنے مریدین وشاگردوں کی موجودگی میں بھی حضرت اقدس مولانا ابرارالحق صاحبؒ کے پیر دبایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے بڑوں کا ادب نصیب فرمائے۔

مخلوق کی خدمت وراحت کا خیال

حضرت والا رات کو بہت کم سوئے تھے، اور طبیعت بھی صحیح نہیں تھی، مہمانوں کا بڑا ہجوم تھا جن میں اکثر تعویذ کے لئے آئے تھے، حضرت والا بہت پریشان تھے، تدریس کے ساتھ مہمانوں کا کام بھی کرنا تھا، صبح سے اب تک ایک بجنے جا رہا تھا اور

ایک لقمہ کھانے کا موقع نہیں ملا۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وقت متعین نہ ہونے سے یہ پریشانی ہوتی ہے، آپ ہی تو ہیں کہ جو بھی جب آیا فوراً اس کا کام اسی وقت کرتے ہیں، تعویذ لکھنے کا وقت متعین کردیجئے اور اعلان کردیجئے کہ اس وقت تعویذ ملے گا، ہر کام وقت پر ہو، لوگ آئیں تو ٹھہریں اور وقت ہی پر ان کا کام کیا جائے، فرمایا آرام کرنے کا کس کا جی نہیں چاہتا، لیکن تم بتاؤ کیا یہاں کے حالات ایسے ہیں کہ وقت متعین کیا جاسکے؟ کھانے پینے کی کتنی پریشانی ہوگی، سواریوں کی کتنی دقت ہے، اور جگہ تو ہوٹل ہیں سواریوں کی آسانیاں ہیں جب چاہا چلے گئے لیکن یہاں کتنی پریشانی ہے، یہاں پر کیسے وقت متعین ہوسکتا ہے، لوگ پریشان ہوجائیں گے اس لئے ان کو جلدی فارغ کردیتا ہوں۔

سوانح لکھنے کی بابت حضرت کا مزاج

سوانح عمری لکھنے کا تذکرہ چل رہا تھا حضرت نے فرمایا سوانح اس واسطے لکھی جاتی ہے کہ بعد کے لوگ ان کے حالات وواقعات پڑھ کر متاثر ہوں، اس سے عبرت حاصل کریں، میں نے بھی سوانح لکھی ہے لیکن کچھ نہ کچھ اس میں تعلّی ہوجاتی ہے، اس لئے سب چھوڑ دیا، جس کے عمل سے اللہ تعالیٰ کو لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہوگا کسی نہ کسی طریقہ سے اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر ہی کردے گا، اصلاح کے لئے بزرگوں کے جو ظاہری اعمال واحوال ہوتے ہیں وہ کم نہیں وہی کافی ہیں، باطنی حالات تو کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتے۔

عبرت ناک حکایت

اللہ تعالیٰ جس کو ہلاک کرنا چاہتا ہے نیک بندوں کے پیچھے لگا دیتا ہے

فرمایا اللہ تعالیٰ جس کو ہلاک وبرباد کرنا چاہتا ہے اس کو نیکوں کے پیچھے لگا دیتا ہے نیک بندوں کی مخالفت کرتا ہے ان کو پریشان کرتا ہے جس کے نتیجہ میں ہلاک ہوجاتا ہے، کہتے ہیں کہ جب چیونٹی کی ہلاکت کے دن قریب آتے ہیں تو اس کے پر جم (نکل) آتے

ہیں، کتابوں میں ایک بڑا عبرت ناک واقعہ لکھا کہ ایک بزرگ چلے جارہے تھے راستہ میں ایک عاشق اپنی محبوبہ کو ساتھ لئے جارہا تھا بارش کا موسم تھا، کیچڑ کا راستہ تھا، بزرگ چلے جارہے تھے چلنے میں تھوڑی کیچڑ کی چھینٹ اس کی محبوبہ پر پڑگئی، یہ شخص بگڑا ڈانٹ ڈپٹ شروع کی بزرگ نے معذرت کی کہ میں نے قصداً ایسا نہیں کیا غلطی سے ہوگیا، لیکن وہ ایک نہ مانا اور بزرگ کے ایک طمانچہ رسید کیا اور چلتا بنا، بزرگ بھی چلے گئے، ابھی یہ شخص اپنے مقام پر پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ معشوقہ محبوبہ کو جس مقصد کے لئے لے جارہا تھا وہ مقصد بھی نہ پورا کرسکا پہنچنے سے پہلے ہی اس کے ہاتھ میں شدید درد ہوا، درد کی شدت اور تکلیف سے سب بھول گیا، سیدھے ڈاکٹر کے پاس پہنچا ڈاکٹر نے دیکھا اور کہا کہ درد کی وجہ کچھ سمجھ میں نہیں آتی دوا دی لیکن فائدہ نہیں ہوا، تکلیف بڑھتی گئی مختلف ڈاکٹروں کو دکھایا لیکن آرام نہ ہوا، ڈاکٹروں نے کہا اگر اس کا ہاتھ نہ کاٹا گیا تو اندیشہ ہے سڑ جانے کا، چنانچہ ڈاکٹروں کے مشورہ سے ہاتھ کاٹ دیا گیا لیکن درد اس کے بعد بھی نہ گیا اور آگے کا حصہ سڑنا شروع ہوگیا ڈاکٹروں کے مشورہ سے کچھ حصہ اور کاٹ دیا گیا، بعض دوسرے نیک ڈاکٹروں کو دکھلایا تو انہوں نے پوچھا یہ بتاؤ کہ درد کی شروعات کیسے ہوئی تھی تب اس نے پورا قصہ بتایا کہ ایک بزرگ کے ساتھ اس طرح کا قصہ پیش آیا تھا، ان ڈاکٹروں نے کہا تم نے پہلے کیوں نہ بتلایا اس کا علاج دواؤں میں نہیں ہے، پہلے بتایا ہوتا تو ہاتھ نہ کاٹا جاتا، اس کا علاج تو یہ ہے کہ انھیں بزرگ سے جاکر معافی مانگو ان سے دعاء کراؤ، چنانچہ یہ شخص بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اپنی غلطی کی معافی مانگی ان بزرگ نے کہا کہ اب معاملہ میرے ہاتھ سے نکل گیا میں کیا کروں یہ تو یاروں کا مسئلہ ہے تم نے اپنے یار کی حمایت کی اس کی وجہ سے مجھے مارا، میرے یار نے میری حمایت کی اور تم کو تمہارے جرم کی سزا دی، یہ تو یار، یار کا مسئلہ ہے اگر تمہارا کوئی یار ہے تو میرا بھی کوئی یار ہے، میں اس میں کچھ نہیں کرسکتا، اس کے چلے جانے کے بعد بزرگ نے دعاء کی یا اللہ میں نے معاف کیا تو بھی اس کو معاف کردے، چنانچہ لکھا ہے کہ پھر اس کا ہاتھ درست ہوگیا، بڑا عبرت ناک واقعہ ہے اس سے عبرت

لینا چاہیئے، آج کل بھی لوگ غلطیاں کرتے ہیں اور احساس بھی نہیں ہوتا، معافی کون مانگتا ہے، اوپر سے سینہ زوری کرتے ہیں، اللہ بچائے ایسے لوگوں سے۔

خواب ہر ایک سے نہیں بیان کرنا چاہیئے

ایک صاحب بڑی دور سے تعویذ لینے کے لئے تشریف لائے تھے لمبی گفتگو اور تعویذ لینے کے بعد کہنے لگے حضرت ایک بہت عجیب وغریب خواب ہم نے دیکھا ہے اس کو سن لیجئے، حضرت نے فرمایا خواب ہر ایک سے نہیں بیان کرنا چاہیئے، جو آدمی خواب کی تعبیر جانتا ہو اس سے بیان کرنا چاہیئے حضرت نے منع فرمایا اور کہا کہ مجھ سے نہ بیان کیجئے مجھے خواب کی تعبیر نہیں آتی جو خواب کی تعبیر جانتا ہو اس سے بیان کیجئے، اور حضرت مفتی محمود صاحبؒ کا پتہ بتلادیا۔

خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت

فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کو ایک مرتبہ خواب میں دیکھا ہے بس ایک بجلی اور تیز روشنی جیسی تھی، چمکی اور غائب ہوگئی، ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا۔

اصلاح وتربیت کا مفید اور آسان طریقہ
حضرت کا تحریر کردہ ایک مضمون

(یہ حضرت کا تحریر کردہ مضمون ہے حضرت نے کس سیاق اور کس سوال کے جواب میں لکھا اس کا علم نہ ہوسکا، جتنا مل سکا اتنا نقل کردیا)۔

آج کل مسلمان جہاں کہیں بھی ہیں دو طبقے میں منقسم ہیں، ایک طبقہ تو وہ ہے جن کو اسلام کے کسی حصہ میں کسی قسم کا شعور نہیں، میں اپنے تمام تجربات اور ہر قسم کے لوگوں سے تعلقات رکھنے پر جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ اسی (۸۰) فیصد ایسے لوگ ملتے ہیں جن کو اذان تک سے واقفیت نہیں، ایسے لوگ جن کو کچھ تھوڑا سا شعور ہے

وہ (۲۰) فیصد سے زائد نہ ملیں گے، ان میں وہ لوگ نہیں داخل ہیں جو کبھی کبھی جمعہ کو مسجد میں آجاتے ہیں، اوران میں فی ہزار ایک دو ایسے ہیں جو عالم باعمل ہیں، غرضیکہ مسلمانوں کے دو طبقے ہیں۔

مجھے اس کا احساس ہے کہ وہ لوگ اپنی حالت پر مطمئن نہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، ہم یہ یقین رکھتے ہیں جیسا ہم کو ہونا چاہئے ویسے نہیں، ہم کو اپنے آپ کو بدلنا چاہئے، پھر اس تبدیلی کے لئے ذہن میں بعضوں کو یہ خیال آتا ہے کہ ہم کو دنیا کے اعتبار سے بدلنا چاہئے اور بعضوں کو جن کو دین کا کچھ احساس ہے، ان کو یہ خیال آتا ہے کہ ہم کو دین کے اعتبار سے بدلنا چاہئے، یہ تذکرہ ہر طبقہ میں ہے، تو جب ہم کو اپنی زندگی بدلنی ہے تو مجھے ان ۲۰ فیصدی سے دریافت کرنا ہے کہ ہم اپنی زندگی کیسے بدلیں، اس کے متعلق میں ایک زمانہ تک تجربہ اور ترمیم کرنے کے بعد ایک بات عرض کرتا ہوں کہ ہم کو چاہئے کہ ہمارا وقت ایسے ماحول میں گذرے جس طرح کی ہم زندگی بدلنا چاہتے ہیں، یہ کوئی ہمارا اپنا نکالا ہوا طریقہ نہیں بلکہ یہ ایک قدیمی اور انبیاء علیہم السلام کی چیز ہے، ہم اس کو عمومی دعوت بنانا چاہتے ہیں، یہ ماحول کہاں ہے، ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایسا ماحول ہر جگہ ہونا چاہئے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ کم از کم ابھی اتنا ہو کہ ہفتہ کی سات راتوں میں ایک رات ہم گھر پر نہیں گذاریں گے، بلکہ ایک مسجد میں خاص پابندیوں اور خاص اصول کے ماتحت گذاریں گے جہاں دین کا تذکرہ ہو، خواہ تقریر سے یا کتاب سے، اللہ سے دعاء، معاملات، اخلاق کا تذکرہ، سونے کے وقت سونا وہ بھی دینی پابندی کے ماتحت، اس طرح پر عمل کرنے میں اس فکر میں اور تیزی پیدا ہوگی اور مناسبت پیدا ہوجائے گی۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ کچھ دن اس کے لئے مقرر کئے جائیں اور اس میں اس تبدیلی کا پیغام پہنچانے کے لئے باہر نکلنا چاہئے، اور اس کے بعد قریب کی کوئی بستی تجویز کرلی جائے، اس میں یہ فائدہ ہوگا کہ اس تبدیلی کے بدلنے کا جو بیج پڑ چکا ان خاص دنوں میں اس میں اور ترقی ہوگی، اس کے متعلق ٹیچروں سے یہ نہ کہیں گے کہ وہ

اپنا درس چھوڑ دیں، ہم کسی ملازم تاجر، غرضیکہ ہر پیشہ کرنے والوں سے اس کا پیشہ نہیں چھڑانا چاہتے، بلکہ یہ عرض کرتے ہیں کہ اس کے لئے کچھ وقت ضرور نکالا جائے، حضور کے زمانہ میں بیشک کچھ تھوڑی سی جماعت ایسی تھی جس کا کام صرف یہ تھا کہ جس کام کی جہاں ضرورت ہوئی وہ اسکے لئے ہر وقت تیار رہتے، گذارے کے لئے کبھی کچھ کام کرلیا لیکن یہ تمام مسلمان ایسے نہیں تھے بلکہ بڑی جماعت ایسی تھی جو اپنے کاروبار میں بھی لگے رہتے اور اس کے ساتھ ساتھ پورا دین حاصل کرنے کی کوشش میں رہتے۔

زندگی میں اثر ڈالنے والی چھ چیزیں

زندگی میں اثر ڈالنے والی چھ چیزیں ہیں۔

(۱) مناسب ماحول جو سفر میں دینی جماعت کے ساتھ حاصل ہوسکتا ہے۔

(۲) نظام تعلیم وتربیت،

میری مراد اس سے صرف تقریری یا تحریری تعلیم نہیں بلکہ اس میں وہ تعلیم بھی (داخل) ہے جو صحبت سے حاصل ہوتی ہے، حضور سے صحابہ نے جو تعلیم حاصل کی وہ کوئی کتابی نہیں ہوتی تھی بلکہ یہی صحبت کے ذریعہ سے حاصل کرتے تھے، پھر وہ کتنی موثر ہوئی اس کا نتیجہ آپ حدیث کی کتابوں میں دیکھتے ہیں کہ ساری سند کا دارومدار صحابہ پر ہے، یہ صحابہ کی تنقیص نہیں بلکہ یہ تو ان کا عین کمال ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کے پاس وقت نہیں ہوتا تھا لیکن پھر بھی اتنا کمال پیدا کیا جس سے آج تک ہم اس کی روشنی سے فائدہ حاصل کررہے ہیں۔

(۳) اصول معاشرت واخلاق،

ہر شخص ایک دوسرے کے حقوق ادا کرے، چھوٹا بڑے کا، بڑا چھوٹے کا، غریب امیر کا، امیر غریب کا۔

اخلاق ومعاشرت کی دو بنیاد ہیں، محبت وجذبۂ خدمت، محبت منحصر ہوگئی خونی رشتوں میں، جذبہ خدمت منحصر ہوگئی جہاں اپنی اغراض پوری ہوتی ہیں، ہم کو اس کی

مشق کرنے کی ضرورت ہے کہ ہماری محبت اور جذبۂ خدمت کسی میں منحصر ہوکر نہ رہ جائے، سفر میں اس کی اچھی خاصی مشق ہوتی رہتی ہے۔

میں صفائی سے عرض کرتا ہوں کہ جماعتی دائرہ بھی کوئی وسیع دائرہ نہیں بلکہ ایک محدود دائرہ ہے، البتہ یہ ایک درمیانی دائرہ ہے اور اس کو وسیع کرنے کی ابتدائی منزل ہے۔

(۴) دین اور اعلیٰ مقصد کے لئے جہد و مشقت،

ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جو تکلیف نہ اٹھاتا ہو "**لقد خلقا الانسان فی کبد،**" انسان کی سرشت میں تکلیف رکھی گئی ہے، لیکن افسوس کہ اعلیٰ مقاصد کے لئے کوئی بھی تکلیف نہیں اٹھاتا۔

(۵) آپس میں طبقات کا اختلاف ختم کر کے اتحاد پیدا کرنا،

یہ بات یاد رکھئے اتحاد پیدا ہوتا ہے وحدت مقصد سے، جب سب لوگوں کا مقصد اللہ کی رضاء ہو جائے گا تو اختلاف پیدا ہی نہ ہوگا۔

(۶) دعوتُ

دعوت علماء و مشائخ پر منحصر نہیں، ایک تو ہے وعظ وہ دینی عالم کے علاوہ اور کے لئے جائز نہیں، اور ایک ہے دعوت اس کے لئے ہر امی کو بھی تیار ہونا چاہئے، آپ اگر کسی چیز کا اثر کسی پر ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کو اس چیز کا داعی بنا دیجئے، انشاء اللہ ایسا اثر پیدا ہوگا کہ کبھی زائل نہ ہوگا۔

بغداد میں فتنہ تاتار سے مسلمانوں کی ہمت اتنی شکست ہوگئی تھی کہ آج کل ہم لوگوں کی اتنی ہمت شکست نہیں ہوئی، تاتاریوں نے اس زمانہ میں مسلمانوں کی ہمت کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی تھی مگر ان کے اندر دعوت باقی تھی جس کا اثر یہ ہوا کہ ساری قوم مسلمان ہوگئی، دعوت میں ایک خاصہ یہ ہے کہ داعی محروم نہیں ہوتا، جو چیز آپ اپنے بھائیوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے اندر وہ چیز پیدا فرما دیں گے، جیسا کہ احادیث پاک سے معلوم ہوتا ہے۔ تمت

وضو بلا مسواک کے اور نماز بغیر جماعت کے

فرمایا مسواک وضو کی سنتوں میں سے ہے، مسواک کے بغیر وضو ہو تو جاتا ہے لیکن خلاف سنت، مسواک کے بغیر اگر میں وضو کروں تو عجیب سا لگتا ہے، میرا جی ہی نہیں بھرتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وضو کیا ہی نہیں، حدیث شریف میں مسواک کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

لیکن مسواک ہی پر میری مصیبت آتی ہے ہر سفر میں کوئی نہ کوئی مسواک کھو جاتی ہے اس لئے میں بھی کئی کئی مسواکیں رکھتا ہوں، جیب میں الگ، جھولے میں الگ، چھوٹی الگ بڑی الگ کہاں تک کھوئیں گی، اور کھوتی اس وجہ سے ہیں کہ لوگ کھو دیتے ہیں خدمت کے ذوق میں کوئی لوٹے میں پانی رکھ رہا ہے کوئی مسواک لئے ہے کوئی جوتے سیدھے کررہا ہے بس اسی میں کھو جاتی ہے، میرا خدمت لینے کا مزاج نہیں مروت میں کچھ کہہ نہیں پاتا، ہاں مدد کرنا چاہئے، خدمت نہ کرے بلکہ مدد کرے۔

فرمایا بغیر مسواک کے وضو کروں تو ایسا لگتا ہے کہ وضو ہی نہیں کیا اسی طرح بغیر جماعت کے نماز پڑھوں تو ایسا لگتا ہے جیسے نماز ہی نہیں پڑھی۔

زمین پر نماز پڑھنا

حضرت اقدسؒ قدوری کا سبق پڑھا رہے تھے سبق کے درمیان فرمایا کہ بجائے مصلیٰ کے فرش پر نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے اور فرش بھی اگر کچا ہو، یعنی زمین پر نماز پڑھنا زیادہ اچھا ہے، مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ بھی زمین ہی پر نماز ادا کیا کرتے تھے۔

فائدہ:۔ یہ خاص حالات کے اعتبار سے فرمایا ہے کیونکہ اس میں تواضع اور عبدیت کی شان زیادہ ہے، یہ بھی اس وقت ہے جب کہ کچا فرش بالکل پاک وصاف ہو، کپڑوں کے مٹی سے آلودہ ہونے کا خطرہ نہ ہو ورنہ بعض دوسری جہت سے مصلیٰ اور جائے نماز پر نماز پڑھنا افضل ہوگا۔ (مرتب)

فصل

تقویٰ کی اہمیت

فرمایا تقویٰ بہت بڑی چیز ہے، اکابرین اور بزرگان دین میں تقویٰ ہی کی صفت پائی جاتی تھی، آج کل لوگ لکھ پڑھ تو لیتے ہیں لیکن عمل واخلاص اور تقویٰ سے بالکل کورے ہوتے ہیں حالانکہ اصل چیز تقویٰ ہے، اور تقویٰ اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب زمانہ طالب علمی سے اس کی عادت ڈالی جائے۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا حال

حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حضرات سنت کا بہت اہتمام فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت شاہؒ کو مسواک کی ضرورت تھی اور مسواک تھی نہیں ایک نیم کا درخت تھا اس سے لے سکتے تھے لیکن وہ درخت کسی ایک آدمی کی ملک نہ تھا بلکہ کئی آدمیوں کا مشترک تھا تو جتنے آدمی اس درخت میں شریک تھے ان سب سے اجازت لی تب مسواک لی، یہ تقویٰ آخر ان کو کب نصیب ہوا؟ جب شروع ہی سے اور زمانہ طالب علمی ہی سے اس کی عادت ڈالی، پھر دیکھئے اللہ نے ان سے کتنا کام لیا، اور کیسا انھوں نے اصلاح کا کام کیا، کتنے لوگوں میں تقویٰ کی صفت پیدا ہونے کا ذریعہ بنے، کتنوں کو تقویٰ والا بنایا، جس کے اندر خود موجود ہوتا ہے، اس کی بات کا اثر ہوتا ہے اس کی تربیت میں برکت ہوتی ہے، ان کے اندر تقویٰ موجود تھا اس کی برکت سے لوگوں میں تقویٰ پیدا ہوا، اور اگر خود ہی کسی کے پاس موجود نہ ہو تو وہ دوسروں کو کیا دے سکتا ہے۔

ہمارے اکابر کا تقویٰ واحتیاط

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں کہ مظاہر علوم (سہارنپور) کے سالانہ جلسہ میں مدرسین اور ملازمین میں سے کبھی کسی نے جلسہ کا نہ کھانا کھایا نہ چائے یا پان کا استعمال کیا ہر شخص اپنا اپنا کھانا کھاتا تھا۔

مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ کا تقویٰ

مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ مہتمم مدرسہ جلسہ کے زمانہ میں دوشب وروز مدرسہ کے اندر رہے اور ظہر کے وقت یا رات کے بارہ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر گھر کا ٹھنڈا اور معمولی کھانا تنہا کھا لیتے تھے۔

حضرت مولانا ظہور الحق صاحبؒ کا تقویٰ

فرمایا سہارنپور میں میرے ایک استاد مولانا ظہور الحق صاحب تھے، ان کے تقوے کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ کا کھانا بھی نہ چکھتے تھے، اگر کبھی ضرورت بھی پیش آتی تو خود نہیں دوسروں سے کہتے تھے کہ ذرا اس کا نمک چکھو، خود مجھ سے کئی بار کہا صدیق، صدّیق (بہت جلدی بولا کرتے تھے) زبان میں کچھ لکنت سی تھی، فرماتے تھے صدیق صدیق ذرا اس کا نمک چکھو، مدرسہ کی چیزوں کا بہت خیال رکھتے تھے، خود نہیں استعمال کرتے تھے، اور اب تو مدرسہ کی چیزوں کو مال غنیمت سمجھتے ہیں۔

مولانا ظہور الحق صاحبؒ جلسہ کے موقع پر مطبخ کے منتظم مقرر ہوئے تھے، اور چوبیس گھنٹہ مطبخ کے اندر رہتے تھے، لیکن سالن چاول وغیرہ کا نمک کسی طالب علم سے چکھواتے تھے خود نہیں چکھتے تھے، جب وقت مل جاتا گھر جا کر کھانا کھا آتے۔

''اس ناکارہ نے بھی اپنی طالب علمی کے زمانے میں اساتذہ کو ایسا ہی دیکھا ہے، حضرت مولانا ظہور الحق صاحبؒ نے مجھ سے ایک مرتبہ فرمایا کہ سالن کا نمک چکھ

لو، جلسے کے موقع پر از خود ان کے گھر سے ان کا کھانا لا کر کھلایا، آج کل جو حضرات مدرسہ کی چیزوں کو مال غنیمت کی طرح استعمال کرتے ہیں ان کو عبرت حاصل کرنا چاہئے"۔

(آخری پیراگراف نظر ثانی کے وقت حضرت نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا)

مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کا تقویٰ

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی قدس سرہ کا معمول تھا کہ مدرسہ کے اوقات میں جب کوئی عزیز ذاتی ملاقات کے لئے آتا تو اس سے باتیں شروع کرتے وقت گھڑی دیکھ لیتے اور واپسی پر گھڑی دیکھ کر اتنی دیر کا اندراج کر لیتے اور ماہ کے ختم پر ان کو جمع فرما کر اگر نصف یوم سے کم ہو تو نصف دن کی رخصت اور نصف یوم سے زائد ہو تو پورے دن کی رخصت لکھوا دیتے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا تقویٰ

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ کبھی بھی مدرسہ کی کسی چیز کا استعمال نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے عزیز ملنے کیلئے آئے دوران سبق بالکل باتیں نہیں کیں سبق ختم ہونے کے بعد حضرت ان کے پاس تشریف لائے انہوں نے اصرار کیا کہ حضرت اپنی جگہ تشریف رکھیں، فرمایا کہ مدرسہ نے یہ فرش اسباق پڑھانے کیلئے دیا ہے ذاتی استعمال کیلئے نہیں، آج کل مدارس میں دوران سبق ہر سبق میں فضول باتیں ہوتی ہیں جس کا طلبہ پر برا اثر پڑتا ہے، یہی طلبہ مدرس ہو کر وہ بھی ایسا ہی کریں گے

(خط کشیدہ عبارت حضرت نے نظر ثانی کے وقت اپنے قلم سے اضافہ فرمائی)

فرمایا حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نور اللہ مرقدہٗ کو خصوصی مہمانوں کے ساتھ بیٹھنا پڑتا لیکن گھر سے دس بارہ آدمیوں کا کھانا آتا جو مختلف مہمانوں کے سامنے رکھا جاتا اسی میں سے حضرت بھی تناول فرماتے۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کا تقویٰ

فرمایا حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ بڑے درجہ کے بزرگ اور متقی و پرہیزگار تھے، حضرت اقدس تھانویؒ اور حضرت گنگوہیؒ سب کے بڑے تھے، ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ طالب علمی کے زمانہ میں جب دلی میں پڑھا کرتے تھے تو روٹی سالن سے نہیں کھایا کرتے تھے صرف اس بناء پر کہ دلی میں اس وقت ہوٹلوں میں جو سالن ملتا تھا اس میں عموماً امچول (کھٹائی) پڑا کرتی تھی، اور آموں کے باغات کی بیع کا اس وقت جو رواج تھا وہ شرعاً ناجائز تھا، کیونکہ پھل آنے سے پہلے ہی اس کی بیع کر دی جاتی تھی، جو شرعاً ناجائز ہے، ان کے تقویٰ کا یہ اثر تھا کہ حرام مال اور حرام غذا کو ان کا معدہ قبول نہ کرتا تھا، اگر کبھی اس قسم کی غذا پیٹ میں چلی بھی گئی تو فوراً قے ہو جاتی تھی، اسی لئے ان کی دعوت کرتے ہوئے لوگ ڈرا کرتے تھے، کوئی ان کی دعوت جلدی نہیں کرتا تھا، سب ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کھانا کھانے کے بعد قے ہو جائے جس کی وجہ سے ہمارا مال حرام ہونا ظاہر ہو جائے اور ہماری بے عزتی ہو۔

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا تقویٰ

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ مظاہر علوم کی قدیم عمارت کے چندہ کے سلسلہ میں کلکتہ تشریف لے گئے، وہاں کسی عزیز سے مدرسہ کے کام سے ملاقات کے لئے جانا تھا، رکشہ سے تشریف لے گئے لیکن رکشہ کا کرایہ خود ادا کیا مدرسہ سے نہیں دیا، اس لئے کہ یہ ہمارے عزیز ہیں اور میں ان سے ملنے جا رہا ہوں، یہ ان کے تقویٰ اور احتیاط کا عالم تھا،

سفر سے واپسی پر مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا تو اس میں لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا اگرچہ وہاں چندہ خوب ہوا لیکن میری سفر کی نیت دوست سے ملنے کی تھی چندہ کی نہیں تھی اس لئے وہاں کی آمد و رفت کا اتنا

کرایہ حساب سے وضع کرلیا جائے۔

آج کل تو لوگوں نے مدارس کو آمدنی کا ذریعہ بنا رکھا ہے، جس کو دیکھو چھوٹا سا مدرسہ بنالیا، خوشنما رسیدیں چھپوالیں، لمبے لمبے اشتہار چھپوالئے اور چندہ کرنا شروع کردیا، اچھی خاصی آمدنی ہونے لگی،

مدرسوں میں رہنا اور ناظم و مہتمم بننا بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے، آسان کام نہیں ہے، یا تو سیدھے جنت میں جائے گا یا سیدھے دوزخ میں جائے گا، اللہ ہی حفاظت فرمائے۔

جو تقویٰ اختیار کرنا چاہتا ہے اللہ اس کی مدد فرماتا ہے

گناہ سے بچنے کی ہزاروں صورتیں ہیں، لیکن کوئی بچنا تو چاہے، جو بچنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بچاتا ہے، اور اس کے بچنے کی غیب سے صورتیں پیدا فرما دیتا ہے، وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجاً، کا یہی مطلب ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے نکلنے کی صورت پیدا فرما دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل میں خود ایسی صورتوں کا الہام فرماتا ہے جس سے وہ گناہوں سے بچ جاتا ہے، اور اللہ اس کی مدد فرماتا ہے، لیکن یہ سب اس کے لئے ہوتا ہے جو بچنا چاہے۔

یوسف علیہ السلام کا قصہ

چنانچہ یوسف علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے کہ زلیخا عزیز مصر کی بیوی ان پر عاشق ہوگئی اور اس نے اپنے جال میں پھنسانے کے لئے ہر طرح کی تدبیریں کرڈالیں لیکن یوسف علیہ السلام تیار نہیں ہوئے، واقعی بڑی سخت آزمائش تھی، ایسی ویسی عورت ہوتی تو اس سے بچنا آسان ہوتا ہے، کوئی طائفہ فاحشہ، بازاری عورت، باندی وغیرہ، ہو تو ادھر کون التفات کرتا ہے لیکن بادشاہ کی بیوی حسن و جمال میں یکتا اور وہ اپنی طرف آمادہ کرے واقعی بڑی سخت آزمائش تھی، اور پھر یہ بھی نہیں کہ دو دن کا یا چند گھنٹوں کا سابقہ

ہو وہاں تو دن رات ساتھ رہنا تھا، واقعی بڑا مشکل مرحلہ تھا، یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا بھی اس سے اندازہ ہوتا ہے، جب دوسری عورتوں نے اس کو ملامت کی تو زلیخا نے ان عورتوں کی دعوت کی اور یوسف علیہ السلام کو کسی بہانہ سے سامنے آنے کا حکم دیا، ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھتے ہی بجائے پھل کاٹنے کے اپنے اپنے ہاتھ کاٹ لئے، ان کا اتنی ہی دیر میں یہ حال ہو گیا، اور زلیخا کا تو دن بھر کا ساتھ تھا اور اس پر بھی اتنا صبر، جب ان عورتوں نے اپنے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تو یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھ کر بے ساختہ کہنے لگیں کہ یہ انسان نہیں فرشتہ ہے، ان عورتوں نے بھی یوسف علیہ السلام کو سمجھایا کہ زلیخا کی بات مان لو، لیکن یوسف علیہ السلام نے بات نہیں مانی۔

تکوینی طور پر بسا اوقات بڑوں سے غلطی کرائی جاتی ہے

جب یوسف علیہ السلام نے یہ ماحول دیکھا کہ یہاں بچنا بہت دشوار ہے، یہ عورتیں بھی میرے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑی ہوئی ہیں اور زلیخا کہتی تھی کہ میری خواہش پوری کرو، میری بات مانو ورنہ جیل خانہ بھجوادوں گی، اس وقت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ یا اللہ اِس مصیبت سے تو قید خانہ میرے لئے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا ٹھیک ہے تم نے اپنے لئے قید خانہ تجویز کیا ہے تو ہم قید خانہ ہی بھیج دیتے ہیں، ورنہ ہم تو اس کے بغیر یعنی جیل خانہ جائے بغیر بھی بچا سکتے تھے، جیل خانہ کی دعاء کیوں کی؟ تم نے اپنی تجویز سے قید خانہ کی دعا کی ہے ہم قید خانہ بھیج دیتے ہیں، بڑوں کی گرفت بھی جلدی ہوتی ہے، معمولی بات پر بھی گرفت ہو جاتی ہے، یوسف علیہ السلام سے اجتہادی چوک ہوگئی اور تکوینی طور پر آپ سے یہ خطا کرائی گئی، آپ کی زبان سے یہ کلمات نکلوائے گئے، تکوینی طور پر جیل خانہ بھیجنا تھا اور وہاں جا کر سیکڑوں ہزاروں کو آپ کے ذریعہ ہدایت دینی تھی اس لئے تکوینی طور پر آپ کی زبان سے یہ جملے نکلوائے گئے۔

جتنا بس میں ہو اتنا کرو آگے اللہ مدد کرتا ہے

ایک مرتبہ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو بہکانے کی پوری کوشش کرڈالی، خوب بن سنور کر سامنے آئی اور محل کے سارے دروازے مقفل کردیئے، اس کے بعد یوسف علیہ السلام کو اپنے مقصد کے لئے بلایا، یوسف علیہ السلام نے انکار فرمایا اور باہر نکلنے کی کوشش کی تو دیکھا کہ دروازہ بند تالا پڑا ہوا، لیکن جتنا یوسف علیہ السلام کے بس میں تھا اتنا کیا دروازہ تک بھاگ کر آئے، اللہ تعالیٰ نے تالا کھول دیا، یوسف علیہ السلام آگے بڑھتے جاتے اور تالے تڑ تڑ ٹوٹ کر گرتے جاتے، جتنا اپنے بس میں ہو اتنا کرتا رہے آگے اللہ تعالیٰ غیب سے حفاظت کا انتظام فرماتا ہے "وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا.

جو حرام سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ حلال طریقہ سے انتظام فرماتا ہے

بعض اسرائیلی روایات میں آیا ہے کہ بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کی شادی ہوگئی تھی، دونوں ساتھ میں میاں بیوی بن کر رہتے تھے، جو حرام سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ حلال طریقہ سے وہ چیز اس کو نصیب کرتا ہے، زلیخا پہلے حرام تھیں یوسف علیہ السلام نے پاکدامنی اختیار کی اللہ تعالیٰ نے حلال کر کے ان کو پیش کردیا۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ایک شاگرد کا عجیب واقعہ

اسی مناسبت سے کہ جو انسان گناہوں سے بچنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ہزار طریقے سے بچاتا ہے، اور بچنے کے طریقے اس کے دل میں القاء فرماتا ہے، اور ان طریقوں کا اختیار کرنا آسان فرمادیتا ہے، اس پر حضرت نے ایک واقعہ سنایا کہ دہلی میں ایک طالب علم حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں روزانہ حدیث پڑھنے جایا کرتا تھا، ایک راستہ سے روزانہ اس کا گذر ہوتا تھا ایک دن ایک مکان کے دروازے پر کھڑی ہوئی لڑکی اس کو بلانے لگی یہ کیوں ادھر جاتے، ادھر رخ بھی نہیں کیا، لڑکی نے کہا

کہ بھائی صاحب میرا ایک خط پڑھ دیجئے، سیدھے طالب علم تھے یہ سوچ کر چلے گئے کہ واقعۃً کوئی خط ہوگا یہ لوگ پڑھنا نہیں جانتے پڑھ دوں گا، جب دروازہ پر پہنچے اس نے کہا کہ یہاں دروازہ میں کھڑے ہوئے اچھا نہیں معلوم ہوتا اندر بیٹھ جایئے، دو منٹ کی بات ہے چند سطر کا خط پڑھ دیجئے، جب اندر پہنچے تو اس نے جھٹ سے تالا بند کر دیا اور کہا کہ خط مجھ کو نہیں پڑھوانا میں نے تو تم کو اس کام کے لئے بلایا ہے اور اپنی خواہش کا اظہار کیا، میں مہینوں سے تمہارا عاشق ہوں، روز تم کو نکلتا ہوا دیکھتی ہوں آج مجھ کو موقع ملا ہے، میری بات مان لو، طالب علم نے کہا میں کہاں جال میں پھنسا، اس نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اور کسی طرح تیار نہیں ہوا، لڑکی نے کہا کہ میری بات نہیں مانتے تو میں ابھی فوراً چلاتی ہوں کہ بدمعاش لڑکا میرے گھر میں گھس آیا مجھ پر حملہ کر رہا ہے، بچ کر جانا مشکل ہو جائے گا، اب یہ بڑے پریشان ہوئے، اس طالب علم کے دل میں اللہ نے ایک بات ڈالی، طالب علم نے لڑکی سے کہا اچھا ذرا پانی لاؤ منھ ہاتھ دھولیں استنجاء کرلیں، لڑکی بڑی خوش ہوئی، فوراً پانی لا کر دیا، یہ بیت الخلاء کے اندر گئے اس زمانہ میں بیت الخلاء آج کل کی طرح فلش نہ تھے، بیت الخلاء میں جتنا پاخانہ اور جتنی گندگی تھی کپڑے اتار کر سب اپنے بدن میں مل لی، اور اسی حال میں باہر آئے اور کہا کہ ہاں بہن کہو کیا کہتی ہو، لڑکی نے جب اس حال میں دیکھا تو کہنے لگی دور ہو بھاگو یہ مجنون اور پاگل معلوم ہوتا ہے، پاگل سمجھ کر گھر سے باہر کر دیا، یہ جلدی سے باہر نکلے ایک دریا میں پہنچ کر جلدی جلدی کپڑے دھوئے غسل کیا اور فوراً شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچے، کپڑے خشک نہ ہوئے تھے، گیلے کپڑے پہن کر ہی پیچھے سبق میں جا کر شریک ہوگئے، سبق میں کافی تاخیر ہوگئی تھی، تھوڑی دیر میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ خوشبو کہاں سے آرہی ہے، کئی مرتبہ یہ جملہ فرمایا کہ ارے یہ خوشبو اتنی عمدہ کہاں سے آرہی ہے، ایسی خوشبو تو کبھی سونگھی نہیں اور یہ طالب علم شرم کی وجہ سے سر نیچے کئے ہوئے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ میرے جسم میں جو گندگی لگی تھی اس کی بدبو ہوگی اس کو شاہ صاحب اس طرح فرمارہے ہیں، عالی

ظرف لوگ اس طرح نہیں کہا کرتے کہ بدبو آرہی ہے، برداشت کرتے ہیں یا پھر اشارہ کنایہ میں کہتے ہیں، سبق ختم ہونے کے بعد اس طالب علم نے حضرت شاہ صاحب کی خدمت حاضر ہوکر معذرت کی اور تنہائی میں عرض کیا کہ حضرت ایسا قصہ پیش آیا تھا جلدی میں میں نے کپڑے دھوئے اس کی وجہ سے بدبو رہ گئی ہو، حضرت کو میری وجہ سے تکلیف ہوئی معاف فرمائیں، شاہ صاحبؒ نے فرمایا بخدا واقعی مجھ کو خوشبو آرہی تھی، میں نے ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی، تم نے گناہ سے بچنے اور اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنے جسم کو بدبودار کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض میں ہمیشہ کے لئے تمہارے جسم کو معطر اور خوشبودار بنادیا، چنانچہ لکھا ہے کہ ہمیشہ ان کے جسم سے خوشبو آیا کرتی تھی۔

جو حرام سے بچتا ہے اللہ اس کے لئے حلال کے دروازے کھولتا ہے

فرمایا کوئی حرام کاموں سے بچ کر تو دیکھے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے حلال دروازے کس طرح کھولتا ہے، اللہ تعالیٰ تو دل کے حال کو جانتا ہے، ایک ایسا شخص اور ایسا طالب علم جس کے پاس صابن نہ ہو اس لئے بغیر صابن کے کپڑے دھوتا ہو لیکن کسی دوسرے کا صابن نہیں چھوتا۔

ایک شخص ننگے پاؤں چلتا پھرتا ہے، ننگے پاؤں استنجاء کرلیتا ہے لیکن کیا مجال ہے کہ کبھی کسی دوسرے کا چپل جوتہ بغیر پوچھے استعمال کرلے، ایک شخص کے پاس پورے کپڑے پہننے کو نہیں ہے، ننگے بدن پھر رہا ہے لیکن کسی کی چوری کرکے کپڑے نہیں پہنتا، بھوک کے مارے بے چین ہے لیکن کسی کا کھانا بلا اجازت چوری کرکے، خیانت کرکے نہیں کھاتا، کیا ایسے شخص پر لوگوں کو رحم نہیں آئے گا؟ کیا ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ دروازے نہیں کھولے گا؟ لیکن یہاں تو پہلے ہی سے نیت خراب ہوتی ہے، اسی لئے برکت نہیں ہوتی اور خیر اٹھتی جارہی ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کا توکل اور شان استغناء

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر والد ماجد کے انتقال کے بعد بڑی تنگی کا دور آیا بعض حضرات نے تجارت کا مشورہ دیا کہ میرٹھ میں تجارت کے اچھے مواقع ہیں وہاں تجربہ کار حضرات کی سرپرستی بھی حاصل رہے گی، جس سے تجارت میں ترقی ہوگی، مگر حضرت نے درس کو چھوڑنا بالکل پسند نہ کیا اور بلا معاوضہ برابر مظاہر علوم میں درس دیا۔

ایک مرتبہ حیدر آباد سے ایک طویل خط آیا جس میں ہر طرح کی راحت اور آسانی کے ساتھ ساتھ علمی اشتغال ہی کے سلسلہ میں جو حضرت کا محبوب مشغلہ ہے، اس ارزانی کے زمانہ میں جب کہ ۲۰ کا گندم ملتا تھا، آٹھ سو روپیہ کی تنخواہ کی ملازمت آئی مگر حضرت نے کسی طرح مظاہر کو چھوڑنا پسند نہ کیا اور تحریر فرمایا۔

"مجھ کو جینا ہی نہیں بندہ احسان ہوکر"

تقسیم ہند سے دو تین سال قبل ڈھاکہ سے خط آیا کہ صرف بخاری شریف اور ترمذی شریف آپ کے درس میں ہوں گی اور بارہ سو روپیہ تنخواہ ہوگی، اس پر بار بار اصرار کیا گیا اور متعدد جوابی تار اور خط بھیجے گئے حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ جن دوستوں نے آپ سے میرا نام لیا ہے، انھوں نے محض حسن ظن سے غلط روایات پہنچائی ہیں یہ ناکارہ نہ اس کا اہل ہے اور نہ متحمل۔ (بیاض صدیقی بحوالہ آپ بیتی)

"یہ ہے ہمارے اکابر کی زندگی جس کو نمونہ بنایا گیا آج کل حالت یہ ہے کہ دینی مدرسہ میں بیس بیس سال تک درس دیتے رہے لیکن ذرا سی مال کے لالچ پر سب چھوڑ کر دوسرے ملک جاکر کمائی میں لگ گئے جس پر نماز تک کی پابندی نہ رہی"۔

(اخیر کی عبارت حضرتؒ نے نظر ثانی کے وقت اپنے قلم سے تحریر فرمائی)

بلاضرورت خدمت کا مزاج نہیں ہونا چاہئے

حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) بخاری شریف کے درس سے فارغ ہوئے، حضرت کی کتاب ایک طالب علم نے اپنے ہاتھ میں لے لی، حضرت نے فرمایا میری کتاب کہاں ہے، لاؤ میں خود لے کر چلوں گا، میں کوئی مجبور ومعذور تھوڑی ہوں، خدمت کی ایسی عادت نہیں ڈالنا چاہئے کہ خادم لئے جارہا ہے اور حضرت اکیلے تشریف لئے جارہے ہیں۔

احقر راقم الحروف نے ادب دعاجزی سے حضرت سے عرض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ضروریات کے لئے تشریف لے جاتے تو بعض صحابہ لوٹا، چھڑی وغیرہ ساتھ لے جاتے، صحابہ خود لے کر جاتے تھے حالانکہ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہوتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی لے جاسکتے تھے، لیکن صحابہ لے جاتے تھے، حضرت نے فرمایا میں ناجائز کب کہتا ہوں، میرا مطلب یہ ہے کہ ایسی عادت نہیں ہونا چاہئے البتہ خادم کو یہی چاہئے، (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں دونوں طرح کے نمونے ہیں)۔

باب ۴

عملیات اور اس کے متعلقات

بزرگوں سے چالبازی مت کرو صاف صاف بات کہہ دو

ایک صاحب حضرت کی خدمت میں اپنی ضرورت سے تعویذ وغیرہ کی ضرورت سے حاضر ہوئے اور لوگوں سے کہتے پھر رہے تھے کہ میں اپنے گاؤں سے ۴/۵ لڑکے پڑھنے کے لئے مدرسہ میں داخل کروں گا (ایسا اس لئے کہہ رہے تھے کہ ان کو معلوم ہوا تھا کہ حضرت اطراف کے اور دیہات کے بچوں کو لالا کر پڑھانے کی کوشش کرتے ہیں، گویا چاپلوسی کے طور پر انہوں نے اس طرح کہا) حضرت کے سامنے اس کا ذکر ہوا، حضرت نے ان سے فرمایا میں کسی لالچ میں کام نہیں کرتا شاید آپ اس وجہ سے کہہ رہے ہوں کہ لڑکوں کا داخلہ کرانے کو کہہ دیں گے تو تعویذ کا کام ہو جائے گا، کام تو میں ویسے بھی کردوں گا۔

بعض لوگ آتے ہیں اور بیعت کے لئے کہتے ہیں، بیعت کے بعد خوب تعویذ لیتے ہیں، سمجھتے ہوں گے کہ بیعت ہو جانے کے بعد خوب کام کروائیں گے لمبی چوڑی تعویذ کی فہرست نکالتے ہیں، اسی لئے میں تعویذ والوں کو بیعت نہیں کرتا، لوگ یہ سوچتے ہیں کہ بیعت کے لئے یہ تو ادھار کھائے بیٹھے ہیں (یعنی منتظر ہیں کہ کوئی آئے اور فوراً اسے بیعت کریں) بعض لوگ یہ سوچتے بھی ہوں گے کہ لوگ خوب آئیں اور

تعداد بڑھے، الحمدللہ یہاں یہ کچھ نہیں جس کو تعویذ لینا ہو لے، بہانہ کیوں بناتا ہے میں کسی کا کام لالچ میں نہیں کرتا اللہ واسطے کرتا ہوں۔

نماز نہیں پڑھو گے تو پریشانی دور نہ ہوگی

ایک صاحب نے پریشانیوں سے نجات کا تعویذ مانگا، حضرت نے فرمایا نماز پڑھتے ہو؟ کہا نہیں، فرمایا جب تم نماز نہیں پڑھتے تو پریشانی کیسے دور ہو سکتی ہے، جب تک نماز کی پابندی نہ کرو گے پریشانی دور نہ ہوگی۔

نماز نہیں پڑھو گے تو تم پر بھوت اور شیطان سوار رہے گا

ایک صاحب حضرت کی خدمت میں تعویذ کی غرض سے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری عجیب حالت ہے، دل میں طرح طرح کے گندے خیالات اور وساوس آتے رہتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، کبھی خودکشی کر لینے کو جی چاہتا ہے، کسی کام میں دل نہیں لگتا اور کسی کام میں مستقل مزاجی نہیں، احساس کمتری کا شکار ہوں، ایسا لگتا ہے کہ ہر وقت شیطان سوار ہے، حضرت نے ان صاحب سے پوچھا کہ نماز پڑھتے ہو؟ کتنے وقت کی پڑھتے ہو؟ ان صاحب نے عرض کیا کہ نہیں پڑھتا، حضرت نے فرمایا جو اصل علاج ہے، اس کو تو کرتے نہیں، ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہو، کرایہ خرچ کرتے ہو ہزاروں روپیہ برباد کرتے ہو، ادھر ادھر کے علاج میں نہ معلوم اب تک کتنا پیسہ خرچ کیا ہوگا، اگر ابھی میں کہہ دوں کہ فلاں جگہ چلے جاؤ فلاں ڈاکٹر اچھا ہے اس سے علاج کراؤ فائدہ ہوگا تو ہزاروں روپیہ خرچ کر ڈالو گے لیکن اصل علاج جو بتلاتا ہوں اس کو کرتے نہیں، اس کے کرنے میں جان نکلتی ہے، جب تم نماز نہیں پڑھو گے تو تم پر شیطان نہیں سوار ہوگا تو اور کیا سوار ہوگا، اور جب شیطان ہر وقت مسلط رہے گا تو گندے خیالات اور وساوس نہ آئیں گے تو کیا اچھے خیالات آئیں گے، میں سچ کہتا ہوں اگر آج ہی سے تم نماز کا اہتمام شروع کر دو، صفائی کا اور پاکی کا اہتمام رکھو، پانچوں وقت وضو کرو اور وضو کر کے سورہ اِنّا انزلنا پڑھو، اور وضو کا بچا ہوا پانی

کھڑے ہوکر آسمان کی طرف منہ کر کے پیو دیکھو نہ فائدہ ہوا تو کہنا یہ ہے اصل علاج، یعنی اللہ کی طرف انابت، توبہ، استغفار، دعاء، نماز کی پابندی، اس سے دل کو سکون ملتا ہے یہ تو کرتے نہیں محض تعویذ سے کام چلانا چاہتے ہیں، کتابوں میں لکھا ہے کہ بے نمازی کے لئے اگر غوث قطب بھی دعاء کریں تو اس کے حق میں ان کی دعاء قبول نہیں ہوتی، تعویذ بے چارہ کیا کرے گا۔

نماز نہیں پڑھو گے تو تعویذ سے فائدہ نہ ہوگا

ایک صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مختلف پریشانیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد ان پریشانیوں سے نجات اور خیر و برکت کے لئے تعویذ مانگا، حضرت نے فرمایا نماز پڑھتے ہو؟ اس پر وہ صاحب خاموش رہے کچھ جواب نہیں دیا، حضرت نے فرمایا تم ہزار تعویذ باندھ لو، گلے میں نہیں دل کے اندر لٹکالو تب بھی فائدہ نہ ہوگا، جو شخص نماز کا پابند نہ ہوگا اس کے مال میں خیر و برکت نہیں ہو سکتی، ایسا شخص ہمیشہ پریشان رہتا ہے، قرآن حدیث غلط تھوڑی ہو سکتے ہیں۔

تعویذ عالموں کے لئے نہیں جاہلوں کے لئے ہوتے ہیں

ایک عالم صاحب نے مختلف اغراض کے لئے تعویذ مانگے، حضرت نے فرمایا تعویذ، گنڈے عالموں کے لئے نہیں جاہلوں کے لئے ہوتے ہیں، جو پڑھنا نہیں جانتے، اہل علم کے لئے تو خود پڑھنا ہے، پھر ان عالم صاحب کو تعویذ نہیں دیا۔

تعویذ میں غلو

آج کل تعویذ کی بابت لوگوں نے بہت غلو کر رکھا ہے، یہ سمجھتے ہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ ویسے تو میرا کام کرتے نہیں چلو فلاں صاحب سے تعویذ لکھالو، تعویذ گویا فلاں صاحب کا حکم ہے ان کا فرمان ہے اب تو اللہ تعالیٰ کو ضرور یہ کام کرنا پڑے گا نعوذ باللہ، سمجھتے ہیں کہ تعویذ ہی سے سب کچھ ہو جائے گا۔

بچوں کی اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں اہم ہدایت

بچوں کی ضد سے پریشان نہ ہونا چاہئے

ایک صاحب نے حضرت سے بچے کی اصلاح کے لئے تعویذ مانگا، عرض کیا کہ حضرت بچہ بہت ضد کرتا ہے ایسا تعویذ دے دیجئے کہ بچہ ضد نہ کرے، حضرت نے فرمایا کہ بچہ نہیں تو کیا بوڑھا ضد کرے گا، بچے ہی تو ضد کرتے ہیں، حضرت نے پوچھا کتنے سال کا ہے کہا تین چار سال کا ہے، فرمایا تین سال کا بچہ ضد نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا، بچے ضد کرتے ہی ہیں، ہر بات کا تعویذ نہیں ہوتا تم لوگ تو ذرا میں پریشان ہوجاتے ہو، بچوں کو اتنا زیادہ مہذب بنانے کی کوشش نہ کرو، (کہ وہ ضد بھی نہ کریں) زیادہ پیچھے نہ پڑو، جو لوگ شروع سے ہی ان کو زیادہ مہذب اور بزرگ بنانے کی کوشش کرتے ہیں آگے چل کر ان کے بچے اور خراب ہوجاتے ہیں، البتہ اس کی کوشش کرنا چاہئے کہ عادتیں خراب نہ ہونے پائیں، اس کی تو فکر نہیں کرتے، بچہ کی ضد سے پریشان ہوتے ہیں، اسی ضمن میں فرمایا کہ ایک جگہ ایک صاحب کسی سے ملاقات کے لئے گئے، دستک دی اندر سے بچہ آیا اس سے پوچھا کہ ابا ہیں، بچہ اندر گیا اور اس نے واپس آکر جواب دیا کہ ابا کہہ رہے ہیں کہہ دو کہ نہیں ہیں، یہ اسی علاقہ کا واقعہ ہے، اس طرح کے اخلاق کا بچوں پر بہت برا اثر ہوتا ہے، ان کی بھی عادتیں خراب ہوتی ہیں، اور وہ بھی شروع سے جھوٹ بولنے کے عادی ہوجاتے ہیں، ایسی حرکتوں سے بچوں کو بچانا چاہئے۔

تعویذ والوں کی وجہ سے پریشانی اور دینی نقصان

فرمایا اب تو تعویذ والوں کی اتنی بھیڑ ہوگئی ہے کہ میں سخت پریشان ہوگیا ہوں، اس کی وجہ سے کچھ لکھ پڑھ نہیں پاتا، تین دن سے لکھانے کا ناغہ ہورہا ہے، پہلے تقریر لکھتا ہوں اسی کا املاء کراتا ہوں، اور تعویذ والوں کی وجہ سے لکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا، سو ڈیڑھ سو آدمی آجاتے ہیں ایسا میں نے کہیں نہیں دیکھا، اب تو یہی صورت ہے کہ میں یہاں

سے کہیں چلا جاؤں، بہت پریشان ہوگیا ہوں، تعویذ تو تعویذ جتنے لوگ آتے ہیں ان کے ناشتہ کھانے میں اچھا خاصا خرچ ہوتا ہے، ابھی جو یہ گاڑی آئی تھی سیکڑوں کے تھے گئی ہوگی، خیر کھانے کی اتنی بات نہیں جو کھاتا ہے اپنے مقدر کا کھاتا ہے لیکن میں اتنا وقت کہاں سے لاؤں، میرے پاس اتنا وقت تو ہے نہیں کہ ہر ایک کی تفصیلی بات سنوں۔

سمجھ دار اور دین دار لوگوں کو بھی سحر وآسیب کا وہم

ایک صاحب حضرت سے تعویذ لینے آئے اور عرض کیا کہ حضرت ایسا لگتا ہے کہ کوئی ہمارے پیچھے لگا ہے، کسی نے کچھ کرا دیا ہے، حضرت نے فرمایا عجیب بات ہے، آج کل جس کو دیکھو ہر ایک یہی کہتا ہے کہ سحر وآسیب کا اثر ہے، جہاں ذرا کوئی پریشانی یا بیماری آئی فوراً زبان پر یہی آتا ہے کہ کسی نے کچھ کرا دیا، سحر کا یا آسیب کا اثر ہے، اس میں اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ بلکہ بڑے بڑے علماء تک مبتلاء ہیں، بیماری ہو تو بھی سحر ہے، پریشانی ہو تو کسی نے کچھ کر دیا، کوئی نقصان ہو تو بھی کوئی پیچھے پڑا ہے، تعجب ہے کہ اچھے اچھے موحد اور توحید کا سبق سکھانے والے، تبلیغ کرنے والے وہ بھی اس میں مبتلا ہیں اور یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ صاحب کسی نے کچھ کر دیا، اللہ رحم کرے اس وہم کی وجہ سے ایسی ایسی بدگمانیاں قائم کی جاتی ہیں کہ فلاں رشتہ دار نے یا فلاں شخص نے کچھ کرا دیا، اس کو ایسا حق اور یقینی سمجھتے ہیں جیسے آسمان سے وحی نازل ہوگئی ہے کہ واقعی فلاں ہی کے کرنے سے یہ ہوگیا ہے، اسی نے کچھ کر دیا ہے۔

ارے جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے، سحر بھی اگر ہوا اور اس کا اثر ہوا تو بھی اللہ ہی کے کرنے سے ہوا، اللہ کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، جب اللہ ہی سب کچھ کرنے والا ہے، تو اللہ کی طرف کیوں نہیں متوجہ ہوتے، اس سے دعاء کیوں نہیں کرتے یا نعوذ باللہ شیاطین اور خبیث اللہ کی حکومت میں ایسے دخیل بن گئے کہ اللہ پر بھی نعوذ باللہ غالب آگئے، اور اللہ تعالیٰ ان کے سامنے کچھ نہیں کرسکتا، جنات بھی اگر کچھ کرتے ہیں تو کرتے ہیں جنات لیکن اللہ کی مشیت سے کرتے ہیں تو

پھر اللہ کے سامنے کیوں نہیں جھکتے، توجہ الی اللہ، دعاء اور انابت الی اللہ اصل علاج ہے، اس کو کوئی نہیں کرتا، تعویذ تعویذ چلایا کرتے ہیں، میرے گھر میں بھی جنات رہتے ہیں، کئی مرتبہ اس کے آثار بھی نظر آئے لیکن کبھی کچھ شرارت نہیں کی، ارے جنات خود کیا کرے گا جو کرے گا اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے کرے گا، میرے گھر میں بھی لوگ بیمار رہتے ہیں ہر وقت کوئی نہ کوئی پڑا رہتا ہے، چارپائی خالی نہیں رہتی کوئی نہ کوئی بیمار ہی رہتا ہے تو میں بھی کہوں کہ کسی نے کچھ کرا دیا ہے، کسی نے جادو کر دیا ہے، کوئی پیچھے پڑا ہے، میں تو کبھی نہیں کہتا، بیماری وشفا سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہے کسی کے کرنے سے کیا ہوتا ہے، ایک مسلمان کو اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھنا چاہئے، میرے اوپر بھی سحر کیا گیا اور اس کا اثر بھی ہے لیکن آدمی اللہ پر توکل کرے اسی سے تعلق جوڑے جو کہنا ہو اسی سے کہے، اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرے۔

حاسدین کے شر سے حفاظت کا ایک عمل

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حاسدین سے بہت پریشان ہوں میرے بہت دشمن اور حاسد ہیں، ہر وقت خطرہ رہتا ہے کوئی کچھ کر نہ دے، حضرت نے فرمایا روزانہ صبح وشام سورۂ فاتحہ وسورۂ فلق وسورۂ ناس تین تین بار پڑھ کر دم کر لیا کرو۔

نگاہ تیز ہونے کا ایک عمل

ایک صاحب نے ضعف بصر ونگاہ کی کمزوری کی شکایت کی، فرمایا نماز پڑھنے کے بعد درود شریف پڑھ کر انگلی پر دم کر کے آنکھوں پر پھیر لیا کرو، انشاء اللہ شفاء ہوگی اور نگاہ تیز ہوگی۔

تعویذ سے فائدہ نہیں ہوا تو بس اب اللہ سے دعاء کرو

ایک صاحب نے حضرت سے تعویذ لیا تھا، دوبارہ آکر عرض کیا کہ حضرت تعویذ سے فائدہ نہیں ہوا، حضرت نے فرمایا کہ تعویذ سے فائدہ نہیں ہوا تو بس اب اللہ سے دعاء کرو، اصل چیز تو دعاء ہے، یالطیف (جو حق تعالیٰ کا نام ہے جس کا مطلب ہے اے لطف ومہربانی کا معاملہ کرنے والے) اس کو پڑھ کر اللہ سے دعاء کریں انشاء اللہ دعاء قبول ہوگی۔

بیماری یا وہم

ایک مرتبہ حضرت پر شدید، دل کا دورہ پڑا تھا جس سے لوگوں کی امیدیں ختم ہو چکی تھیں، حضرت کانپور میں زیر علاج تھے، شہر کانپور کے تمام بڑے ڈاکٹر حضرت کے علاج کی طرف پورے طور پر متوجہ تھے الحمد للہ حضرت کو شفاء ہوئی اس کی خوشی میں میزبان صاحب نے کانپور کے تمام بڑے ڈاکٹروں اور معزز حضرات و محبین کی دعوت کی تھی حضرت بھی اس میں تشریف فرما تھے) اس دعوت میں بہت سے بڑے ڈاکٹر بھی مدعو تھے، جو حضرت اقدس سے عقیدت و محبت رکھتے تھے، ڈاکٹروں کے درمیان دسترخوان پر حضرت اقدس جلوہ افروز تھے، مختلف تذکرے چل رہے تھے ایک ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا کہ کثرت سے مریض ایسے آتے ہیں کہ بیماری تو ان کو کچھ نہیں ہوتی خوامخواہ پریشان ہوتے ہیں، سیکڑوں روپیہ برباد کرتے ہیں، مجبوراً نفسیاتی طور پر ان کا علاج کرنا پڑتا ہے، اور اسی سے ان کو شفاء ہوتی ہے۔

ایک صاحب کی بیماری کا تذکرہ ہوا کہ اتنے بڑے بڑے ڈاکٹروں نے جانچ کر ڈالی لیکن مرض کی تشخیص نہیں ہو سکی، کتنی جانچیں کروالیں مرض کا سراغ نہ لگ سکا بعد میں معلوم ہوا کہ کچھ نہیں انکو صرف ملیریا بخار ہے، ایک ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا کہ یہ بھی اللہ کی شان ہے کہ اتنا عام مرض ملیریا، لیکن بڑے بڑے ڈاکٹر سب پریشان تھے اور مرض کی تشخیص نہیں کر سکے۔

ڈاکٹر صاحب دینی مزاج کے ہیں فرمانے لگے کہ باندا اطراف اور مودھا وغیرہ کے جو مریض آتے ہیں ان کے عقائد اکثر خراب ہوتے ہیں وہاں کام کی زیادہ ضرورت معلوم ہوتی ہے، عجیب عجیب طرح کے ان کے عقائد ہوتے ہیں سن کر تعجب ہوتا ہے، اس پر حضرت نے ایک واقعہ ارشاد فرمایا۔

ایک واقعہ

حضرت نے بیان فرمایا کہ نجیب (حضرت اقدسؒ کے منجھلے صاحبزادے) کے خسر

کے خسر صاحب بڑے دیندار تھے صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، اولاد کوئی نہیں تھی، بڑے ارمانوں کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا اور بیس پچیس سال کی عمر میں اس کا بھی انتقال ہو گیا اب ان کا برا حال نماز وغیرہ سب چھوڑ دی اور یہاں تک کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے میرا لڑکا مار ڈالا، میرا ایک لڑکا اللہ میاں سے نہ دیکھا گیا، اتنے دن سے میں نماز پڑھتا ہوں میرا لڑکا چھین لیا، عجیب عجیب طرح کے کفریہ کلمات زبان سے نکالا کرتے تھے، دہریہ ملحد ہو گئے تھے، نماز وغیرہ سب چھوڑ بیٹھے تھے، ہم لوگ سمجھاتے تو اس کا اور الٹا اثر ہوتا، بہت دن اس طرح گذر گئے کافی عرصہ بعد پھر ایک لڑکی پیدا ہوئی اور وہ بھی اتفاق سے ایک دن کنویں میں گر پڑی بس فوراً یہ اللہ کے حضور میں گر پڑے اور کہنے لگے ارے میرے اللہ اسے بچالے تو ہی بچا سکتا ہے، لڑکی بچ گئی اور اس کے ایک خراش تک نہ آئی بالکل صحیح وسالم نکل آئی اس کے بعد وہ کہتے تھے کہ میرے اللہ نے لڑکی بچادی، اللہ کا بہت شکر ادا کرتے تھے، اور اس سے پہلے کفریہ کلمات جو بکا کرتے تھے اس پر بہت نادم تھے، بہت توبہ واستغفار کی، ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے، ہر وقت تسبیح ہاتھ میں رہتی اور اسی حال میں اللہ اللہ کرتے ان کا انتقال ہوا، جب انتقال ہوا ہے اس وقت تسبیح ان کے سینہ پر تھی۔

باندا کے منّو بھائی کا قصہ

بیوی نیک ہو تو شوہر کو بھی نیک بنا دیتی ہے

اسی ضمن میں شہر باندا کے منو بھائی کا تذکرہ فرمایا کہ ان کا بھی عجیب حال تھا، اللہ نے بہت کافی مال دولت سے نوازا تھا اور شروع ہی سے وہ مجھے بہت مانتے تھے، میرا بہت خیال رکھتے تھے، ان کے اندر اللہ نے بعض ایسی خوبیاں رکھی تھیں، جو باندا بھر میں کسی میں نہ ہوں گی، باندا کی جامع مسجد کا پورا انتظام انھیں کے ذریعہ سے ہوتا تھا، باندا میں جو عیدگاہ بنی ہے وہ بھی انہیں کی کوشش وایثار کا نتیجہ ہے، بس کمی ان میں یہ تھی

کہ شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے، لیکن بعد میں ایسے حالات بدلے اور ایسی کایا پلٹی کہ بڑے پکے دیندار ہو گئے تھے، ہاتھ میں تسبیح آ گئی، پانچوں وقت کی نماز باجماعت پابندی سے پڑھتے تھے، مسجد میں جھاڑو اپنے ہاتھ سے لگاتے تھے، تمام گناہوں سے توبہ کی، حج کیا، اور ان کا حال بہت اچھا ہو گیا اور یہ سب ان کی بیوی کی برکت تھی، ان کی بیوی بڑی دیندار تھیں، منو بھائی کو دیندار بنانے میں ان کا بڑا دخل ہے وہ مجھے اکثر بلایا کرتی تھیں اور میرے ذریعہ سے ان کو نصیحت کراتی تھیں، میرے اوپر بھی ان لوگوں کے بڑے احسانات ہیں ان کے یہاں جانے کی وجہ سے مجھے بہت باتیں بھی سننا پڑیں لوگ کہا کرتے تھے کہ مالدار ہیں پیسے والے ہیں اس لئے بار بار وہاں جاتے ہیں میں سوچا کرتا تھا خوب کہہ لو جو کہنا ہے خدا جانتا ہے میں کیوں جاتا ہوں، ان کی بیوی مجھ کو بلاتیں اور کہتیں کہ مولانا ان کو سمجھائیے، ان کو سنبھالے رہئے دین کی وجہ سے بلاتی تھیں، اس وجہ سے مجھے جانا پڑتا تھا۔ الحمد للہ اس کا اچھا اثر ہوا۔

شہر باندا میاں حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی تشریف آوری اور مخالفین کی فتنہ انگیزی اور اللہ کی نصرت کا عجیب واقعہ

حضرت نے فرمایا شروع میں ہم نے ایک مرتبہ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کو باندا میں تشریف آوری کی دعوت دی تھی، رمضان کا مہینہ تھا، میں ہتورا میں اعتکاف کئے ہوئے تھا اس وقت اطلاع ملی کہ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے دعوت قبول فرمائی ہے، اور شوال کی ابتدائی تاریخوں میں تشریف لائیں گے، میں بڑا متفکر ہو گیا کہ اتنی جلدی کیسے انتظامات ہو سکتے ہیں، باندا کے منو بھائی اور شمیم محسن صاحب کے والد صاحب ہمارے بڑے محسنین میں سے ہیں، ان کو جب معلوم ہوا تو ان لوگوں نے میرے پاس اطلاع بھیجی کہ مولانا آپ بالکل پریشان نہ ہوں، سارا انتظام ہم لوگ کر لیں گے، آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں، چنانچہ انتظامات کئے گئے، جب قاری صاحب کی تشریف

آوری کا وقت قریب آیا تو منو بھائی چونکہ بڑے با اثر اور با اقتدار تھے اپنی کوشش سے بہت سے لوگوں کو قاری صاحب کے استقبال کے لئے جمع کیا، اور مجمع کے ساتھ قاری صاحب کو لینے کے لئے اسٹیشن پہنچے، پورا اسٹیشن اور پلیٹ فارم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، بڑا شاندار استقبال ہوا، اتنا بڑا مجمع کسی کے استقبال کے لئے باندا میں کبھی نہیں ہوا، کسی بڑے سے بڑے عہدے دار کی آمد پر بھی اتنا مجمع نہ ہوتا تھا، باندا والوں نے کسی کے استقبال میں اتنا بڑا مجمع پہلی بار دیکھا تھا، بھرے مجمع کے بیچ سے قاری صاحب تشریف لائے فرشتہ صفت انسان نورانی چہرہ سب دیکھتے رہ گئے۔

اہل بدعت کی فتنہ انگیزی اور ناکام سازش

باندا کے بدعتیوں کو جب علم ہوا کہ قاری محمد طیب صاحب دیوبندی تشریف لا رہے ہیں تو انہوں نے بڑا شور برپا کیا کہ وہابیوں کا امام آرہا ہے پورا زور لگا دیا کہ باندہ کی سرزمین میں قاری صاحب تشریف نہ لاسکیں، کوتوالی میں جاکر اطلاع کردی کہ ان کے آنے سے فتنہ کا خطرہ ہے، دیگر افسران سے مل کر پابندی لگانا چاہی تھی لیکن شمیم محسن کے والد صاحب خود مجسٹریٹ تھے، بڑے افسران سے ان کے گہرے روابط تھے، اس لئے مخالفین کی کچھ نہ چلی، بدعتیوں نے بڑا زور لگایا اور بہت شور وغل مچایا بڑے بڑے لوگوں کے پاس جاکر کہا کہ ان کو ہرگز نہ آنا چاہیے، پولیس داروغہ سب سے ملے، جب زیادہ تدبیریں کیں تو شمیم محسن صاحب نے ایک اور تدبیر اختیار کی اور یہ کیا کہ سب کی دعوت کردی مخیرؔ آدمی تھے، اللہ نے خوب دیا بھی تھا چنانچہ عمومی پیمانہ پر باندا کے تمام بڑے بڑے لوگوں کی دعوت کردی اور اس طرح سب کا منھ بند کردیا، جب ہر طرف سے مخالفین ناکام ہوئے تو ایک تدبیر اور اختیار کی کہ اطراف اور دیہاتوں میں جاجا کر پروپیگنڈہ کیا کہ ایک وہابی کافر آرہا ہے کوئی اس سے ملنے نہ جائے اس کی تقریر نہ سنی جائے پورا علاقہ میں ہلچل مچ گئی اور ان لوگوں نے پورا زور لگا دیا کہ ایک آدمی بھی جلسہ میں شریک نہ ہونے پائے، منو بھائی کو جب اس کا علم ہوا تو

اپنی تمام گاڑیاں بالکل فری کردیں اس وقت ان کی بارہ گاڑیاں چلتی تھیں چاروں طرف بسیں پھیلادیں جس کو آنا ہو آئے کوئی کرایہ نہیں، پھر کیا تھا کھچا کھچ بھرے ہوئے آدمی گاڑیوں سے آنے لگے اطراف اور دیہات سے کافی لوگ جمع ہوگئے۔

ان کم بختوں نے ایک شرارت اور کی کہ عین وقت میں جب کہ مجمع کافی ہوچکا تھا جامع مسجد کا سارا پانی جو ٹنکیوں میں بھرا ہوا تھا سارا پانی چپکے سے بہادیا، اب پینے کے لئے پانی نہیں، بڑی سخت پریشانی ہوئی کہ اب کیا کرنا چاہئے فوراً کچھ لوگوں نے یہ تدبیر اختیار کی شہر سے گھروں گھروں سے رسی بالٹی مانگ لائے اور کنویں سے پانی کھینچنا شروع کیا، دیہات کے لوگ تو تھے ہی تھوڑی دیر میں دیکھا کہ پوری ٹنکی اور خالی ڈرم سب بھر گئے، اس طرح پانی کا انتظام ہوگیا، اس کے بعد جو قاری صاحب کا بیان ہوا ہے واقعی وہ بیان تھا، اور قاری صاحب کا تو ہر بیان عجیب وغریب ہوتا تھا۔

(یہ ہے اللہ کی کھلی نصرت وحمایت حضرت اقدس دامت برکاتہم تو اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے اسی وقت آپ کو قاری صاحب کی تشریف آوری کی اطلاع ملی، اعتکاف کی حالت میں حضرت نے اللہ سے دعاء مانگی گریہ وزاری کی اللہ نے غیب سے کس طرح انتظام فرمایا اور مخالفین کی سازشوں کو کس طرح ناکام کیا واقعتہً دعاء اور اخلاص میں بڑی طاقت ہے سچ ہے "مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ ، جو اللہ کا ہوجاتا ہے اور جس کا ہر کام اللہ واسطے ہوتا ہے اللہ اس کا ہوجاتا ہے اور اس کے سارے کام بناتا ہے۔)

حج بازی

اسی ضمن میں شمیم محسن صاحب کے والد صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بڑے عجیب وغریب آدمی تھے، بڑے مخیّر تھے، رزق حلال کا اہتمام تھا، بھونسے کی تجارت کرتے تھے، اور بھونسہ بیچ کر حج کرنے جاتے تھے، کہا کرتے تھے کہ کسی کو کسی چیز کا شوق ہوتا ہے وہ اس میں بازی لگاتا ہے اور شوق پورا کرتا ہے، کسی کو کبوتر بازی، تیتر بازی پتنگ بازی کا شوق ہوتا ہے اور وہ اس میں بازی لگاتا ہے ہم کو حج کا شوق ہے ہم حج کی بازی

لگاتے ہیں چنانچہ ہر سال حج کرنے جاتے تھے، اور صرف اپنی کمائی سے بھونسہ بیچ کر،
وَفِي ذَالِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ.

یہ ساری گفتگو حضرت اقدس بڑے ڈاکٹروں کی مجلس میں ناشتہ کی دعوت کے موقع پر فرمارہے تھے، دسترخوان پر قسم قسم کی نعمتیں سجی ہوئی تھیں، اندازہ لگایئے کانپور کے بڑے ڈاکٹروں کی دعوت میں کس قسم کے انتظامات ہوں گے ان ہی کے بیچ میں حضرت بھی تھے، سارے لوگ حضرت کے کی طرف متوجہ تھے۔

قاری محمد صدیق صاحب لکھنویؒ اور حضرتؒ کی تواضع کا حال

حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ اس قسم کا دسترخوان دیکھ کر مجھے حضرت قاری محمد صدیق صاحب کا ایک جملہ یاد آتا ہے، قاری صاحب اس علاقہ میں کثرت سے آیا کرتے تھے، برولی بھی کئی مرتبہ تشریف لائے ہیں اس وقت برولی کے حالات بہت اچھے تھے، پورے علاقہ میں برولی سے اچھا کوئی قصبہ نہ تھا، سب شریف لوگ آباد تھے، قاری صاحب تشریف لاتے تو پورے قصبہ میں ہلچل مچ جاتی خوشی کی لہر دوڑ جاتی، قاری صاحب کے اعزاز میں قسم قسم کے کھانے پکتے تھے، دسترخوان لگتا گھر میں جو پکتا تھا ہر شخص قاری صاحبؒ کے لئے بھیجتا، ایک مرتبہ تشریف لائے تو اسی طرح دسترخوان میں قسم قسم کے کھانے لگے تھے کئی طرح کی نعمتیں جمع ہوگئیں اس وقت قاری صاحبؒ نے ایک جملہ فرمایا وہی جملہ مجھے بھی بار بار یاد آتا ہے کہ یا اللہ یہ لوگ تو مجھے ایک عالم اور بزرگ سمجھ کر کھلاتے ہیں اہتمام کرتے ہیں اور میں ایسا ہوں نہیں یہ کہہ کر قاری صاحب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور فرمایا ان کی تو بن گئی مجھے نیک سمجھ کر یہ برتاؤ میرے ساتھ کرتے ہیں لیکن میرا کیا ہوگا، قاری صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا مجھے بھی لوگ کچھ سمجھ کر بلاتے ہیں دعوت کرتے ہیں اور میں ایسا ہوں نہیں یہ کہہ کر حضرت بھی آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا میں تو ایک دیہات کا رہنے والا ہوں اس قسم کی نعمتیں ہم نے کبھی دیکھی بھی نہیں، بس یہ اللہ کا احسان ہے اس کا فضل وکرم ہے۔

حضرت نے فرمایا قاری صاحب کے اس علاقہ اور برولی پر اور مجھ پر بڑے احسانات ہیں علاقہ میں کئی کئی روز تک ان کے پروگرام ہوتے تھے ان کی تقریریں صاف اور سلجھی ہوئی عام فہم ہوتی تھیں، ایک مرتبہ تشریف لائے اور گیارہ بارہ روز تک قیام فرمایا آج یہاں پروگرام ہے تو کل وہاں پروگرام ہے دیہات میں بیل گاڑی سے سفر ہوا کرتا تھا، بخار آگیا بخار کے حال میں بھی برابر سفر کرتے رہے کچھ لوگوں نے کہا بھی کہ حضرت اس حال میں سفر کوئی ضروری نہیں میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کا کیا ہوگا اس نے پہلے سے پروگرام طے کر رکھا ہے اس بیچارہ کا کیا ہوگا لوگ اس کو کیا کہیں گے ذلت ہوگی بدنامی ہوگی۔ (اللہ تعالیٰ ہمارے ان تمام اکابر کی قبر کو نور سے بھر دے اور ہم کو بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے)۔

بس کے ذریعہ سفر حج

ایک نوجوان حضرت کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ہم نے ایک پارٹی بنائی ہے، بس یا کار کی سواری سے ہم لوگ حج کرنے جائیں گے، حضرت نے فرمایا اس طرح کرنا کوئی ضروری تو ہے نہیں، کیوں خواہمخواہ پریشانی مول لی جائے، اس نوجوان نے کہا کہ ہم نے قانونی کاروائی کر لی ہے سرکار حفاظت کرے گی، حضرت نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے لیکن بعض دوسرے ممالک راستہ میں پڑتے ہیں، جہاں سے گذرنا ہوگا، کچھ اطمینان نہیں کیسے حالات ہوں، کچھ بھی خطرہ ہوسکتا ہے، طرح طرح کی پریشانیاں آسکتی ہیں الغرض حضرت نے اس نوجوان کی اس تجویز کو ناپسند کیا اور فرمایا اچھا جائیے بعد میں بات کیجئے گا، اس کے بعد وہ صاحب احقر کی موجودگی میں نہیں آئے۔

سود خور کا قصہ

ایک پروگرام کے تحت حضرت اقدس (جامع العلوم پٹکاپور کانپور) تشریف لائے تھے شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب بھی تشریف فرما تھے، حضرت نے

ارشاد فرمایا کہ ہمارے اطراف کا قصہ ہے ایک سودخور بہت سودی لین دین کرتا تھا، جب اس کا انتقال ہوا تو اس کے لئے قبر کھودی گئی، پوری قبر کھد جانے کے بعد بھی دفن کرنے سے پہلے زمین خود بخود فوراً مل جاتی اور میت کو دفن نہ کر سکتے تھے، دوبارہ قبر کھودی جاتی پھر مل جاتی، کئی قبریں کھودی گئیں ہر مرتبہ یہی ہوا گویا زمین نے بھی اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا سب لوگ بڑے پریشان ہوئے، اس علاقہ کے بڑے عالم مولانا ظہور الحسن صاحبؒ تھے، ان کو بلایا گیا انہوں نے دیکھا اور اللہ سے دعاء کی کہ ''یا اللہ تو نے جس کام کا حکم دیا ہے وہ ہم کو کر لینے دے تیرا بندہ ہے پھر تو جو چاہے کرے'' چنانچہ اس کے بعد جب قبر کھودی گئی وہ کھلی رہی اور اسی میں اسے دفن کر دیا گیا، اوپر سے مٹی ڈال دی گئی، مٹی ڈال کر فارغ ہی ہوئے تھے دیکھا کہ فوراً اچانک اک دم سے قبر کے اندر سے دھواں نکلا، تمام لوگوں نے اس کو دیکھا، یہ قصہ ہمارے اطراف کا ہے، یہ نحوست ہوتی ہے سودخور کی اللہ بچائے۔

سورۂ فاتحہ کی مختصر تفسیر

سورۂ فاتحہ کا درس دیتے ہوئے درمیان میں ارشاد فرمایا سورہ فاتحہ دراصل دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں اپنے بندوں کو دعاء کرنے اور مانگنے کا طریقہ بتایا ہے، جب کوئی کسی سے مانگتا ہے تو پہلے اس کی تعریف، اس کی حمد وثناء کرتا ہے چنانچہ شروع کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی حمد ہے اس کی صفت رحمٰن ورحیم کا ذکر ہے، یوم جزاء یعنی قیامت کے دن اس کی مالکیت وحاکمیت کا تذکرہ ہے یہ تو اس کی تعریف ہوئی، اس کے بعد بندہ نے اپنے رشتہ کو بیان کیا ہے کہ ہمارا آپ سے کیا تعلق ہے، آپ میرے آقا ہیں، ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں، آپ کے علاوہ ہم کسی اور سے سوال نہیں کرتے، اور ہم آپ سے مانگتے کیا چیز ہیں؟ سیدھا راستہ، ہم کو سیدھا راستہ دکھادے، کون سا سیدھا

راستہ؟ ارے وہی سیدھا راستہ جس پر چل کر لوگ کامیاب ہوتے ہیں، اور جن پر آپ نے انعام کیا ہے وہی راستہ ہم کو بھی بتادے، اللہ کی طرف سے گویا جواب ملا کہ اچھا یہ راستہ مانگتے ہو لو یہ کتاب (قرآن پاک) ہدایت نامہ ہے، چنانچہ ارشاد ہے "**ذالک الکتاب لاریب فیه، هدیً للمتقین**، یہی سیدھا راستہ ہے، اس کو پڑھو، اس کے مطابق عمل کرو کامیاب ہوجاؤ گے، یہ ہے ربط سورہ فاتحہ کی آیتوں کے درمیان۔

آگے فرمایا "**ایاک نستعین**" کہ ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، اس میں نستعین کا مفعول اور متعلق ذکر نہیں کیا گیا کہ کس چیز میں مدد چاہتے ہیں تاکہ ہر چیز کو عام ہوجائے، یعنی ہم تجھ سے ہر ہر کام میں مدد چاہتے ہیں، چھوٹا کام ہو یا بڑا، اور ہے بھی یہی چیز کہ اللہ تعالیٰ سے ہر کام میں مدد مانگنا چاہئے، اور اسی سے استعانت کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء نہ کرنا اور اس سے نہ مانگنا اور ادھر ادھر مزاروں میں جا کر ٹکریں مارنا اس میں اللہ تعالیٰ کی بے ادبی اور اس کی توہین بھی ہے، یہ تو ایسا ہے کہ غلامی تو کریں ہم آپ کی، عبادت تو کریں ہم تیری اور مانگیں دوسرے سے، ہاتھ پھیلائیں دوسرے کے سامنے، اس میں آقا کی واقعی توہین ہے، اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ ہمارا آقا ایسا ہے کہ ہمارا کچھ خیال نہیں کرتا، اس لئے دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلا رہا ہے، روٹی کا ایک ٹکڑا دے دے، کپڑا پہننے کو دے دے، گویا اس کے آقا کا خزانہ خالی ہوگیا اس کے پاس کچھ نہیں رہا، یا پھر یہ کہ آقا اپنے غلام کو کچھ دیتا نہیں۔

جس کے خزانے میں سب کچھ ہو اور جو زمین وآسمان کا بادشاہ اور مالک ہو اس کو چھوڑ کر دوسرے کے در پر جا رہا ہے، اور پکار رہا ہے کہ غوث اعظم، بڑے پیر صاحب میری مدد کیجئے ہم تیری مدد کے محتاج ہیں ہم کو لڑکا دے دے، گویا اللہ تعالیٰ کا خزانہ خالی ہوگیا ہے اور اس کی قدرت ختم ہوگئی ہے اب تو جو کچھ ملے گا دوسروں ہی کے در سے ملے گا، تب ہی تو بھاگا چلا جا رہا ہے، مزاروں کی طرف اور وہاں جا کر چادریں چڑھاتا ہے، نعوذ باللہ من ذالک۔

۵
باب

اصلاح معاشرہ

نکاح ایک عبادت ہے اس کو عبادت سمجھ کر مسجد میں کرنا چاہئے

مغرب بعد مسجد میں ایک نکاح ہوا جس میں حضرت نے مختصر انداز میں چند باتیں ارشاد فرمائیں، حضرت نے فرمایا کہ نکاح ایک عبادت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو مسجد میں کرنے کا حکم فرمایا ہے، (چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں روایت موجود ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" اَعْلِنُوا النِّکَاحَ وَاجْعَلُوْہُ فِی الْمَسَاجِدِ (مشکوٰۃ) یعنی نکاح خفیہ طور پر نہ کیا کرو بلکہ علی الاعلان کیا کرو اور نکاح مسجد میں کیا کرو۔

وجہ اس کی یہی ہے کہ نکاح جب مسجد میں کیا جائے گا تو اور جو خرافات اس موقع پر مسجد کے باہر ہوا کرتی ہیں وہ مسجد کے اندر نہیں ہوں گی، مسجد میں سادگی کے ساتھ نکاح ہو جائے گا جو باعث اجر و ثواب اور خیر و برکت کا ذریعہ ہوگا، آج کل تو ہزاروں روپیہ سجاوٹ ہی میں پھونک ڈالتے ہیں، اسٹیج بنانے میں کافی پیسہ صرف کرتے ہیں، روشنی میں اسراف ہوتا ہے، مسجد میں اگر نکاح ہو تو ان سب باتوں سے حفاظت ہو جاتی ہے، نکاح کے موقع پر اور بھی جو خرافات و رسومات ہوتی ہیں مسجد میں وہ بھی نہیں ہو پاتیں، کیونکہ نکاح تو ایک عبادت ہے اور جب نکاح کو عبادت سمجھ کر کیا جائے گا تو عبادت کے اندر نانا دادا کا طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا کہ ہمارے دادا ایسا کرتے تھے، ہمارے گھرانہ میں ایسا ہوتا ہے، وہاں تو اسلامی طریقہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہوگا تب

ہی وہ عبادت ہوگا، عبادت کہتے ہی اس کو ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہو، چودہ سو برس پہلے ظہر کی جتنی رکعتیں پڑھی جاتی تھیں آج بھی اتنی ہی پڑھی جاتی ہیں اس میں کمی وزیادتی نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت اسی کو کہتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق ہو، مسلمان کا تو ہر کام عبادت ہوتا ہے، اس کا چلنا پھرنا سونا جاگنا بھی عبادت ہوتا ہے لیکن جن کاموں کو ہم عبادت کہتے اور سمجھتے ہیں کم از کم ان کو تو عبادت کے طریقہ پر کریں ان میں سے ایک نکاح بھی ہے اس کو عبادت سمجھ کر عبادت کے طریقہ پر مسجد میں کرنا چاہئے، دعاء کرو اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مسجد میں نکاح کی مشروعیت اسی وجہ سے ہے کہ اس میں طرح طرح کی خرافات اور رسوم ورواج کی نوبت ہی نہ آئے

حضرت اقدس کا کانپور میں پروگرام تھا عشاء کے بعد ایک نکاح میں حضرت کو شریک ہونا تھا احقر حضرت کے ساتھ تھا لیکن والد صاحب تشریف لائے ہوئے تھے، اس لئے ملاقات کی وجہ سے عشاء کے بعد حضرت کے ساتھ نہ جاسکا۔

احقر چونکہ حضرت والا کی زیر نگرانی حضرت اقدس کے ملفوظات اور اصلاحی باتیں لکھتا رہتا ہے اس لئے حضرت کی عادت ہے کہ احقر کی غیر موجودگی میں کوئی اہم بات فرماتے تو احقر کو بلوا لیتے اگر وقت پر موجود نہ ہوا تو دوسرے وقت احقر کے سامنے اس کا اعادہ اور خلاصہ بیان فرماتے اور کبھی یہ فرماتے کہ اس کو بھی لکھ لینا، اس موقع پر احقر حضرت کے ساتھ نکاح میں شریک نہ ہوسکا لیکن دوسرے روز حضرت اقدس نے احقر سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ کل نکاح میں تھوڑی دیر تقریر ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے کام کی بات کہلوادی، پھر حضرت نے بطور خلاصہ کے اس کا اعادہ فرمایا تا کہ احقر اس کو لکھ لے، وھو ہذا۔

حضرت نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اَعْلِنُوا النِّکَاحَ واجعلوہ فی المساجد، (مشکوٰۃ شریف “ یعنی نکاح اعلان

کے ساتھ کیا کرو (خفیہ طور پر چپکے سے نہ کرو) اور نکاح مسجد میں کیا کرو۔

غور کرنے کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نکاح کرنے کا حکم کیوں فرمایا ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ نکاح ایک عبادت ہے، مسجد میں نکاح کرنے کا حکم اس لئے فرمایا تاکہ اس کا عبادت ہونا معلوم ہوجائے، کیونکہ عبادت کے علاوہ کوئی دوسرا کام مسجد میں کرنا جائز نہیں، دنیا کی باتیں کرنا بھی مسجد میں جائز نہیں، معتکف کے لئے بھی مسجد میں بیع وشراء (خرید وفروخت) جائز نہیں، مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے والے کی نیکیاں ایسی ختم ہوجاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو ختم کردیتی ہے، کہاں تو مسجد میں دنیاوی باتوں کی اتنی سخت ممانعت اور سخت وعید اور نکاح کے لئے اتنی ترغیب کہ نکاح مسجد ہی میں کیا جائے یہ اسی واسطے تاکہ معلوم ہوجائے کہ نکاح کرنا ایک عبادت ہے اس کو عبادت سمجھ کر ہی کرنا چاہئے، جب نکاح کو عبادت سمجھ کر کیا جائے گا تو اس میں اپنی عقل اور خاندانی رسم ورواج کو بھی دخل نہ ہوگا بلکہ شریعت کے مطابق ہوگا جس طرح اور عبادات میں ہوتا ہے، مثلاً فجر کی نماز چودہ سو برس پہلے بھی چار رکعات تھیں آج بھی چار ہی رکعات ہیں ایک رکعت بھی نہ کوئی کم کرسکتا ہے نہ زیادہ، اسی طرح حج ایک عبادت ہے اس کا جو طریقہ پہلے تھا آج بھی وہی طریقہ ہے اس میں کمی بیشی جائز نہیں کیونکہ وہ عبادت ہے اور عبادت میں اپنی عقل ورسم ورواج کو دخل نہیں ہوتا۔

اسی طرح نکاح بھی چونکہ ایک عبادت ہے ورنہ مسجد میں کرنے کا حکم نہ دیا جاتا اور جب اس کو عبادت سمجھ کر کیا جائے گا تو نہ تو اس میں اپنی عقل ورسم کا دخل ہوگا اور نہ ہی اپنی طرف سے کوئی طریقہ تجویز کیا جائے گا بلکہ شریعت کا بتایا ہوا طریقہ اختیار کیا جائے گا، نہ اس میں ناچ گانا ہوگا نہ جہیز میں اسکوٹر اور ٹی وی کا مطالبہ ہوگا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نکاح میں یہ سب کچھ نہ ہوتا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بیان کافی مفصل اور بہت مؤثر ہوا تھا افسوس کہ نقل سے رہ گیا حضرت اقدس نے بطور خلاصہ کے یہ چند باتیں احقر کے سامنے بیان فرمائیں اور فرمایا اس کو لکھ لیا جائے تو بہتر

ہے چنانچہ احقر نے لکھ لیا اور حضرت نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا وہ امانت امت کے سپرد کر دی اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے مطابق عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔

بیاہ شادی وغیرہ کے موقع پر دینی پروگرام بھی بنالینا چاہیے

ایک جگہ نکاح تھا وقت کی قلت تھی حضرت اقدس نے اس موقع پر تقریر تو نہیں فرمائی لیکن خطبہ نکاح سے قبل ارشاد فرمایا کہ یہ اتنا بڑا مجمع ہے، آپ حضرات کیسے ضروری ضروری کام چھوڑ کر یہاں آئے ہیں، اور اس مجمع میں کتنے اہم لوگ بھی ہوں گے جن کا آسانی سے جمع ہونا مشکل ہے لیکن شادی کے موقع پر جمع ہو جاتے ہیں تو اس کو وصول بھی کرنا چاہیے، اتنا بڑا مجمع اور کوئی دین کی بات نہ ہو کتنے افسوس کی بات ہے، اللہ کا کوئی بندہ دین کی بات کہنے والا ہوگا اس کی بات سنیئے، کوئی نہیں تو کوئی دینی کتاب تو پڑھ کر سنائی جا سکتی ہے، یہاں اتنے علماء اور پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں کیا یہ سب خالی بیٹھے تھے ان کے پاس کوئی ضروری کام نہ تھا، لیکن جب یہاں آ کر جمع ہو گئے ہیں تو ان کو وصول کرنا چاہیے، آئندہ اس کا خیال رکھیں کہ جب بھی کوئی نکاح وغیرہ کی تقریب ہو تو دین کی بات بھی ضرور کہی سنی جائے۔

رشتہ طے کرنے سے پہلے لڑکے کا مزاج بھی دیکھنا چاہیے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ میری بیٹی کو اس کا شوہر ساس وغیرہ بہت پریشان کرتے ہیں، شوہر غصہ کا بہت تیز ہے، بات بات میں ناراض ہوتا ہے، ویسے تو لڑکی کو کوئی تکلیف نہیں آرام سے ہے، تکلیف یہی ہے کہ شوہر غصہ کا تیز ہے، حضرت نے فرمایا کہ تو پھر آرام کیا ہے، آرام صرف یہ ہے کہ بلڈنگ اور ایر کنڈیشن مکان میں رہتی ہے؟ اچھا کھاتی پیتی ہے یہ آرام ہے؟ آخر آرام کس چیز کا ہے؟ جب شوہر بد مزاج ہو تو پھر آرام کہاں بلڈنگ میں رہنے اور عمدہ کھانے کو آپ آرام کہتے ہوں گے، میں کہتا ہوں اس سے لڑکی کو آرام نہیں ملتا، آپ لوگ شادی سے پہلے صرف ایک چیز دیکھتے ہیں

کہ کھاتا پیتا گھرانہ ہے، بلڈنگ اچھی ہے کاروبار بڑا ہے ایر کنڈیشن مکان ہے، گاڑی ہے، بس ظاہری ٹیپ ٹاپ دیکھ کر شادی کر دیتے ہیں، لڑکے کا مزاج، اس کے اخلاق ومعاملات چاہے جیسے ہوں اس کی تحقیق نہیں کرتے، ارے میں کہتا ہوں کہ چاہے چٹنی روٹی کھائے اور کھلائے لیکن خوش مزاجی سے رکھے، لڑکی کو تکلیف نہ پہنچائے، اپنے مزاج سے خوش رکھے یہ ہے اس کے لئے آرام کی بات، لڑکی کو اچھا کھانے سے سکون نہیں ملتا، اس کو خوش مزاجی سے سکون ملتا ہے لیکن اس کو تو آپ لوگ پہلے دیکھتے نہیں آپ لوگ تو بس روٹی کپڑا اور مکان دیکھتے ہیں اور بعد میں تعویذ مانگتے پھرتے ہیں۔

نیک عورتوں کا حال اور ان کے اوصاف

فرمایا بعض عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ دن بھر تو ٹرٹر کرتی رہیں گی (یعنی خوب بکواس کرتی رہیں گی) اور جہاں شوہر آیا اس کے سامنے بیمار بن گئیں لیٹ گئیں، اونھ اونھ کرنے لگیں، حدیث پاک میں آیا ہے کہ بہترین عورت وہ ہے "اِنْ نَظَرَ اِلَیْهَا سَرَّتْهُ" اگر اس کا شوہر اس کو دیکھے تو اس کو خوش کر دے، یعنی اس طرح خوش مزاجی سے دیکھے کہ اس کا جی خوش ہو جائے، بیماری اور غم کی حالت میں بھی یہی ہونا چاہئے، یعنی اگر عورت بیمار ہو تو بھی شوہر کو اس طرح دیکھے کہ اس کا جی خوش ہو جائے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ ان کا لڑکا بیمار تھا، اسی بیماری میں انتقال ہو گیا، یہ بیچارے محنت مزدوری کرتے تھے، شام کو واپس آئے پوچھا بیٹے کی کیسی طبیعت ہے کہا ٹھیک ہے سب دنوں سے زیادہ آرام سے ہے، آرام سے سو رہا ہے، ان کو اطمینان ہوا، اپنے شوہر کو انہوں نے اس وقت اطلاع تک نہیں دی کہ انتقال ہو گیا، کہ کہیں ان کو پریشانی نہ ہو یہاں تک لکھا ہے کہ ہم بستری تک ہوئی، اللہ کی بندی کیسی عورت تھی اور کیسا ان کا دل اور کیسا ان کا صبر تھا، صبح ہوئی تو شوہر کو بتایا اور عجیب انداز سے خبر دی پوچھا کہ بتایئے کہ اگر کسی کے پاس کسی کی امانت ہو اور وہ اپنی امانت لینا چاہتا

ہے تو کیا اس کو وہ امانت واپس کرنی چاہئے یا نہیں، حدیث پاک میں حضرت ابو طلحہؓ کا یہ پورا قصہ منقول ہے، اس طرح سمجھا کر مطمئن کر کے بیٹے کے انتقال کی خبر دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قصہ معلوم ہوا تو بہت دعائیں دیں، لکھا ہے کہ اس رات جو ہم بستری ہوئی اور اس سے جو نطفہ قرار پایا سات پشت تک اس نسل میں غوث و قطب (بزرگان دین) پیدا ہوتے رہے،

اس سے بہت سی باتیں معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ صبر کا بدلہ یہ ملا کہ ان کی نسل میں غوث و قطب پیدا ہوئے، دوسرے اس اللہ کی بندی کا صبر معلوم ہوا کہ اس قدر رنج و غم کی حالت میں کس طرح اپنے شوہر کو تسلی دلائی، اگر رات ہی کو بتلاتے تو پوری رات کی نیند خراب ہوتی، نیک عورتوں کا یہی حال ہوتا ہے۔

نیک عورتوں کی شان میں حدیث پاک میں آگے فرمایا جب اس کا شوہر غائب ہو تو اس کے مال اور اپنے نفس میں خیانت نہ کرے، یہ نہ کرے کہ وہ غائب ہو تو کسی سے ساز باز کر لی اور یہ بھی نہ ہو کہ وہ تو بیچارہ کمانے گیا اور یہاں خوب للّے تللّے ہو رہے ہیں، جلیبی اڑ رہی ہیں، ٹھیلے والا آیا اس سے کپڑے خریدے جا رہے ہیں، خونچہ والا آیا اس سے چاٹ خریدی جا رہی ہے، شوہر بیچارہ قرض میں ڈوبا ہوا ہے، اور یہ اپنے اوپر زیور لادے چلی جا رہی ہے، ایسی عورت نیک عورت نہیں ہو سکتی۔

عورت بددین ہو تو پورا گھر بددین ہو جائے گا

فرمایا ایک تحصیل دار صاحب بڑے دیندار تھے، رشوت بالکل نہ لیتے تھے، اتفاق سے ان کے چپراسی کے یہاں شادی ہوئی، یہ بیچارہ پیچھے پڑ گیا کہ اپنی بیگم صاحبہ کو ہمارے یہاں شادی میں بھیج دیجئے میری عزت بن جائے گی، اور وہ تحصیل دار صاحب اپنی بیوی کو کسی کے یہاں بھیجتے نہ تھے، بہت سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے، کپڑے بھی بہت معمولی درجے کے استعمال کرتے تھے، چپراسی کے بہت اصرار کی بنا پر وہاں بھیج دیا، بیگم صاحبہ وہاں پہنچیں تو دیکھا کہ عورتیں ایک سے ایک بہترین زرق برق لباس اور زیور سے

آراستہ ہیں، اور اِن کے کپڑے بالکل سادہ تھے، بڑی شرمندہ ہوئیں، گھر واپس آئیں اپنے شوہر پر برس پڑیں اور کہا کہ میری توہین کرڈالی، مجھے رسوا کیا، وہاں دیکھا کہ ایک چپراسی اور آپ سے کم درجہ کے لوگ اور ان کی عورتیں ایسے ایسے کپڑے پہنے ہیں زیور سے آراستہ ہیں، تحصیل دار صاحب نے سمجھایا کہ جتنی تنخواہ ہے اسی سے خرچ چلاتا ہوں ،بیگم فرماتی ہیں کہ ان کی تنخواہ تو آپ سے بھی کم ہے، انہوں نے کہا کہ ارے وہ رشوت لیتے ہیں، حرام خوری کرتے ہیں، فرماتی ہیں تو کیا آپ کے لئے اس کا دروازہ بند ہے؟ آپ کیوں نہیں لیتے، تحصیل دار صاحب اتنے بڑے دیندار تو تھے نہیں، عورت ایسی پیچھے پڑی کہ تحصیل دار صاحب نے بھی رشوت لینا شروع کر دیا، حدیث پاک میں آیا ہے کہ عورتیں ایسی ہیں کہ عقل منداور ہوشیار شخص کی عقل پر بھی غالب آجاتی ہیں، پھر فرمایا کہ عورتوں کی بات ماننا ان کی فرمائش پوری کرنا کوئی ناجائز نہیں، ان کی جائز فرمائشیں پوری کرنا چاہئے، ان کی راحت وآسائش کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خَیرُ کُم خَیرُکُم لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیرُکُم لِاَھلِی،

ترجمہ! بہتر انسان وہ ہے جس کا برتاؤ اپنے اہل کے ساتھ اچھا ہو۔

الغرض اللہ نے وسعت دی ہو تو ان کی آسائش کا بھی لحاظ رکھے، بس صرف اسکو دیکھ لے کہ اس میں اللہ اوراس کے رسول کے حکم کی نافرمانی تو نہیں ہے، شریعت کے خلاف تو نہیں ہے، اگر شریعت کے خلاف ہو تو ہرگز ایسی فرمائش پوری نہ کرے، ایسے ہی وقت میں بندہ کی آزمائش ہوتی ہے کہ بیوی نے اگر ناجائز چیز کی فرمائش کی ہے اس وقت وہ کس کو ترجیح دیتا ہے، اگر اللہ کے حکم کو ترجیح دیتا ہے تو کامیاب ورنہ ناکام۔

معاملات کی درستگی اور انتظامی امور میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم

فرمایا انبیاء علیہم السلام صرف مسائل بیان نہیں کرتے بلکہ لوگوں کے معاملات بھی درست کراتے ہیں، ایسی تدابیر بتلاتے ہیں جس سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے، موسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر عصا مارا جس سے بارہ چشمے پھوٹے، چونکہ

بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے، اس لئے بارہ گھاٹ بنے تاکہ ہر قبیلہ اپنے اپنے گھاٹ پر پانی پیئے، ہر خاندان کا انتظام الگ الگ تھا، یہ اس لئے تاکہ باہم لڑائی جھگڑا نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ انتظامی امور میں حتی الامکان ہر چیز علیحدہ علیحدہ ہونی چاہیئے، مثلاً کئی بھائی ہیں تو سب ایک ہی گھر میں نہ رہیں، ممکن ہو تو سب کا مکان علیحدہ علیحدہ کردے، اور اتنی بات کافی نہیں کہ سب کا کمرہ الگ کردیا جائے باقی گھر کا راستہ بیت الخلاء غسل خانہ سب مشترک ہو کیونکہ اس میں بھی جھگڑا ہوتا ہے ممکن ہو تو دروازہ بھی سب کا علیحدہ ہونا چاہیئے، کوئی مجبوری ہو تو بات دوسری ہے، باپ کو چاہیئے کہ اس کی فکر کرے، اسی طرح مدرسہ کے منتظم و مہتمم کو چاہیئے کہ طلبہ کے لئے ایسا انتظام کرے جس سے باہم اختلاف نہ ہو، مثلاً کتابیں تقسیم کرنا ہے تو اگر گنجائش ہو تو ہر لڑکے کو کتاب علیحدہ علیحدہ دے، یہ نہیں کہ ایک ایک کتاب میں پانچ پانچ آدمی مشترک ہوں، اس میں پریشانی ہوتی ہے، مجبوری ہو تو بات دوسری ہے، انبیاء علیہم السلام لوگوں کے معاملات بھی درست کراتے تھے، جس میں یہ صورتیں بھی شامل ہیں۔

ماں کے بعد خالہ کی اہمیت

فرمایا ماں کے بعد جو تعلق اولاد سے خالہ کو ہوتا ہے وہ کسی کو نہیں ہوتا، خالہ اپنے بھانجہ کو بہت چاہتی ہے، میری دو خالہ تھیں، حقیقی خالہ کوئی نہ تھیں، لیکن میری والدہ کی حقیقی چچازاد بہنیں تھیں جو مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں، کافی دور سے سفر کر کے صرف مجھے دیکھنے اور خیریت معلوم کرنے آیا کرتی تھیں، اور دو چار روز رہ کر چلی جاتی تھیں، اس وقت میں بالکل بچہ تھا، میری ماں نے مجھے اتنا لاڈ و پیار نہ کیا ہوگا جتنا میری خالہ نے کیا ہوگا، گود میں لے کر ہاتھ پیر سب چوما کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ میں نے ان کو خواب میں بھی دیکھا ہے، دیکھا کہ قیامت آگئی میدان حشر قائم ہے، میری خالہ بھی وہاں موجود ہیں، میں نے ان سے کہا کہ قیامت آگئی فرمایا کہ اچھا قیامت آگئی، مجھے بھی ساتھ لیتے چلو میں نے کہا آؤ چلو میرے ساتھ۔

رشتہ داروں اور متعلقین کی اہمیت

حضرت دامت برکاتہم سخت علیل تھے کئی امراض میں مبتلا تھے، ایک دیہات میں ایک بوڑھی عورت کا انتقال ہوگیا جو دور کی رشتہ دار بھی ہوتی تھیں، حضرت وہاں جانا چاہتے تھے، حضرت کے صاحب زادوں نے حضرت کی بیماری اور ضعف کو دیکھتے ہوئے مشورہ دیا کہ آپ نہ جایئے ہم میں سے کوئی چلا جائے گا، آپ کا جانا کوئی ضروری تو ہے نہیں، حضرت کو اس بات سے سخت ناگواری ہوئی اور کر غصہ کے لہجہ میں فرمایا تمہاری والدہ سے زیادہ اور بھی کوئی ان کا قریبی تھا، کتنا گہرا تعلق تھا، تم لوگوں کو ان باتوں کا کچھ لحاظ نہیں، میرے بعد بھی تم لوگ یہی کروگے، سب تعلقات ختم کردوگے، تم لوگوں سے یہی امید ہے۔

غریب رشتہ داروں کی بھی اہمیت

قصبہ برولی میں حضرت دامت برکاتہم کے ایک دور کے رشتہ دار کا انتقال ہوگیا، جو گمنام اور بہت غریب تھے، حضرت کو ان کے انتقال کی اطلاع بعد میں ہوئی، حضرت اس وقت سفر میں تھے واپسی پر اپنے صاحبزادوں سے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھ کو اطلاع کیوں نہیں دی اگر میں موجود نہ تھا تو تم لوگ تو جاسکتے تھے، ان کے جنازہ میں تو شریک ہوسکتے تھے، کیوں نہیں گئے؟ خیر میں تو اب تعزیت میں جاؤں گا لیکن اسی دن جانے کی بات ہی کچھ اور ہوتی، جنازہ میں بھی شرکت ہوجاتی، تم لوگوں سے ایسی ہی امید ہے، منھ دیکھی بات کرتے ہو، غریب آدمی تھا بیچارہ اس لئے نہیں گئے، اگر کوئی مالدار ہوتا تو بھاگے چلے جاتے۔

(حضرت اقدس نے تربیت کے لئے یہ فرمایا ورنہ مخدوم زادوں کا حال یہ ہے کہ ماشاء اللہ ان سب امور کا بہت لحاظ فرماتے ہیں بلکہ حسب ضرورت مستحقین کی مالی امداد بھی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مزید ترقیات سے نوازے)

دینداروں اور غریبوں کی قدر اور ان کے جنازہ میں شرکت کی فکر

برولی کے رہنے والے ایک صاحب کا انتقال ہوگیا، حضرت دامت برکاتہم کو اس کی اطلاع بعد میں ملی، فرمایا مجھے اس کی اطلاع کل کیوں نہیں دی گئی میں کل ہی ان کے یہاں ہو آتا، کل کے جانے کی بات ہی کچھ اور ہوتی، اتنے اچھے آدمی کے نماز جنازہ میں بھی میری شرکت نہ ہوسکی، محرومی کی بات ہے، گاؤں سے بھی کوئی نہیں گیا، صرف ایک آدمی یا دو آدمی گئے، اس وجہ سے کہ بیچارہ غریب تھا نادار تھا، کوئی پیسہ والا ہوتا تو گاڑی کی گاڑی بھر کر جاتیں، عورتیں برقعہ اوڑھے کھڑی تیار رہتیں، اپنی اولاد سے فرمایا کہ تم لوگ بھی مالداروں کا منھ دیکھتے ہو، کچھ نہیں، دین رہا ہی نہیں، لوگ پیسوں کو دیکھتے ہیں، پیسہ کے پیچھے بھاگتے ہیں، تم لوگوں کو تو جانا چاہئے، بیچارے کتنے اچھے آدمی تھے بالکل شروع شروع میں انہوں نے میرا ساتھ دیا ہے اور اخیر تک ساتھ دیتے رہے، چالیس سال تک انہوں نے دین کی تعلیم دی ہے جو مل گیا کھالیا، پی لیا، نہیں ملا ایسی ہی پڑے ہیں، کبھی چٹنی روٹی کھالی، شروع شروع میں بھوانی پور میں مکتب قائم کیا گیا تھا، وہاں پڑھاتے تھے، ماہانہ صرف ڈھائی آنہ تنخواہ تھی تاکہ صابن وغیرہ کا انتظام ہوجایا کرے وہ بھی ان لوگوں سے نہ ہوسکا، یہ ہے باندا کا علاقہ پھر وہ مکتب بھی ٹوٹ گیا۔

جدید تہذیب کی چیزوں میں تین چیزیں مجھے بہت پسند ہیں

کانپور میں ایک صاحب کے یہاں حضرت تشریف لے گئے کھانے کے وقت جب ہاتھ دھونے کا نمبر آیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جدید تہذیب میں مجھے دو چیزیں بہت پسند ہیں، ایک تو فلش پاخانہ دوسرے ہاتھ دھونے کا یہ نل (واش بیسن) دیہات کے قدمچہ دار پاخانوں میں بڑی گندگی ہوتی ہے، پاخانہ جمع ہوتا رہتا ہے، مکھیاں بھنبھنایا کرتی ہیں، بدبو ہوتی ہے، اندر جانے کا جی نہیں چاہتا، پاخانہ کرنے کی طبیعت نہیں چاہتی، مجبوری میں آدمی جاتا ہی ہے اور یہ جو نئے نئے پاخانے ایجاد ہوئے ہیں ان

کے قدمچے بالکل صاف ہوتے ہیں، گندگی سامنے جمع نہیں ہوتی صفائی رہتی ہے، اتنی بدبو بھی نہیں ہوتی اجابت ہوجاتی ہے ، ورنہ بعض طبعتیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ گندگی میں ان کو پاخانہ ہوتا بھی نہیں،

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کا بھی یہی مزاج ہے اسی لئے وہ تکیہ میں جنگل میں پاخانہ کرنے جایا کرتے تھے، ہم لوگ جب تکیہ جاتے تو ہم لوگ بھی جنگل جایا کرتے تھے، گھر میں بیت الخلاء صرف عورتوں کے لئے تھا، مرد سب باہر جاتے تھے، لیکن بعد میں جب مہمانوں کی آمدورفت شروع ہوگئی تو انتظام کرنا پڑا۔

دوسرے وقت میں احقر نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے فرمایا تھا کہ جدید تہذیب میں مجھے دو چیزیں بہت پسند ہیں ایک فلش ، بیت الخلاء دوسرے ہاتھ دھونے کے نل (واش بیسن) تو اس میں کون سی خوبی اور اچھائی ہے، حضرت نے فرمایا ہاتھ دھونے کے لئے ہر جگہ طشت کہاں ملتا ہے پھر اس میں بھی کچھ نہ کچھ چھینٹیں پڑ ہی جاتی ہیں، بسا اوقات ہاتھ طشت میں لگ جاتا ہے، ایک آدمی دھلانے والا ہو اس میں بڑا تکلف بھی معلوم ہوتا ہے، کبھی جھک کر ہاتھ دھونا پڑتا ہے، دقت ہوتی ہے، اور اس نل (واش بیسن) میں آسانی سے ہاتھ دُھل جاتے ہیں چھینٹیں نہیں پڑتیں سب پانی نیچے چلا جاتا ہے آسانی سے ہاتھ دُھل جاتے ہیں جھکنا نہیں پڑتا۔

گھروں کے دروازہ پر گھنٹی لگانے کی اہمیت وضرورت

احقر نے عرض کیا کہ جدید چیزوں میں گھنٹی (بیل) کے منافع اور مصالح حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں بیان کئے ہیں، اور اس کو بہت پسند فرمایا ہے، استیذ ان کا جو شرعی حکم ہے (یعنی یہ کہ اجازت لے کر اندر داخل ہونا) اس پر پوری طرح اس سے عمل ہوجاتا ہے حضرت نے اس کو پسند فرمایا اور فرمایا کہ استیذ ان کی سنت ادا ہوتی ہے دوسرے اگر کبھی رات کے وقت کسی کو آواز دینا ہو یا جگانا ہو تو محلّہ کے دوسرے

لوگوں پڑوسیوں کی نیند خراب ہوتی ہے، گھنٹی سے یہ فائدہ ہے کہ جس کو جگانا ہے صرف وہی جاگے گا، کیونکہ گھنٹی کی آواز اندر پہنچ جائے گی شور نہ ہوگا اور لوگوں کی نیند خراب نہ ہوگی۔

دین سے اور اللہ سے بے تعلقی کا انجام

جلالین شریف کا درس دیتے ہوئے فرمایا زمانہ جاہلیت میں بعض لوگوں نے پیشہ ہی یہ بنالیا تھا کہ باندیوں کو خریدتے اور ان سے بدکاری کراتے اور اس کی فیس خود لیتے تھے، ایک شخص نے کئی باندیاں خریدیں اور ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ فیس مقرر کردی، اِس باندی کی فیس اتنی اور اس کی اتنی، صحت وقوت اور حسن و جمال کے فرق سے ہر ایک کی فیس علیحدہ علیحدہ مقرر کر رکھی تھی، جب آدمی اللہ سے بے تعلق ہوتا ہے تو اس کا یہی حال ہوتا ہے کہ اس کا کوئی کام ڈھنگ کا نہیں ہوتا، وہ تاریکیوں میں بھٹکتا ہے، ایسے شخص کو پھر ہر عیب اچھا لگنے لگتا ہے، برائی میں اچھائی نظر آنے لگتی ہے، وہ تاریکی میں بھٹکتا ہے خواہ سانپ پکڑے یا لکڑی پکڑے، کسی کو زہر تریاق نظر آنے لگے ہے تو اس کا کیا علاج، یہ ہے وَلَاتکُونُوا کَالَّذِینَ نَسُوا اللہ الخ، جو آدمی اللہ کو بھولتا ہے وہ اپنے کو بھی بھول جاتا ہے، خدا فراموشی کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ جب خدا کو بھولتا ہے تو پھر اپنے کو بھی بھول جاتا ہے۔

ظالم بیٹا مظلومہ ماں

حضرت کے پاس ایک عورت ایک گاؤں سے تنہا آئی تھی، مصیبت زدہ پریشان حال تھی، حضرت نے اس کی مدد فرمائی اور اسی کے گاؤں کا ایک لڑکا جو مدرسہ میں پڑھتا تھا حضرت نے اس کو بلوا کر اس کے ساتھ اس کے گاؤں واپس کرادیا۔

حضرت نے فرمایا یہ عورت مصیبت زدہ ہے اس کے پاس سو بیگہ زمین ہے، اس کا لڑکا اس کو مارتا ہے، مار کر گھر سے نکال دیتا ہے، بیچاری یہاں آئی ہے، فرمایا یہ ہے اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا'' کہ قیامت کے قریب عورت اپنے آقا کو جنے گی، ایک مطلب اس کا یہ بھی شراح نے بیان کیا ہے کہ اولاد نافرمان اور ظالم ہوگی، لڑکا آقا بنا ہے اور ماں کو

گویا باندی بنائے ہے۔

حضرت نے اُس طالب علم سے فرمایا گاؤں پہنچا آؤ، تمہاری شادی بھی اسی گاؤں میں لگ رہی ہے ذرا کپڑے بدل کر اچھے بن کر جانا۔

مہمان کے لئے جائز نہیں کہ ناشتہ یا کھانے میں کسی کو شریک کرے

ایک معزز مہمان عالم دین دوسرے صوبہ سے حضرت کی خدمت میں ملاقات کے لئے تشریف لائے، حضرت اقدس نے ان کی شایان شان خصوصی ناشتہ کا اہتمام فرمایا، ناشتہ میں مٹھائیاں بھی رکھیں، اُن حضرت نے یہ حرکت کی کہ قریب میں جو حضرات موجود تھے، جن میں بعض طلبہ بھی تھے ان سے بھی ناشتہ میں شریک ہونے کو کہا بالآخر خود تو کھایا اور پاس بیٹھنے والوں کو مٹھائی تقسیم فرمائی، احقر راقم الحروف نے ان کی اس حرکت پر ان کو توجہ دلائی کہ مہمان کے لئے کسی کو ناشتہ یا کھانے میں شریک کرنا یا کسی کو اس میں سے کھلانا جائز نہیں، ان صاحب کو ناگواری ہوئی اور فرمانے لگے کہ میرے اور مولانا کے گہرے تعلقات ہیں تم کو کیا معلوم احقر نے حضرت اقدس سے اس کا تذکرہ کیا، مہمان کی اس حرکت پر حضرت سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ پڑھے لکھے ہیں کوئی ان سے مسئلہ پوچھے کہ کیا مہمان کے لئے اس طرح دوسروں کو پوچھنا اور کھلانا جائز ہے؟ اگر ابھی ان سے کہہ دوں تو ناراض ہو جائیں گے، برا لگ جائے گا۔

ایک مہمان کو تنبیہ، دلچسپ واقعہ

بمبئی سے ایک مہمان تشریف لائے جو بظاہر عالم اور کسی مسجد کے امام اور خطیب معلوم ہوتے تھے، معمر تھے، ڈاڑھی کے بال کسی قدر سفید ہو چلے تھے، آکر حضرت اقدس سے کافی دیر تک گفتگو کی حضرت مروت میں ان سے باتیں فرماتے رہے، اُس کے بعد یہ مہمان صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت آپ بمبئی تشریف لایئے گا، اپنے یہاں بلانے پر کافی اصرار کیا، ان کے اصرار کی بنا پر حضرت نے فرمادیا کہ جب بمبئی آنا

ہوگا تو آپ کے یہاں آجاؤں گا، اُن صاحب نے کہا کہ حضرت آپ مجھ کو پہلے سے اطلاع کردیں کہ میں فلاں تاریخ کو آرہا ہوں میرا پتہ نوٹ کرلیں، میں آپ کو اپنا فون نمبر دے رہا ہوں جب آپ بمبئ تشریف لائیں مجھ کو فون کردیں کہ میں آگیا ہوں میں آپ سے ملاقات کرلوں گا، حضرت کو ان کے اس طرز گفتگو سے ناگواری ہوئی لیکن کچھ فرمایا نہیں یہ صاحب حضرت کے شاگرد بھی تھے، حضرت نے احقر سے فرمایا ان کو لے جاؤ کھانا کھلا دو، احقر ان کو لے کر گیا اور راستہ میں ان سے نہایت ادب اور نرمی سے عرض کیا کہ بڑوں سے اصرار کرنا بے ادبی ہے، درخواست کرنے میں مضائقہ نہیں اس قدر اصرار نہیں کرنا چاہئے اور ان کو کسی بات کا مکلّف نہیں بنانا چاہئے، ضرورت ہماری اور حضرت ہم کو فون کریں کہ میں بمبئ آگیا ہوں؟ حضرت کو سیکڑوں کام رہتے ہیں، کہاں تک حضرت یاد رکھیں گے یہ تو بڑی بے ادبی ہے، اس انداز کی بات احقر نے ان سے نہایت ادب کے ساتھ عرض کی، بس اتنا کہنا تھا کہ وہ آپے سے باہر ہوگئے سخت برہم ہوگئے اور مجھ سے فرمایا کہ جانتے نہیں میں کون ہوں، دستر خوان پر سے اٹھ گئے کہ میں نہیں کھاتا کھانا، آپ مجھ کو پہچانتے نہیں، محض اس وجہ سے کہ حضرت کو تکلیف نہ ہو احقر ان کی خوشامد کرنے لگا کہ واقعی میں آپ کو نہیں پہچانتا تھا میری غلطی معاف کردیجئے، کھانا تو کھا لیجئے، ان کو بہت منایا یہاں تک کہا کہ میں ہاتھ جوڑتا ہوں پیروں میں گرتا ہوں آپ کھانا کھا لیجئے، لیکن میں جتنی خوشامد کروں ان کے نخرے بڑھتے جائیں فرمانے لگے جایئے میں کھانا نہیں کھاتا آپ جانتے نہیں میرے حضرت کے کیا تعلقات ہیں، الغرض میری معافی مانگنے کے بعد وہ بھی صاحب دستر خوان سے اٹھ کر چلے آئے احقر بھی باہر آیا اور آکر حضرت سے پوری بات عرض کردی کہ یہ بات ہوئی ہے آپ سے انہوں نے اس طرح گفتگو کی تھی میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ طریقہ مناسب نہیں ہے کہ بڑوں سے اس طرح کہا جائے اس پر وہ خفا ہوگئے میں معافی مانگ رہا ہوں وہ کھانا نہیں کھا رہے حضرت کو سخت جلال آیا فرمایا بلاؤ کہاں ہے، اور فرمایا

کہ اچھا میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کو مجھ سے اس طرح کہنا چاہیے؟ میں آپ کو فون کردوں گا،؟ آپ کو تہذیب وسلیقہ نہیں، انہوں نے آپ کو تہذیب اور ادب سکھلایا اس کی آپ نے یہ قدر کی؟ آپ جانتے نہیں یہ کون ہیں آپ سمجھتے ہوں گے یہ چپراسی ہے یہ مدرس ہیں عالم ہیں مدرسہ کے مفتی ہیں، آپ نے ان کو پہچانا نہیں، جایئے اب میں آپ کو کھانا نہیں کھلانا چاہتا، میں آپ سے بات نہیں کرتا، اب وہ بہت پریشان ہوئے حضرت سے معافی مانگی حضرت نے معاف کردیا، اور حضرت نے پھر مجھ سے فرمایا جاؤ ان کو کھانا کھلادو چنانچہ احقر نے ان کو کھانا کھلایا اور وہ رخصت ہوگئے۔

مہمانوں کو کھلانے کے لئے دوسروں سے کھانا مانگنا

حضرت کے یہاں مدرسہ میں مخصوص مہمان آگئے، ان کے کھانے کے لئے عمدہ کھانا جیسا حضرت کھلانا چاہتے تھے موجود نہ تھا اور اس وقت کوئی انتظام بھی نہ ہوسکتا تھا، حضرت کی عادت یہ ہے کہ ایسے وقت میں بلا تکلف اپنے لوگوں سے مہمانوں کے لئے کھانا مانگ لیا کرتے ہیں، اس موقع پر بھی احقر نے عرض کیا کہ فلاں استاد کے یہاں گوشت پکا ہوا ہے حضرت نے فرمایا کہ ہر ایک سے تھوڑی یہ تعلق ہے اور ہر ایک سے تھوڑی میں لیتا اور مانگتا ہوں، وہ تو صرف چند گھر ہیں اور اپنے ہی گھر ہیں ان سے لے لیتا ہوں اور بعد میں کسی بہانہ سے اس کی تلافی بھی کردیتا ہوں، پھر ایسے ہی ایک عزیز استاد کے یہاں سے سالن منگایا لیکن بعد میں خود بھی مہمان خانہ میں انتظام ہوگیا تو حضرت نے وہ سالن واپس کروادیا، اور فرمایا کہ پہلے ضرورت تھی اور اب ضرورت نہیں ہے، اور فرمایا کہ حتیٰ الامکان جتنا ہوسکے بچتا رہے کسی کا احسان نہ لادے، مجبوری ہو تو بات دوسری ہے۔

غرضیکہ ضرورت کے وقت مہمان نوازی کے لئے دوسروں سے کھانا لینے میں مضائقہ نہیں البتہ حتیٰ الامکان کسی کا احسان نہ لینا چاہیے۔

مولانا مظفر حسین اور مولانا رشید احمد صاحب کی سادگی و بے تکلفی

فرمایا حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بالکل سادہ مزاج تھے، پیدل سفر کیا کرتے تھے، اور جب سفر کرنا ہوتا تھا، تو تہجد کے بعد فجر سے قبل ہی سفر شروع کر دیتے تھے، ایک مرتبہ سفر کر کے گنگوہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے پاس تشریف لے گئے حضرت گنگوہیؒ ان سے چھوٹے ہیں، حضرت مولانا نے فرمایا مولوی عبدالرشید مجھے فجر سے پہلے سفر کرنا ہے، انہوں نے جواب دیا جی حضرت اسی وقت ناشتہ تیار ہو جائے گا، فرمایا ناشتہ تیار مت کرانا جو باسی رکھا ہو وہی دے دینا، فرمایا بہت اچھا، پھر تہجد کے وقت حضرت مولانا ایک پیالہ میں دال اور سوکھی روٹی لے آئے، حضرت مولانا مظفر صاحبؒ نے فرمایا کہ کھاؤں گا نہیں کھانے میں دیر لگے گی، لے جاؤں گا، آگے جا کر کھالوں گا، مولانا نے فرمایا بہت اچھا، پیالہ ہی میں دال دینا چاہا فرمایا پیالہ میں نہیں، ماش کی دال ہے، اسی روٹی میں رکھ لوں گا، پھر اس کو رکھ کر باندھ کر تشریف لے گئے۔

جب حکیم صاحب کے پاس پہنچے تو ان سے فرمایا کہ بھائی مولوی رشید احمد بہت اچھے آدمی ہیں، حکیم صاحب نے فرمایا جی واقعی بڑے اچھے بزرگ آدمی ہیں، پھر دوبارہ مولانا نے فرمایا کہ مولوی رشید احمد صاحب بہت اچھے آدمی ہیں، حکیم صاحب نے فرمایا جی بہت اچھے آدمی ہیں، حضرت مولانا نے پھر تیسری بار فرمایا مولوی رشید احمد صاحب بہت ہی اچھے آدمی ہیں، تب حکیم صاحب نے عرض کیا کہ آخر کون سی ایسی بات ان میں اچھائی کی آپ نے دیکھی بار بار فرما رہے ہیں، میں بھی تو کہہ رہا ہوں بہت اچھے ہیں، حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں نے ان سے کہا کہ مجھے فجر سے پہلے جانا ہے، فرمایا بہت اچھا رکنے پر بالکل اصرار نہیں کیا، میں نے کہا صاحب تازہ کھانا مت بنواؤ جو باسی رکھا ہے وہی لے آؤ کہا بہت اچھا، میں نے کہا کھاؤں گا نہیں لے جاؤں گا کہا بہت اچھا، کسی بات پر اصرار نہیں کیا، ہر بات کو مان لیتے ہیں بالکل تکلف نہیں کرتے، اصرار نہیں کرتے بہت اچھے آدمی ہیں۔

بے تکلف اور سادہ معاشرت

حضرت کی خدمت میں کچھ معزز مہمان تشریف لائے تھے، اور صبح جلد ان کو واپس ہونا تھا اگر ناشتہ کا انتظام کیا جاتا تو دیر ہو جاتی اور الہ آباد جانے کے لئے صبح کے وقت ہی کی بسیں بہت اچھی اور مناسب تھیں، اس کے بعد کی بسوں میں زحمت تھی، حضرت نے فرمایا کہ بہتر یہی ہے کہ ساڑھے چھ والی بس مل جائے ورنہ بعد کی بسیں بہت وقت لگاتی ہیں، جگہ جگہ رکتی ہیں، بڑی پریشانی ہوتی ہے، حضرت نے فرمایا ناشتہ کا انتظام کرنے میں دیر لگے گی جو باسی رکھا ہے یہی کر لیجئے، میں تازہ ناشتہ پکوار ہا تھا لیکن اس کے چکر میں بس چھوٹ جائے گی، حضرت نے سیب، برفی اور شام کی باسی روٹی اور شام کا باسی جما ہوا سالن سامنے رکھ دیا اور فرمایا جلدی ناشتہ کر لیجئے، احقر نے عرض کیا کہ روٹی اور گوشت بہت جلد گرم کر کے لاتا ہوں حضرت نے فرمایا نہیں، چھوڑو، اس چکر میں نہ پڑو، بس چھوٹ جائے گی، چنانچہ وہی باسی روٹی اور شام کا جما ہوا باسی سالن کھلایا اور مہمانوں نے بڑی رغبت سے کھایا، حضرت نے ان مہمانوں کو ۱۵ر روپئے راستہ میں ناشتہ کرنے کے لئے دیئے۔

اور انہیں مہمانوں سے حضرت نے مختصر وقت میں ایک واقعہ اختصار سے بیان فرمایا، کہ مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ ایک جگہ تشریف لے جارہے تھے، مولانا رشید احمد صاحبؒ کے یہاں پہنچے اور فرمایا کہ مولوی رشید بھوک لگی ہے کچھ کھانا ہے؟ اور مجھے جلدی بھی بہت ہے آگے جانا ہے، حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا جی حضرت کھانا ہے، جلدی سے تازہ بنوادوں یا شام کا بچا ہوا لے آؤں؛ مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے فرمایا کہ شام کا بچا ہوا ہی لے آؤ مولانا گئے اور شام کی بچی ہوئی روٹی اور ماش کی دال گاڑھی گاڑھی لے آئے اور کہا کہ شام کا بچا ہوا تو یہی ہے، مولانا مظفر حسین صاحب نے روٹی لی اور فرمایا کہ یہاں کھانے میں دیر لگے گی راستہ میں بعد میں کھالوں گا اور روٹی میں دال رکھ کر تشریف لے گئے۔

قناعت وکفایت شعاری

ایک مہمان حضرت کی خدمت میں بغرض بیعت حاضر ہوئے، حضرت نے ان کو بیعت فرمایا کچھ ہدایات فرمائیں اور ان سے دریافت کیا کہ واپسی کا کیا نظم ہے، کب واپس جانا ہے، عرض کیا کہ صبح کانپور جانے والی پسینجر سے جانا ہے، حضرت نے فرمایا بس سے کیوں نہیں چلے جاتے، بسیں تو بہت جاتی رہتی ہیں، ان صاحب نے عرض کیا کہ بس میں کرایہ بہت لگتا ہے، تقریباً دوگنے کا فرق ہوگا پسینجر سے جانے سے کرایہ کافی کم لگے گا، حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا اچھا آپ بھی اس کو سوچتے ہیں، پھر فرمایا مسلمان کو ایسا ہی سوچنا چاہئے، ان باتوں کو بہت کم لوگ سوچتے ہیں، بس میں جانے میں وقت کی بچت تو ہے لیکن پیسے بہت لگتے ہیں، مسلمان کو وقت کی بھی قدر کرنا چاہئے اور وقت کی طرح پیسے کی بھی قدر کرنا چاہئے، البتہ اگر وقت میں گنجائش نہ ہو تو دوسری بات ہے۔

۶
باب
عید میلاد النبی کے نام پر جلسہ جلوس اور سجاوٹ

باندہ شہر سے ایک معزز مہمان جو باندہ ہی کے باشندے اور ذی اثر عمر رسیدہ تھے، حضرت کی خدمت میں تشریف لائے، حضرت نے ان سے ارشاد فرمایا بتایئے آج سے پندرہ سال پہلے یہ جلسہ جلوس اور سجاوٹ کا کہیں وجود تھا؟ اس کا نام ونشان بھی نہ تھا، اور جب سے مسلمانوں نے اس کو شروع کیا دیکھ لو اس وقت سے کیا حالت ہو رہی ہے، کتنے برے نتائج سامنے آرہے ہیں۔

آج سے کئی سال پہلے جب مسلمان اس موقع پر جلسہ جلوس کا اہتمام نہ کرتے تھے، غیر مسلم بھی اپنے تہوار ہولی، دسہرے کے موقع پر ایسا اہتمام نہ کرتے تھے، ان کے تمام تہوار دسہرہ، ہولی سب ہوجاتے تھے اور کچھ نہ ہوتا تھا، پتہ بھی نہیں چلتا تھا نہ جلوس نہ جلسہ، مسلمانوں نے یہ سب حرکتیں شروع کیں تو انہوں نے بھی شروع کردیں اب دیکھ لو کیا ہو رہا ہے، صرف باندہ میں اس مرتبہ انہوں نے جلوس نکال کر ستر۷۰ سے زیادہ مورتیاں رکھی ہیں، ورنہ اس سے پہلے تو جلوس ہی نہ نکالتے تھے، آسانی اور خاموشی سے اپنے تہوار منالیتے تھے، یہ سب حرکتیں نہ کرتے تھے، یہ سب کچھ انہوں نے مسلمانوں کی حرکتوں کی وجہ سے کیا ہے۔

مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آتا ان کی عقلوں میں پتھر پڑے ہیں، انجام کو نہیں سوچتے، دین کے نام پر لاکھوں کروڑوں روپئے برباد کئے جاتے ہیں، سڑکوں کے سجانے، گیٹ بنانے اور روشنی کرنے، کھیل تماشہ میں لاکھوں روپیہ برباد کیا جاتا ہے، کوئی ان سے پوچھے کہ کیا اسی کا نام ہے دین، کیا ان ہی سب باتوں کی تمہارے پیغمبر نے تم کو تعلیم دی ہے، کھیل کود، تماشہ اور ریاکاری سے دین کا کیا تعلق، یہ کافروں کے بارے میں کہا گیا ہے ”اَلَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَهُمۡ لَهۡوًا وَّلَعِبًا“ کہ انہوں نے دین کو لہو ولعب اور تماشہ کی چیز بنا رکھا ہے، یہ تو غیروں کے کام ہیں دین تو یہ ہے کہ اپنے نبی کے

بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنے پروردگار کی عبادت کرے، دین تو نام ہے اللہ کے سامنے رونے اور گڑ گڑانے کا، اللہ کو یاد کرنے کا جس میں خشوع خضوع ہو، دین نام ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کرنے کا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اگر یاد منانا ہے تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت آپ کے حالاتِ زندگی پڑھیں، آپ کی زندگی کو اور آپ کے صحابہ کے اسوہ کو سامنے رکھ کر اپنی زندگیوں کو دیکھیں اور موازنہ کریں کہ وہ اللہ کے بندے کیسے تھے، اور کیا کر کے چلے گئے اور ہم کیا کر رہے ہیں، قرآن شریف پڑھیں، ایصال ثواب کریں ان کی زندگی کے ہر عمل کو دیکھ کر سبق حاصل کریں دین تو یہ ہے۔

یہ کھیل کود، تماشہ، سجاوٹ، چیخ پکار، ہلڑ بازی، سجاوٹ، نمائش ریاکاری، اس کا نام کہیں دین ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان سب چیزوں کو مٹانے کے لئے آئے تھے، یہ تو کفار کا طریقہ تھا، اور آج بھی یہ طریقہ ان ہی لوگوں کا ہے جس کو مسلمانوں نے جہالت کی وجہ سے اختیار کر لیا ہے، کوئی پوچھے ان لوگوں سے جو اس قسم کے مجمعوں اور نمائشوں میں شریک ہوتے ہیں کہ کتنے لوگ نماز پڑھتے ہیں کتنے مرتبہ درود شریف پڑھتے ہیں، کتنی تلاوت کرتے ہیں۔

دین کے نام پر لاکھوں روپیہ برباد کیا جا رہا ہے مہینوں پہلے اس کی فکر، اور تیاری اور چندہ شروع ہو جاتا ہے، بعض جگہ سال بھر تک اس کا چندہ ہوتا ہے، کوئی پوچھے ان سے کہ جتنا چندہ ہوتا ہے کتنا وہ خرچ کرتے ہیں اور کتنا ان کے پیٹ میں جاتا ہے، بس دین اور حضور کے نام پر چندہ ہو رہا ہے ؏ حاصل کچھ بھی نہیں، ارے یہی ہزاروں لاکھوں روپئے جمع کر کے اگر غریبوں بیواؤں کی مدد اور ان کے نکاح میں خرچ کیا جائے تو کتنا ثواب ملے گا، کتنی بڑی خدمت ہو لیکن ان باتوں کو کہے کون؟ تعجب ہے کہ ان حق باتوں کو جو کہے وہی مطعون ہو اسی کو بدنام کیا جائے، اسی کی مخالفت کی جائے، اسی وجہ سے امت میں جو حالات پیدا ہو رہے ہیں اور جیسا کچھ نقصان ہو رہا ہے سب نگاہوں کے سامنے ہے، سب بھگت رہے ہیں لیکن پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں، بس اللہ ہی ہدایت دے۔

جہاد کا بھوت

حضرت اقدسؒ سخت بیمار تھے، سر میں بڑی بے چینی کا درد تھا، کشمیر سے بعض مہمان حضرت سے ملاقات کے لئے آئے تھے، حضرت نے ان سے کشمیر کے حالات دریافت فرمائے، اس وقت کشمیر میں تحریک آزادی زوروں پر تھی، مسلمان جہاد کے نام پر اپنا خون بہا رہے تھے، گردنیں کٹا رہے تھے، عورتیں بیوہ ہو رہی تھیں، بچے یتیم ہو رہے تھے، نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری ہو رہی تھی، حضرت لیٹے ہوئے تھے، ان کی بعض باتیں اور یہ حالات سن کر سخت غم اور افسوس کی حالت میں اٹھ کر بیٹھ گئے، اور فرمایا کہ کوئی ان لوگوں کو سمجھانے والا نہیں، کچھ لوگ مل کر بیٹھیں اور ان کو سمجھائیں محض گردن کٹانے سے کیا فائدہ، محض جہاد کے نام پر گردن کٹا دی جائے، عورتیں بیوہ ہو جائیں، یہ کوئی کمال نہیں، جہاد جہاد چلا رہے ہیں، محض جہاد کا نام رکھ دینے سے کیا جہاد ہو جائے گا، ارے جہاد تو ایک اسلامی چیز ہے، اس کے اصول و شرائط ہیں جب وہ شرائط پائے جائیں، اور اصول کے ساتھ کیا جائے تب کہیں جا کر جہاد ہوگا، یہ تھوڑی کہ محض جہاد کا نعرہ لگا دینے اور گردنیں کٹا دینے سے جہاد ہو جائے انجام پر بھی تو نظر رکھی جائے کہ اس کا انجام کیا ہوگا، ایک کے پیچھے سو کی جانیں جاتی ہیں، جہاں پاتے ہیں مارتے ہیں، کتنی عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں، نوجوان لڑکیوں کی عزت لوٹی جاتی ہے، دوسرے ملکوں تک اس کا اثر پڑتا ہے، معلوم نہیں کون ان کو سمجھا رہا ہے کہ جہاد کرو، جو بھی ان کو مشورہ دے رہا ہے غلط مشورہ دے رہا ہے، پاکستان اگر مشورہ دے رہا ہے وہ بھی غلط کر رہا ہے، پاکستان دوسروں کی کیا حفاظت کرے گا، اپنے ملک کی حفاظت تو کر نہیں پاتا، پاکستان بننے کے وقت بھی کتنا خون خرابا ہوا اور بعد میں بھی چین سکون کی زندگی نصیب نہ ہوئی، وہاں بھی مارے کاٹے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے یہاں کے مسلمان بھی پیسے جاتے ہیں، کرے کوئی بھرے کوئی۔

کشمیر کے متعلق فرمایا کہ اچھے خاصے اطمینان سے وہ رہ رہے تھے، نماز روزہ کرتے، اعمال و اخلاق کی تبلیغ کرتے ان اعمال کی تبلیغ کرتے جن سے اللہ راضی ہوتا

ہے، اللہ کو راضی کرتے تو کشمیر بھی آزاد ہو جاتا وہ اعمال تو کرتے نہیں جن سے اللہ راضی ہوتا ہے اور آزادی کی کوشش کر رہے ہیں، جب اللہ کی طرف سے آزادی نہ ہو تو ہمارے آزادی حاصل کرنے سے کیا ہوتا ہے۔

فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر مظلوم مسلمانوں کیلئے اہم ملفوظ

فرمایا آج کل کے سیاسی حالات جن سے مسلمان پریشان ہیں، آئے دن فتنے فسادات ہوتے رہتے ہیں، اور مسلمانوں ہی کی جان و مال کا نقصان ہوتا ہے اس موقع پر مسلمانوں کو جو کرنا چاہئے اور جو اصل علاج ہے وہ تو کرتے نہیں، ادھر ادھر کے ریزلیوشن پاس کرایا کرتے ہیں، اخباروں میں مضامین لکھ دیتے ہیں، اسٹیجوں میں بیٹھ کر تقریریں کر دیتے ہیں اس سے کہیں کام بنتا ہے؟ ان سیاسی لیڈروں نے ایسا ناس کیا ہے کہ اللہ کی پناہ، یہ سب کچھ نہ ہوتا، جو آج ہو رہا ہے، جو کچھ بھی ہو رہا ہے انہیں لیڈروں کی بدولت ہو رہا ہے، ریزلیوشن پاس کرا کر اخباروں میں اشتعال انگیز مضامین لکھ کر سوتے ہوئے لوگوں کو جگانا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تو سب ایک ہو گئے اور ہم میں پارٹیاں بن گئیں وہ سب متحد ہو کر ایک طاقت ہو کر ہمارے سامنے آ گئے اور ہم لوگ آپس کے اختلاف ہی میں پڑے ہوئے ہیں، کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ لکھتا ہے اور سب شو بازی ہر ایک بڑا بننا چاہتا ہے باقی اصل جو علاج ہے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔

آج تک سیاسی لیڈر نے نہیں کہا یا کسی اخبار والے نے آج تک نہیں چھاپا کہ اصل علاج اس کا یہ ہے کہ ہم سب اللہ کی طرف متوجہ ہوں، جو حالات ہم پر آتے ہیں اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہم نے اللہ کی نافرمانی کی، ادھر سے منھ موڑا، حالات تو اوپر سے نازل ہوتے ہیں اور اسباب یہاں بنتے ہیں، اس بے سروسامانی کے عالم میں ہم لوگ کر ہی کیا سکتے ہیں، سوائے اس کے کہ اگر کچھ کریں تو الٹے اور پیس کر رکھ دیئے جائیں، نوجوان شہید ہوں، عورتیں بیوہ ہوں، نوجوان لڑکیوں کی بے عزتی کی جائے اس کے علاوہ اور کیا اس کا انجام ہوگا، ارے ایسے وقت تو اللہ کی طرف کامل

انابت ہو، اسی کے سامنے روئیں گڑگڑائیں، اور دعائیں کریں، نافرمانیوں کو چھوڑ دیں، شراب جوا، چھوڑ دیں، ناچ گانوں کی محفلوں سے اور بے حیائی و بے پردگی سے باز آجائیں نماز کو قائم کریں مسجد کو آباد کریں، پھر دیکھئے اللہ کی مدد آتی ہے یا نہیں؟ پرانی تاریخ دیکھیں، تاریخ یہی بتلاتی ہے اور ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آرہا ہے، کہ اللہ کی طرف جھکنے اور توبہ واستغفار کرنے اور انابت کرنے اور اسی سے دعائیں کرنے سے پریشانیاں دور ہوتی ہیں، مسائل حل ہوتے ہیں، اور یہی ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے بڑی بڑی طاقتوں کا مقابلہ کیا گیا، حکومتوں کا مقابلہ کیا گیا، موسیٰ علیہ السلام کے پاس کون سی طاقت تھی، ان کے مقابلہ میں فرعون کی پوری بادشاہی اور فوجی طاقت تھی لیکن انجام کیا ہوا، اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے کون سا ہتھیار استعمال کیا، عیسیٰ علیہ السلام کے پاس کون سی طاقت تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی کس طرح حفاظت فرمائی، ہمیشہ یہی ہوتا چلا آیا ہے، آج بھی اسی کی ضرورت ہے، لیکن کوئی سیاسی اور کوئی لیڈر ان باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا نہ کوئی کہتا ہے، طرح طرح کے مضامین لکھتے ہیں، لیکن اس قسم کی باتوں کو اخبار والے بھی نہیں چھاپتے، اور اگر کوئی ایسی باتیں کہے تو الٹے اس پر الزام لگاتے ہیں کہ مسلمانوں کو بزدل بنانا چاہتے ہو، اور یہ گوارہ ہے کہ مسلمان پیس کر کے رکھ دیئے جائیں، عورتیں بیوہ ہوجائیں ان کی عزتوں سے کھیل کھیلا جائے، اللہ حفاظت فرمائے۔

حکمت عملی نہ اختیار کرنے کا نقصان

ملائم سنگھ، وی پی سنگھ کے دورِ حکومت میں بعض قوانین کا سختی سے نفاذ ہورہا تھا، سڑکوں کے دونوں طرف حدودِ سڑک میں بنی ہوئی ناجائز عمارتیں اور دکانیں توڑی جارہی تھیں، جس کی وجہ سے عوام میں بڑا انتشار اور اشتعال تھا، ہڑتال تک ہوگئی تھی، بسیں بند ہوگئی تھیں، حضرت نے فرمایا جو کچھ ہورہا ہے یہ تو ٹھیک ہے لیکن جلدی کی،

ابھی اس کا وقت نہیں تھا، اتنی جلدی نہ کرنا چاہئے تھا، کچھ دن ٹھہر جاتے حکومت میں استحکام ہو جاتا پھر یہ کام شروع کرتے، جلدی شروع کردیا۔

قاضی مجاہد الاسلام کا ذکر خیر

فرمایا ایک مرتبہ قاضی مجاہد الاسلام صاحب یہاں تشریف لائے میں سبق پڑھا رہا تھا وہ بھی آکر سبق میں بیٹھ گئے، سبق کے بعد کہنے لگے کہ میں تو آپ کو خالی بزرگ سمجھتا تھا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ معقولی بھی ہیں، پھر فرمایا کہ حضرت قاضی صاحب کو میں بہت پہلے سے جانتا ہوں، بڑے کام کے آدمی ہیں، اللہ پاک ان سے کام لے رہا ہے۔

شرعی عدالت میں مسلمانوں کو اپنے مسائل حل کرنے کی ترغیب

ایک مرتبہ قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ پٹنہ بہار سے ہتورا تشریف لانے والے تھے، حضرت نے ان کے اکرام میں شہر باندا میں جلسہ کا انتظام فرمایا تاکہ لوگ آپ کے بیان سے مستفید ہوں، لیکن اس وقت ملکی اور سیاسی حالات کچھ ایسے تھے کہ شہر باندہ میں جلسہ کرنا مناسب نہ تھا، لوگ خواہ مخواہ بدنام کرتے، جلسہ گاہ میں اگر ایک پتھر بھی کسی نے پھینک دیا فتنہ فساد ہو جائے گا، بابری مسجد کی وجہ سے حالات میں کشیدگی کچھ اسی انداز کی تھی، اس لئے حضرت نے فرمایا کہ ایسے حالات میں بہتر یہی ہے کہ بجائے باندہ کے ہتورا ہی میں جلسہ کرلیا جائے اور عام لوگوں کو اطلاع کردی جائے چنانچہ ہتورا میں جلسہ کا پروگرام طے ہو گیا اور اطراف میں حضرت نے لوگوں کو اطلاع دے دی، اور فرمایا کہ کھانے اور واپسی کی سواری کا انتظام بھی یہاں سے کردیا جائے گا۔

حضرت نے ایک صاحب سے قاضی مجاہد الاسلام صاحب کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ تشریف لا رہے ہیں، صوبہ بہار کے نائب امیر شریعت ہیں، قاضی ہیں بہت بڑے عالم ہیں، شریعت کے مطابق شرعی عدالت میں فیصلے کرتے ہیں اگر مسلمان اس کو تسلیم کرلیں اور اس کے مطابق عمل کریں تو

سارے جھگڑے ختم ہو جائیں، آئے دن کچہریوں اور عدالتوں میں جا کر ذلیل و خوار ہوتے ہیں، ہزاروں روپیہ برباد کرتے ہیں اور نتیجہ کچھ نہیں نکلتا، ایک مسلمان کی شان تو یہ ہونا چاہئے کہ اسلامی عدالت میں جا کر شرع کے مطابق فیصلہ کرائے، اور اس کو تسلیم کرے خواہ اس کی مرضی کے موافق ہو یا خلاف، ہزاروں روپیہ بچ جائیں گے، لیکن مسلمان ان باتوں کو نہیں سوچتا، اللہ کرے یہاں بھی اس کی کوئی صورت نکل آئے، اس میں مسلمانوں کا بڑا فائدہ ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب کا ذکر خیر

فرمایا مولانا محمد یونس صاحبؒ اپنی پوری زمانہ طالب علمی میں بیمار رہے، اس وقت مظاہر علوم سہارنپور میں شیخ الحدیث ہیں، بیماری بنی ہے بنی رہے، موت تو ویسے بھی آنا ہے، جب آنا ہوگی تو اسی وقت آئیگی بیماری کے ساتھ بھی کام ہوسکتا ہے؟ کام نہ رکنا چاہئے، بیماری ہوتو رہا کرے۔

علم کی ناقدری کیوں

فرمایا جو چیز جتنی محنت اور مشقت سے حاصل کی جاتی ہے اس کی اتنی ہی زائد قدر ہوتی ہے، آج کل علم کی ناقدری اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کے حاصل کرنے میں محنت ومشقت نہیں برداشت کرنا پڑتی، بڑی آسانی سے علم حاصل ہوجاتا ہے، کھانے کو روٹی مل جاتی ہے رہنے کو کمرہ مل جاتا ہے ہر طرح کی آسائش ہے، پہلے زمانہ میں نہ رہنے کا ٹھکانا تھا، نہ کھانے کا، پڑھنے کے واسطے کتابیں تک نہ تھیں، اپنے ہاتھ سے لکھتے پھر پڑھتے تھے، کیسی کیسی مشقتیں برداشت کر کے علم حاصل کیا ہے، اس کے بعد پھر اللہ نے ان سے کام لیا ہے، انہوں نے جو کتابیں لکھی ہیں، تو ایسی زبردست کہ ہمارے لئے ان کا پڑھنا بھی دشوار ہے اللہ تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں فرماتے۔

باب ۷

اہم حادثات

ایک حادثہ

مدرسہ کا ایک طالب علم ہر دوئی کا رہنے والا بڑا نیک، دیندار، باادب نوجوان ہونہار فرزند تھا، عربی فارسی کی پہلی منزل (سال اول) ہی میں قدم رکھا تھا، صبح کی نماز باجماعت ادا کی قرآن پاک کی تلاوت کی، درجہ میں حاضری دی، پہلا گھنٹہ احقر راقم الحروف کے پاس تھا، دوپہر کا کھانا اپنے ایک استاد اور ساتھیوں کے ساتھ کھایا، کھانے کے بعد قیلولہ کیا تھوڑی دیر بعد اٹھ کر کھڑا ہوا، استنجاء سے فراغت کی اور غسل کرنے کے لئے تالاب اپنے ساتھیوں کو اصرار کے ساتھ لے کر تیزی سے دوڑ کر چل دیا، (کسے معلوم تھا کہ یہ ساری چستی اور تیزی اس کو موت لئے جارہی ہے) تالاب پہنچ کر غسل تو باہر ہی کیا اور تالاب میں اندر جانے کے لئے تیار ہوا تو ساتھیوں سے بے تکلف ہو کر کہا کہ جب غسل کیا کرو تو دعاء اور بسم اللہ پڑھ لیا کرو، یہ کہہ کر بسم اللہ پڑھ کر غوطہ لگایا، غوطہ لگانے کے بعد پھر اس کے جسم نے جنبش نہ کی، کسے معلوم تھا کہ یہ مہمانِ رسول پانی میں نہیں اب جنت میں غوطہ لگانے جارہا ہے، جب کافی دیر ہوگئی، دس پندرہ منٹ کے بعد بھی نظر نہ آیا تو ساتھیوں کو فکر ہوئی کہ آخر گیا تو کہاں؟ چند طلبہ کودے بالآخر ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر نکال کر باہر لائے لیکن اس وقت وہ دم توڑ چکا تھا اور غوطہ لگانے کے بعد پوری طرح جنت کے باغ میں پہنچ چکا تھا، لاش لائی گئی مہمان کے قریب گیٹ سے متصل رکھی گئی، ان کے والدین کو اطلاع کر کے بلایا گیا، لاش سامنے رکھی ہوئی تھی، دیکھتے ہی والد صاحب کا برا حال ہوگیا، حضرت کو دیکھتے ہی بے قابو ہوگئے چمٹ کر بے

تحاشا رونے لگے آنکھوں سے آنسو جاری، گریہ طاری، سسکیاں بندھ گئیں، حضرت کے ہاتھ بھی چومنے لگے، حضرت بھی آب دیدہ اور رنجیدہ تھے، اور غمزدہ باپ پر دست شفقت پھیرتے ہوئے اور تسلی دیتے ہوئے فرماتے جاتے تھے، شہید مرا، شہید مرا، شہید مرا ہے، تھوڑی دیر بعد حضرت نے ان کو ٹھنڈا پانی پلایا کچھ تسلی ہوئی، پھر حضرت نے فرمایا اللہ نے ایک طرح کی نہیں کئی طرح کی شہادتیں نصیب فرمائی ہیں، حدیث پاک میں آیا ہے جو حالت سفر میں مرتا ہے وہ شہید ہوتا ہے، طالب علم کا انتقال ہو وہ شہید ہوتا ہے، ڈوب کر مرنے والا بھی شہید ہوتا ہے، یہ ساری باتیں اس کے اندر پائی جاتی تھیں، کئی طرح کی شہادتیں اس کے اندر جمع ہوگئیں، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ اور تدفین ہوئی، حضرت نے بڑے اہتمام سے ان حضرات کو کھانا کھلایا واپسی کے وقت راستہ کا کھانا بھی ساتھ کر دیا اور وہ حضرات واپس چلے گئے۔

جامعہ عربیہ ہتورا میں ایک طالب علم کا انتقال اور حضرت کا طرز عمل

حضرت مولانا کئی روز کے لئے سفر میں تشریف لے گئے تھے حضرت کی عدم موجودگی میں یہاں ایک بڑا حادثہ پیش آ گیا کہ آفتاب نامی طالب علم مدرسہ کی دو منزلہ چھت کے اوپر سے سر کے بل نیچے گرا، گرتے ہی اس کی حالت خراب ہوگئی، منھ کان ناک سے خون جاری ہو گیا، فوری ممکن علاج کرایا گیا اور بہت دعائیں ہوئیں لیکن افاقہ نہیں ہوا، دوسرے روز بیچارہ اللہ کو پیارا ہو گیا، حضرت مولانا کو اب تک اس واقعہ کا علم نہ ہوا، سفر سے واپسی کا وقت ہو چکا تھا، یہاں تجہیز و تکفین اور تدفین کی تیاری بھی ہو چکی تھی، اب انتظار صرف حضرت کی تشریف آوری کا تھا، لاش کو برف میں رکھ دیا گیا تھا تا کہ صحیح سالم محفوظ رہے، حضرت اقدس شام کے وقت باندہ پہنچے اور باندہ ہی میں آپ کو اطلاع دی گئی، مت پوچھئے کہ آپ کی حالت کیا ہوگئی، باندہ سے ہتورا روتے ہی روتے آئے، نہ کسی سے بات کر رہے ہیں نہ کسی کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں، مغرب کے بعد ہتورا پہنچے اور مغرب کی نماز ادا فرمائی اور سخت غم و کرب کے عالم میں فرمایا نماز

جنازہ ادا کی جائے، حضرت مدرسہ کے وسیع میدان میں تشریف لائے، مجمع بہت زائد تھا، لوگوں کا ہجوم تھا، حفاظ وقراء وعلماء سب ہی اس میں تھے، حضرت والا نے نماز جنازہ پڑھائی، اس وقت آپ پر رنج وغم کا اتنا اثر تھا کہ نماز جنازہ پڑھانے کے لئے جب آپ نے تکبیر کہی تو اللہ اکبر بھی باآواز بلند پورے طور سے نہ کہہ سکے، بہر حال بھرائی ہوئی آواز سے نماز پڑھائی، نماز کے بعد جنازہ قبرستان لے جایا گیا، حضرت بھی جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے، ایک تو مسلسل سفر کی تھکاوٹ دوسرے بیماری اور ضعف اس قدر غالب تھا کہ چلنا بھی مشکل تھا لیکن کسی طریقہ سے بمشقت قبرستان تشریف لے گئے، اور جنازہ نیچے رکھ دینے کے بعد زمین پر ایک جانب آپ بیٹھ گئے، سکتہ کا عالم تھا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ہچکیاں بھی بندھ جاتی تھیں، طلبہ بھی رنجیدہ خاموش حضرت کے قریب چاروں طرف کھڑے تھے، ہر شخص بدحواس، بدحال اور پریشان رنج وغم اور فکر میں ڈوبا ہوا تھا، کچھ دیر کے بعد حضرت والا واپس تشریف لائے، اور اپنے حجرہ میں آکر فرمایا بہت نیک لڑکا تھا، آج تک کبھی اس کی کوئی شکایت سننے میں نہیں آئی، تم لوگوں نے مجھ کو سفر ہی سے کیوں نہ بلا لیا، انشاء اللہ تعالیٰ شہادت کا درجہ پائے گا، پھر حضرت والا تنہا کمرہ میں ہو گئے، اور عشاء کے وقت نماز کے لئے مسجد تشریف لائے، حضرت کا معمول تھا کہ روزانہ عشاء کے بعد طلبہ کو کوئی دینی اصلاحی کتاب پڑھ کر سناتے تھے، یا زبانی کچھ فرما دیا کرتے تھے، طلبہ سب جمع ہو گئے حضرت نے فرمایا جاؤ آج کچھ نہیں کہوں گا، لیکن طلبہ بیٹھے ہی رہے، کچھ طلبہ جانے لگے، فرمایا اچھا بیٹھو، حضرت والا کرسی پر بیٹھے رنج وغم سے آپ کی آنکھیں سرخ تھیں، تھکاوٹ سے بدن چور چور تھا، شدت غم کی وجہ سے آواز نہ نکلتی تھی، اسی کرب کے عالم میں حمد وصلوٰۃ کے بعد حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَاالْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ.

(ترجمہ) اور تم کو پورا بدلہ قیامت کے دن ہی ملے گا تو جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں

داخل کیا گیا سووہ پورا کامیاب ہوااور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں صرف دھوکہ کا سودا ہے۔

پھر فرمایا اس دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ جانے ہی کے لئے آیا ہے کوئی بھی ایسا نہیں جو دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے آیا ہو، ہر شخص کو یہاں سے جانا ہے، دنیا اس لئے ہے ہی نہیں کہ یہاں ہمیشہ رہا جائے، دنیا تو صرف اس لئے ہے کہ چند روز یہاں زندگی کے ایام پورے کرلو، ان ہی دنوں میں اپنی آخرت بنالو، جنت کی تیاری کرلو، اگر دنیا رہنے کی جگہ ہوتی تو سب سے زیادہ اس کے حق دار انبیاء علیہم السلام تھے، کیونکہ جتنا نفع انبیاء کی ذات سے مخلوق کو ہوتا ہے کسی سے بھی نہیں ہوتا لیکن جب انبیاء بھی دنیا میں رہنے کے لئے نہیں آئے اور ایک وقت میں وہ بھی دنیا سے رخصت ہوگئے تو اب کون ہے جو دنیا میں ہمیشہ رہے، کسی کو کچھ پتہ نہیں کب اس کا وقت آجائے، اس لئے ہر وقت موت کی تیاری میں لگا رہنا چاہئے، کسی وقت غافل نہ ہونا چاہئے، ہر وقت ہر ایک سے معاملہ بالکل صاف ہونا چاہئے، اور ہر شخص کو زندگی ایسی گذرنی چاہئے کہ جب دنیا سے جا رہے ہوں تو سب کو رنج وغم ہو، سب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔

یہ دنیا ہے کیا چیز یہ تو ایک مسافر خانہ ہے، یہاں تو انسان سفر میں ہے اگر کسی نے سفر میں تیاری نہ کی اور پہلے سے سامان تیار نہ رکھا، عین وقت پر اس کو اچانک گاڑی سے اترنا پڑ گیا تو اس کو بڑی دشواری ہوگی، اس کے لئے تو پہلے سے تیاری کرنا چاہئے۔

مجھے افسوس اس لئے نہیں ہو رہا ہے کہ وہ کیوں دنیا سے رخصت ہوگیا، کیا وہ دنیا سے جانے کے لئے نہیں آیا تھا؟ کیا اس کو دنیا میں ہمیشہ رہنا تھا؟ نہیں ایسی بات نہیں بلکہ اس کی نیکی اور دینداری کی بنا پر افسوس ہو رہا ہے کہ ایسے لوگ جب ہوتے ہیں تو ان کے برکات ظاہر ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اس بیچارہ کو کسی سے کوئی مطلب نہ تھا، نماز باجماعت کا پابند تھا، اسباق میں حاضری کا پابند تھا، کبھی کسی قسم کی کوئی شکایت سننے میں نہیں آئی، بالکل قدیم زمانہ کے طالب علموں جیسا تھا، اگر تم لوگ ایسا بننا چاہو کیا نہیں بن سکتے؟ تم لوگ بھی ایسے بنو، اور ایسے ہی رہو، میرے دل پر

کیا گذر رہی ہے اس کے والدین اس کو کیا جانیں، دعاء کرو اللہ تعالیٰ ان کے والدین کو صبر جمیل نصیب فرمائے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اس کو شہادت کا درجہ نصیب ہوگا، ایک تو طالب علم تھا، حالت سفر میں تھا، اللہ کے راستے میں تھا، چھت سے گر کر مرا ہے ضرور شہید ہوگا، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو دیوار کے نیچے دب کر مر جائے وہ شہید ہوتا ہے، سب لوگ سورہ اخلاص پڑھ کر اس کے لئے ایصال ثواب کرو، اور اس کے لئے دعاء کرو، پھر دوسرے روز ایک نماز کے بعد حضرت نے اس کے درجات کی بلندی کے لئے دعاء فرمائی، اور اعلان فرمایا کہ اس پر اگر کسی کا قرض ہو تو مجھ سے آکر لے لے۔

آج دوسرا روز ہے لیکن حضرت اقدس بہت غمزدہ ہیں، آواز بھی پورے طور سے نہیں نکل رہی، اور اب بیمار پڑ گئے ہیں اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

حضرتؒ کے ایک ہمدرد عزیز کا ذکر خیر

فرمایا ہمارے عزیز عبد الرؤف بھائی بڑے مخلص تھے، مدرسہ میں انہوں نے بڑی قربانی دی ہے، میرا بہت ساتھ دیا ہے، شروع ہی سے میرے ساتھ کام میں شریک رہے، مدرسہ کی عمارت بنوانے میں ان کا بڑا حصہ ہے، پہلے نومیل سے یہاں تک راستہ تو تھا نہیں، ٹرک بھی نہیں آسکتا تھا، ٹرک والے نومیل ہی میں سڑک پر اینٹیں ڈال دیا کرتے تھے، بیچارے عبدالرؤف بھائی گاؤں بھر سے بیل گاڑی مانگ کر لے جایا کرتے اور وہاں سے بیل گاڑی میں اینٹیں لاد کر لاتے، روز کا معمول تھا کہ گھر سے صبح ناشتہ کر کے آجاتے اور شام تک یہیں رہتے، تعمیری کام کی پوری نگرانی کرتے، بہت بڑی قربانی دی ہے، اور مدرسہ کا ایک لقمہ نہیں کھایا، ایک پائی مدرسہ سے نہیں لی، اللہ تعالیٰ ان کا اس کا بہتر صلہ عطا فرمائے۔

(ابھی پرسوں ان کا انتقال ہوا ہے) انتقال ہونے پر صدمہ ہوتا ہے، واقعی میرے بڑے ہمدرد تھے ہر موقع پر انہوں نے میرا ساتھ دیا، جب کبھی کوئی مخالفت ہوئی، میرے اوپر کوئی آنچ آئی تو میرا پورا ساتھ دیا میری پوری حمایت کی اللہ ان کو بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

تقدیر کے آگے تدبیر کی ناکامی

حضرتؒ کے چچا کی وفات کا حال

فرمایا احقر کے چچا نماز کے بڑے پابند تھے اور خود بڑے حکیم بھی تھے، ایک مرتبہ رمضان کی چودہ تاریخ کی تراویح پڑھیں اور گاؤں کے کنارے جہاں اب مدرسین کے مکانات بنیں ہیں، پہلے وہاں ایک چھوٹا سا تالاب تھا، رات کے وقت وہیں قضاء حاجت کے لئے آئے تھے، وہیں ایک زہریلے جانور نے کاٹ لیا جس کو بچھ کا پڑ کہتے ہیں، واقعی بڑا زہریلا جانور ہوتا ہے اس میں آدمی بچتا نہیں، حکیم تھے فوراً سمجھ گئے، گھر آئے زبان تو اسی وقت بند ہوچکی تھی بات نہیں کر سکتے تھے لیکن خود بڑے حکیم تھے اس کا علاج بھی جانتے تھے، جلدی سے قلم کاغذ منگا کر نسخہ لکھا کہ یہ یہ دوا منگالی جائے اتفاق کی بات کہ جس جس دوا اور جڑی بوٹی کی ضرورت تھی سب آسانی سے مل گئیں ایک چیز مور کی بیٹ وہ نہیں مل رہی تھی، رات کے وقت کچھ لوگ روشنی کر کے جنگل کی طرف مور کی بیٹ تلاش کرنے گئے اس زمانہ میں مور یہاں بہت رہتے تھے، اتفاق کی بات کہ مور کی بیٹ بھی لے آئے لیکن وقت آ ہی چکا تھا اور وقت آجانے کے بعد پھر کوئی تدبیر کام نہیں کرتی، اسی میں انتقال ہوگیا، میں اس وقت باندا میں تراویح پڑھا رہا تھا، اسی دن ختم ہونے والا تھا جب مجھے معلوم ہوا فوراً آیا اور تجہیز و تکفین ہوئی۔

امرودہا ضلع کانپور میں دوران جلسہ پتھر پھینکنے والا قصہ

تقریباً ۱۳۹۷ھ کا واقعہ ہے کہ احقر کے وطن قصبہ امرودھا ضلع کانپور میں جہاں اہل بدعت کا غلبہ ہے بدنصیبوں نے حضرت اقدس مولانا سید صدیق احمد صاحبؒ کا پتلا بنا کر پورے قصبہ میں گھمایا، اس کی توہین کی اور پھر جلادیا، حضرت اقدس کے بعض مریدین اور احقر کے والدین وغیرہ بڑی تنگی اور گھٹن کی زندگی بسر کر رہے تھے، قتل تک کی دھمکیاں دی گئیں، حضرتؒ کے متعلقین کو مسجد میں نماز نہ پڑھ سکنے کا سخت افسوس ہوتا

تھا، محلّہ کی دو قدم پر مسجد لیکن مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے ایک مرتبہ بعض جماعت کے لوگ نماز پڑھ کر نکلے تو ان کو اس قدر مارا گیا کہ ایک صاحب کا ہاتھ ٹوٹ گیا بدن زخمی ہوگیا، حضرت کے متعلقین و مریدین نے اپنے مکان کے احاطہ میں جلسہ کا نظام بنایا اور اپنی علیحدہ مسجد تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا، جلسہ کی شہرت ہوئی حضرت کا نام سن کر اطراف اور دور دراز سے کافی لوگ جمع ہوگئے، مشورہ ہوا تو حضرت نے مسجد بنانے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اتنے قریب مسجد موجود ہے ایک وقت آئے گا انشاء اللہ مسجد آپ حضرات کے قبضہ میں ہوگی ابھی آپ لوگ گھر ہی پر نماز پڑھتے رہیں، البتہ مدرسہ بنانا مناسب ہے، چنانچہ مکتب کی شکل میں ایک مدرسہ قائم ہوگیا۔

عشاء کے بعد حضرت کا پروگرام ہونا تھا دو منزلہ مکان کی چھت پر مستورات کا نظم تھا نیچے میدان میں مردوں کا کافی مجمع تھا، جلسہ کا آغاز ہوا، قاری صاحب نے قرآت فرمائی، ایک مقرر صاحب نے تقریر شروع فرمائی گرمی کا موسم تھا پنکھا چل رہا تھا کہ یکایک لائٹ گل، اندھیرا چھا گیا اور چاروں طرف سے پتھروں کی بارش ہونے لگی، مکان کی چھت پر عورتوں کے مجمع میں بھی پتھر برسائے گئے، نشانہ لگا کر ٹھیک اسٹیج پر اور حضرت کو نشانہ بنا کر پتھر برسائے گئے، ایک اللہ کا بندہ حضرت کے اوپر جھک گیا، اور جھکا ہی رہا جتنے پتھر آتے اس شخص کی پیٹھ پر گرتے اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت کی حفاظت فرمائی، کافی دیر تک پتھراؤ ہوتا رہا، ظالم لوگ مسجد کی چھت پر سے پتھر برسا رہے تھے، جلسہ تو درہم برہم ہوگیا، سارا مجمع منتشر ہوگیا، بعض جواں مرد بہادر لوگوں نے کہا کہ اب تو ہم جلسہ ضرور کریں گے، ہم بندوق لے کر آرہے ہیں دیکھیں کون منع کرتا ہے حضرت نے اس کو منع فرمایا اور کہا کہ انشاء اللہ یہ ہماری فتح مبین ہوگی، مجمع منتشر ہوجانے کے بعد حضرت نے موجود لوگوں کو ایک کمرہ میں جمع فرمایا اور مختصر تقریر فرمائی کہ۔

''ہم کھانے پینے کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی سنتیں ادا کرتے ہیں، پتھر کھانا یہ بھی تو ایک طائف کی سنت ہے، اللہ کا شکر ہے کہ آج اس نے اس سنت کی ادائیگی

کی توفیق نصیب فرمائی، اس کے بعد" حضرت نے دیر تک دعاء فرمائی لوگوں نے آمین کہی، اور حضرت راتوں رات بجائے سڑک کے کھیت کے راستہ سے موٹر سائیکل سے واپس تشریف لے گئے، بعد میں معلوم ہوا کہ سڑک پر لوگ حضرت کو مارنے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے، چند سالوں بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت کے متعلقین کو عزت نصیب فرمائی ان کا بول بالا ہوا، اور جن صاحب کے توسط واعانت سے پتھراؤ ہوا تھا وہ سب ذلیل ہوئے اس گھر کے بعض لوگوں نے خودکشی کی، بعضوں کا اکسیڈنٹ میں براحال ہوا۔

للولی میں دوران تقریر پتھراؤ کا قصہ

حضرت کی وفات سے چند ماہ قبل کا واقعہ ہے، جس کو حضرت نے اپنی وفات سے چند روز قبل بیان فرمایا کہ للولی ضلع فتحپور میں بھی اہل بدعت کا غلبہ ہے، ایک زمانہ تو وہ تھا کہ ایک آدمی بھی اپنے خیال کا نہ تھا راستہ چلتے پتھر پھینکے جاتے تھے، الحمدللہ میں برابر جاتا رہا لوگوں سے ملتا رہا رفتہ رفتہ حالات میں تبدیلی آئی الحمدللہ اب اچھے خاصے لوگ اپنے ماننے والے ہیں اور اپنا مدرسہ بھی قائم ہے، جلسہ بھی ہوتا ہے۔

ابھی چند روز قبل جلسہ میں گیا تھا، بعض شرّی لوگوں نے دوران تقریر پتھراؤ شروع کردیا، مجمع منتشر ہونے لگا، میں نے ان کو منع کیا، اور اسی پر تقریر کی کہ اگر واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو سچی محبت ہے تو آپ کی اتباع کرو آپ نے پتھر کھائے ہیں پتھر کھانا نبی کی سنت ہے، ہم اس سے گھبراتے نہیں پتھر مارنا دوسروں کا طریقہ ہے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہیں، ہم کو مایوس نہ ہونا چاہئے اگر واقع میں حضور کے ماننے والے ہو تو کوئی اٹھے نہیں چنانچہ پورا مجمع بیٹھا رہا اور پتھر آنا بھی بند ہوگئے، وہ لوگ خود نادم ہوئے ہوں گے، اسی نوع کا گھاٹم پور ضلع کانپور میں بھی قصہ پیش آیا تھا۔

ایک اور حادثہ

اسی نوع کا ایک اور واقعہ کہ حضرت اقدس ایک مرتبہ جہان آباد ضلع فتحپور کے قریب تشریف لے گئے تھے، واپسی میں رات کا وقت ہوگیا، لیکن حضرت کا معمول ہے

کہ جلسہ سے فراغت کے بعد قیام نہیں فرماتے بلکہ کتنی ہی رات ہوجائے کسی طرح جلد از جلد مدرسہ واپسی کی کوشش فرماتے ہیں تاکہ سبق کا ناغہ نہ ہو، چونکہ سواری کا نظم تھا، اس لئے حضرت جیپ گاڑی سے رات ہی کو چل دیئے، راستہ میں دیکھا کہ گاڑیوں کی لمبی قطار ہے، راستہ جام ہے، کوئی گاڑی نہ آرہی ہے نہ جارہی ہے، آگے جانے کا راستہ نہیں لیکن اس کا سبب نہ معلوم ہوسکا، ڈرائیور بہت ہوشیار تھا سڑک کے کنارے تھوڑی جگہ پاکر گاڑی آگے نکال لایا، آگے دیکھا تو بدمعاشوں ڈاکوں کا ایک قافلہ سینہ پر سوار ہے ڈرائیور نے جلدی گاڑی نکالنے کی کوشش کی ڈاکوؤں نے زور سے آواز دی گاڑی روکنا چاہا لیکن ڈرائیور صاحب نے ہمت کرکے گاڑی آگ بڑھادی اتنے میں ایک ڈاکو نے گولی چلادی اور گولی آکر گاڑی کے اگلے شیشے پر آکر لگی شیشہ ٹوٹ کر چور چور ہوگیا اور اس کی کرچیں ڈرائیور کے جسم اور چہرہ میں گھس گئیں جس سے چہرہ زخمی ہوگیا، حضرت بھی اس میں بیٹھے ہوئے تھے لیکن حضرت کے چوٹ نہیں آئی، گولی لگتے ہی ڈرائیور نے گاڑی روک دی اور بدمعاش غنڈے گاڑی پر ٹوٹ پڑے دیگر رفقاء سفر کے پاس جو کچھ روپیہ پیسہ تھا سب وصول کررہے تھے، حضرت فرمارہے تھے کیا بات ہے بتاؤ تو تم کیا چاہتے ہو، اتنے میں کسی نے کہہ دیا کہ جانتے ہو یہ کون ہیں ہتورا والے بابا ہیں، اوران ڈاکوؤں میں سے بعض نے حضرت کو پہچان بھی لیا ڈاکوؤں کا سردار آگے آیا پیروں میں گر پڑا، معافی مانگی اور تمام بدمعاشوں کو بلایا سب نے معافی مانگی اور جتنا روپیہ لیا تھا سب واپس کردیا، حضرت نے فرمایا تم لوگوں کو اس طرح کرنا چاہیئے؟

الغرض وہاں سے روانہ ہوئے، ڈرائیور صاحب کو کانپور ہسپتال میں داخل کیا گیا، چندروز بعد ہتورا تشریف لائے تھے احقر نے دیکھا اس وقت بھی ان کا چہرہ زخمی تھا، اس قصہ کی بڑی شہرت ہوئی، ہتورا فون پر فون تار پر تار آنے لگے، یہ زمانہ ملائم سنگھ کی وزرات کا تھا، ملائم سنگھ نے فون کیا، اور عیادت کے لئے آنے کی اجازت چاہی حضرت نے جواب دیا کہ میں اچھی طرح خیریت سے ہوں آنے کی ضرورت نہیں آپ زحمت نہ

فرمائیں، آپ کو تکلیف ہوگی، ملائم سنگھ نے فتحپور اور اس کے اطراف کے تمام تھانوں میں آرڈر بھیج دیا کہ ۲۴ گھنٹے کے اندر بدمعاشوں ڈاکوؤں کے سردار اور پوری جماعت کو گرفتار ہونا چاہیئے، اور فوراً ان کو سزا ملنی چاہیئے، پورا عملہ حرکت میں آگیا چاروں طرف پولیس پھیل گئی بالآخر گرفتار کیا گیا اور اس کو گولی ماری گئی اور پولیس نے پیچھا کر کے اس کو ڈھیر کر دیا، وہ ڈاکو جس کے گرفتار کرنے اور مارنے پر انعام مقرر تھا لیکن اب تک کوئی نہ مار سکا تھا آج مار دیا گیا، لوگوں میں بڑی خوشی ہوئی اخبار والوں نے مضمون نکالا کہ ہتورا والے بابا کی بدعاء نے اس کو ہلاک کر دیا۔

مولانا مظفر حسین صاحبؒ کی حکایت

مولانا مظفر حسین صاحبؒ کی حکایت ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں تشریف لے جا رہے تھے، رات ہوگئی ایک سرائے میں قیام فرمایا رات میں کسی بنیا کی چوری ہوگئی اس کے کپڑے کسی نے چوری کر لئے، مولانا کا معمول صبح جلدی سفر کرنے کا تھا اس لئے اٹھ کر چل دیئے یہ اٹھا دیکھا کہ کپڑے غائب ہیں پریشان ہوا اور سوچا کہ ہو نہ ہو وہی مولوی صاحب کپڑے چوری کر کے لے بھاگے جلدی جلدی پیچھا کیا اور جاتے ہی ایک گھونسہ رسید کیا، اور کہا کہ چوری کر کے بھاگا جا رہا ہے نکال میرے کپڑے، بڑی سختی سے پیش آیا اور تھانہ چلنے پر مجبور کیا کہ تجھے پولیس کے حوالہ کروں گا، حضرت تشریف لے گئے تھانیدار حضرت کا مرید ومعتقد تھا، اس نے دور سے دیکھتے ہی حضرت کا استقبال کیا ملاقات کے لئے آگے بڑھا اب یہ تو بہت پریشان ہوا، سمجھا کہ یہ کوئی بہت اہم آدمی ہیں ڈرا کہ اب میری خیر نہیں ہے، حضرت نے تھانے دار سے پہلے ہی کہہ دیا کہ پہلے وعدہ کرو کہ اس شخص کو کچھ نہ کہو گے یہ بیچارہ مجھے جانتا نہیں تھا ورنہ ایسی حرکت نہ کرتا، اور اس سے کہا جلدی بھاگ جا، پھر تھانیدار نے حضرت کا بڑا احترام کیا اور عزت سے رخصت کیا، حضرت نے فرمایا ہمارے اکابر تو ایسے تھے اور ایک ہم ہیں کہ ذرا کوئی بات ہو جائے تو فوراً لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

۸
باب
علمی نکتے اور متفرق ارشادات

عقل کی فضیلت

(۱) جو زیادہ عقل مند ہے وہ دنیا اور آخرت میں کم عقل سے فضیلت رکھتا ہے۔ (الحدیث)

(۲) شیطان پر کوئی چیز ایک عاقل مومن سے زیادہ شاق نہیں حالانکہ وہ سو جاہلوں کو برداشت کر لیتا ہے۔

(۳) لقمان علیہ السلام کا قول ہے اللہ کے معاملہ میں سب سے زیادہ عقل سے کام لینے والے کے اعمال بھی سب سے اچھے ہوتے ہیں، جس عبادت میں عقل کو کام میں لایا گیا اس سے زیادہ کوئی عبادت اللہ تعالیٰ کی نہیں ہوسکتی۔

(۴) مطرف فرماتے ہیں کہ بندہ کو ایمان کے بعد عقل سے زیادہ کوئی افضل چیز نہیں دی گئی۔

(۵) حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ حج، عمرہ، جہاد، نماز، روزہ، سب ہی کچھ کرتے ہیں، مگر اجر میں سب برابر نہیں، قیامت میں عقلوں کی تعداد کے مناسب ہی ان کو اجر دیا جائے گا۔ (بیاض صدیقی)

اشتقاق عقل

ثعلب کا قول ہے کہ اس کے اصل معنی امتناع (روکنا) ہیں کہا جاتا ہے، عقلت الناقۃ اور عقل بطن الرجل . (بیاض صدیقی)

عقل کی حقیقت

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ عقل انسان کی ایک طبعی صفت ہے، جو اس کی ماہیت کے ساتھ گڑی ہوئی شئی ہے، اور یہی تعریف محاسبی سے منقول ہے، محاسبی کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ عقل نور ہے۔

دوسرے حضرات نے تعریف کی ہے کہ عقل علوم ضروریہ کی ایک نوع ہے اور وہ ایسا علم ہے جس سے جائز امور کا جواز اور محالات کا محال ہونا منکشف ہو جائے،

بعض کے نزدیک عقل جوہر بسیط ہے، بعض کا قول ہے کہ عقل ایک شفاف جسم ہے، ایک اعرابی نے کہا کہ عقل تجربات کا نچوڑ ہے، جو بطور غنیمت ہاتھ لگ جائے۔

تحقیق یہ ہے کہ عقل کا اطلاق مشترک طور پر چار معنوں پر ہوتا ہے۔

(۱) وہ وصف جس کے ذریعہ سے انسان دیگر بہائم سے ممتاز ہو جاتا ہے، اور یہ ایسا وصف ہے جس سے انسان میں علوم نظریہ کے قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے۔

(۲) اس علم پر اطلاق ہوتا ہے جو طبیعت انسانی میں رکھا گیا ہے، جس سے جائز شئی کا جواز اور محال کا محال ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۳) اس علم پر اطلاق ہوتا ہے جو تجربات سے حاصل ہوتا ہے۔

(۴) اس قوت کے منتہاء پر بھی اطلاق ہوتا ہے جس کو گڑی ہوئی چیز کہا گیا ہے۔

(بیاض صدیقی)

عقل کا محل و مقام

امام احمدؒ سے مروی ہے کہ اس کا مقام دماغ ہے، یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے، ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس کا مقام دل ہے، یہ حنابلہؒ کا قول ہے، امام شافعیؒ سے بھی یہی قول مروی ہے، وہ حق تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں ''فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَّعْقِلُونَ بِهَا– الی قَوْلَهٗ تَعَالٰی وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُوْرِ (پ:۱۷/الحج: ۴۶) '' یہاں قلب عقل کے معنیٰ میں ہے جس طرح

ظرف بول کر مظروف مراد لیتے ہیں، اس لئے کہ قلب عقل کا محل ہے۔

(بیاض صدیقی بحوالہ از لطائف علمیہ) حوالہ مضمون کے ساتھ ختم پر

عاقل اور ذکی کی علامات

یہ علامات دو قسم کی ہیں، (۱) جو باعتبار صورت کے ہیں، (۲) جو معنوی ہیں اور احوال وافعال سے متعلق ہیں۔

بعض حکماء کا قول

حکماء کا قول ہے کہ معتدل مزاج اور اعضاء میں تناسب کا ہونا عقل کی قوت اور ذہانت کی دلیل ہے، موٹی گردن دلالت کرتی ہے دماغی قوت اور اس کی زیادتی پر، جس کی آنکھ جلدی جلدی حرکت کرتی ہو وہ مکار اور حیلہ باز چور ہے، اور سیاہ پتلی والی آنکھ زیادہ اچھی ہے، جب سیاہ آنکھ زیادہ چمکیلی نہ ہو، اور اس میں زردی اور سرخی نہ ظاہر ہوتی ہو تو وہ بلند حوصلہ طبیعت پر دلالت کرتی ہے، چھوٹی آنکھ اور اندر کو گڑی ہوئی ہو وہ مکار اور حاسد ہوگا، لاغر چہرہ اور پستہ قد میں مہربانی کا زیادہ اظہار ہوتا ہے، معتدل قد والے لوگوں کے حالات صالح ہوتے ہیں۔

(یہ بعض حکماء کا قول ہے جو تجربات پر مبنی ہے یقینی نہیں، اس کے خلاف بھی ہوسکتا ہے)

حضرت ذوالنونؒ کا ارشاد ہے کہ جس میں پانچ صفات پاؤ اس کے لئے سعادت کی امید رکھو، خواہ موت سے دو گھڑی قبل اس کو نصیب ہوئی ہو۔

(۱) استواء خلق یعنی اعضاء کا تناسب اور مزاج معتدل ہونا (۲) روح یعنی خون کا ہلکا ہونا (۳) عقل رسا (۴) صاف توحید جو شائبہ شرک جلی وخفی سے پاک ہو (۵) پاکیزہ طبیعت۔

عقلمند کی علامتیں

کسی عاقل کی عقل پر اس کے مناسب اور موقع کے اعتبار سے خاموشی، سکون، نیچی نگاہ، برمحل حرکات سے استدلال کیا جاسکتا ہے، عقلمند اپنے فیصلہ میں خواہ کھانے

پینے کے بارے میں ہو یا اور کسی قول و فعل میں اسی امر کو اختیار کرے گا جو انجام کے اعتبار سے اعلیٰ اور بہتر ہوگا، نقصان دہ چیزوں کو ترک کرے گا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے عاقل کی یہ علامتیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) بڑے کے ساتھ تواضع سے پیش آئے (۲) چھوٹے کو حقیر نہ سمجھے (۳) گفتگو میں بڑائی کا اظہار نہ ہو (۴) لوگوں کے ساتھ معاشرت میں ان کے آداب معیشت کو ملحوظ رکھے (۵) اپنے اور خدا کے درمیان تعلق کو مضبوط رکھے۔

وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ بغیر دس صفات کے عقل کامل نہیں ہوتی۔

(۱) کبر نہ ہو (۲) نیک کاموں کی طرف پورا میلان ہو (۳) دنیاوی سامان میں سے صرف بقدر بقاء حیات پر اکتفا کرے (۴) زائد کو خرچ کردے (۵) تواضع کو اچھا سمجھے (۶) اپنا پہلو گرا لینے کو (یعنی تواضع اختیار کرنے کو) عزت اور سربلندی پر ترجیح دے (۷) سمجھ کی باتیں حاصل کرنے سے زندگی بھر نہ تھکے (۸) کسی سے اپنی حاجت کے لئے تحکم اور بدمزاجی نہ اختیار کرے (۹) دوسرے کے تھوڑے احسان کو زیادہ سمجھے، اور اپنے بڑے احسان کو کم سمجھے (۱۰) تمام اہل دنیا کو اپنے سے اچھا اور اپنے کو سب سے برا سمجھے، اگر کسی کو اپنے سے اچھا دیکھے تو خوش ہو، اور اس بات کا خواہش مند ہو کہ اس کی عمدہ صفات خود بھی اختیار کرے، اور اگر کسی کو بری حالت میں پائے تو خیال کرے کہ انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہم کو کیا خبر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شخص نجات پا جائے اور میں ہلاک ہو جاؤں۔

مکحول سے حضرت لقمان کا یہ قول مروی ہے کہ انسان کے شرف اور سرداری کی بنا حسن عقل پر ہے جس کی عقل اعلیٰ درجہ کی ہوگی وہ اس کے تمام گناہوں کو ڈھک لے گی اور اس کی برائیوں کی اصلاح کردے گی اور اس کو رضاء مولیٰ حاصل ہو جائے گی۔

بن ابی صفرہ کا قول ہے کہ بڑائی کی بات یہ ہے کہ عقل زبان سے بڑھی ہو، نہ یہ کہ زبان عقل سے بڑھی ہو۔ (بیاض صدیقی)

انسان کو بہکانے والا کون ہے

ایک صاحب نے بڑا طویل گنجلک اور پیچیدہ خط لکھا جس میں انسان کو بہکانے سے متعلق سوال کیا تھا، غور وفکر کے بعد ان کے سوال کا حاصل اور خلاصہ یہ سمجھ میں آیا کہ جب شیطان انسان کو بہکاتا ہے تو اس کے بہکانے کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو وہ از خود بہکاتا ہے اگر واقعی یہ بات ہے تو پھر اس میں انسان کا کیا قصور شیطان کو اس پر کیوں مسلط کیا گیا، اور اگر شیطان از خود نہیں بہکاتا بلکہ اس شیطان کو بھی کوئی دوسرا شیطان بہکاتا ہے تو پھر اس دوسرے کو تیسرا اس طرح سلسلہ چلتا رہے گا تو پھر اس صورت میں اس بہکانے والے شیطان کا کیا قصور اور اگر اسی طرح ہے تو پھر یہ کیوں نہ فرض کرلیں کہ انسان ہی انسان کو بہکاتا ہے۔ (اس طرح کی عجیب سی باتیں لکھی تھیں) واللہ اعلم

حضرت دامت برکاتہم نے مندرجہ بالا سوال کا مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان کو بہکانے والا اس کے اندر وسوسہ ڈالنے والا صرف ابلیس ہے، جس کو شیطان کہتے ہیں، اس کے کارندے بہت ہیں، وہ انسان اور جن دونوں ہوتے ہیں، شیطان کبھی تو کسی انسان کو آلہ کار بناتا ہے اور کبھی جن کو، شیطان نے مردود ہونے کے بعد کہا تھا کہ آدم علیہ السلام کی وجہ سے مجھے راندۂ درگاہ کیا گیا ہے اس لئے اس کی اولاد سے اپنا بدلہ لوں گا، اور ان کو گمراہ کروں گا، اللہ پاک نے فرمایا تو اپنا پورا زور لگالے جن کو مجھ سے تعلق ہوگا وہ کبھی تیرے بہکانے میں نہ آئیں گے۔

اس کے بعد اللہ پاک نے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا جن کے ذریعہ ہر زمانہ میں اس کا اعلان کراتا رہا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اس سے ہوشیار رہنا، اس سے بچنے کی تدبیر ان تعلیمات پر عمل کرنا ہے جو میں انبیاء کے ذریعہ تم تک پہونچا رہا ہوں، اس انتظام کے بعد اب جو شخص عمل نہ کرے اور انبیاء کی راہ کو چھوڑ کر شیطان کے راستہ پر چلے تو یہ انسان کا قصور ہے۔

اس کی مثال اس طرح سمجھئے کہ ایک مریض کو ڈاکٹر نے دوا تجویز کی اور پرہیز بتلایا اور تاکید کردی کہ یہ دوا استعمال کرنا اور ان چیزوں سے پرہیز رکھنا اب کوئی اپنی جان کا دشمن دوا تو استعمال نہ کرے اور بد پرہیزی کرتا رہے تو یہ قصور خود اس کا ہے، نہ کہ ڈاکٹر کا، امید ہے کہ اس سے اشکال دور ہو جائے گا۔ (صدیق احمد)

فارسی کے چند اشعار کی تشریح

ایک صاحب نے فارسی کے چند اشعار لکھ کر حضرت سے ان اشعار کا مطلب ومفہوم دریافت کیا، وہ اشعار یہ ہیں۔

(۱) رنگ ہا در طبع ارباب قیاس آمیختہ (۲) نکتہ ہا در خاطر اہل بیان انداختہ

(۳) دجلہ ہا در ساغر معنی طراز اں ریختہ (۴) رشتہ ہا در کاسہ دریا وکاں انداختہ

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ان اشعار کی مندرجہ ذیل تشریح فرمائی۔

(۱) اہل قیاس یعنی فقہاء کی طبیعت میں طرح طرح کی رنگینی ملائی، یعنی فقہاء نے اپنی ذہانت اور سمجھ سے قرآن وحدیث سے مختلف قسم کے مسائل نکال کر بیان کیے۔

(۲) متکلمین اور واعظین کے دلوں میں مختلف قسم کے نکات واسرار کا القاء کیا جو وہ اپنی اپنی مجالس میں بیان کرتے ہیں۔

(۳) معنی اور حقیقت تک جن حضرات کی رسائی ہے ان کے پیالے میں دریا کے دریا بہادیئے، یعنی وہ حضرات ایک ایک جملہ کی مختلف توجیہات بیان کرتے ہیں۔

(۴) دریا اور زمین کی کانوں کے پیالے میں ایک دراز سلسلہ جاری کیا، یعنی دریا اور کانوں میں پیدا ہونے والے جواہرات اور طرح طرح کی چیزوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس سے لوگ نفع حاصل کر رہے ہیں۔

اس وقت جو سمجھ میں آیا تحریر کیا ہے اگر اصل کتاب ہوتی تو پورے طور پر اس کی وضاحت کی جا سکتی تھی۔ (صدیق احمد)

فقیہ ومفتی کیلئے فن بلاغت ومعانی سے بھی واقفیت ضروری ہے

احقر نے عرض کیا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ فقیہ ومجتہد کو علم بلاغت میں بھی مہارت ضروری ہے، بلاغت ومعانی کی فقہ میں کیا ضرورت ہے؟ فرمایا محاورات کی وجہ سے اس کی ضرورت پیش آتی ہے، کیونکہ محاورات کے بدلنے سے بھی احکام بدل جاتے ہیں، کبھی لہجہ اور انداز بیان کے بدلنے سے معانی میں فرق پڑجاتا ہے، اور یہ سب باتیں بلاغت ومعانی ہی کی مدد سے اچھی طرح سمجھ میں آتی ہیں۔

مولانا یعقوب صاحبؒ نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا تھا کہ تم نے مختصر المعانی پڑھ لی، جاؤ بازار جاؤ، دیکھو کہ لوگ بلاغت کے اصول استعمال کرتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ گئے اور واپس آکر جواب دیا کہ نہیں، فرمایا کہ تم نے بلاغت پڑھی نہیں، ورنہ بلاغت ومعانی کے اصول تو ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں رائج ہیں، دیہاتی اور جاہل بھی اس کو استعمال کرتے ہیں۔

ڈاڑھی منڈانے اور کترانے والے حافظوں پر یہ پابندی مت لگاؤ کہ تراویح نہ پڑھائیں بلکہ یہ کوشش کرو کہ شرع کے مطابق ڈاڑھی بھی رکھ لیں

حضرت اقدسؒ گاڑی میں تشریف لے جارہے تھے، کانپور کے قاری نفیس صاحب بھی رفیق سفر تھے، درمیان میں طلبہ کی بدحالی اور بداعمالی کا ذکر ہوا، قاری صاحب نے عرض کیا کہ اب تو طلبہ مدرسہ ومسجد میں ٹوپی لگاتے ہیں باہر نکلے تو سر سے ٹوپی اتارلیتے ہیں، میں نے اپنے یہاں شرط لگادی ہے کہ جو میرے مدرسہ میں پڑھے گا اس کو ہر جگہ ٹوپی لگانا ضروری ہے۔

ڈاڑھی کٹانے کا بھی رواج بہت ہوتا جارہا ہے، ایسے حفاظ جو ڈاڑھی کٹاتے یا منڈاتے ہیں اور رمضان کے قریب تھوڑی سی رکھالیتے ہیں، قاری صاحبؒ نے ان کے متعلق دریافت کیا حضرت نے فرمایا ہے تو غلط (ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے)

لیکن تراویح پڑھاتے رہیں، یہی غنیمت ہے، کسی طرح دین سے قریب تو رہیں، دین سے جڑے رہیں ورنہ سب کچھ چھوڑ بیٹھیں گے ابھی کم از کم اسی بہانہ ان کا قرآن محفوظ تو ہے اور کچھ لگاؤ باقی ہے، کوشش کی جائے آئندہ انشاء اللہ ڈاڑھی بھی رکھا لیں گے، اب تو وہ زمانہ ہے کہ دین سے تھوڑا تعلق بھی ہو تو اس کی قدر کرنا چاہئے،

قاری صاحبؒ نے عرض کیا کہ رمضان قریب آیا اور ہم لوگوں کو فکر سوار ہوگئی کہ جلدی جلدی دور کر و سنانا ہے، حضرت نے فرمایا مجھے بھی فکر لگی ہے کہ پتہ نہیں بیماری کی وجہ سے اس سال سنا سکوں یا نہیں،

حضرت نے فرمایا ڈاڑھی کٹانے والوں کو قرآن سنانے پر پابندی نہ لگاؤ بلکہ یہ کوشش کرو کہ تراویح پڑھانے والے پوری ڈاڑھی رکھالیں۔

اسلاف کا احسان

حضرت بخاری شریف جلد اول کی کتاب الایمان اور کتاب العلم کی ایک شرح تصنیف فرما رہے ہیں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دوران تحریر ذہن میں بہت سی ایسی باتیں آتی ہیں جو کہیں نہیں ملتیں نہ شروح میں نہ حواشی میں، میں سب کو لکھتا جارہا ہوں، ان کے لکھنے میں میں شروح وحواشی کا پابند نہیں، جو میری سمجھ میں آتا ہے وہ بھی لکھتا جاتا ہوں لیکن فضلیت تو بہر حال انھیں حضرات کی ہے الفضل للمتقدّم، جو کچھ بھی ہے سب انھیں کا فیض ہے، ہمارے ذہنوں میں بھی جو باتیں آتی ہیں وہ بھی انہیں کے طفیل میں، انھیں کی باتوں کو دیکھ کر ذہن منتقل ہوتا ہے، ان حضرات کا بڑا احسان ہے کہ سب لکھ کر چلے گئے آج ہم کو ان سے رہنمائی مل رہی ہے۔

حضرت والا سے ایک بدعتی کا سوال اور حضرت کا جواب

فرمایا ایک مرتبہ میں سفر کر رہا تھا ایک بدعتی نے دعویٰ کے انداز میں مجھ سے سوال کیا کہ قرآن پاک میں تو خود اللہ تعالیٰ نے حضور کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا ہے اور

استدلال میں یہ آیت پڑھی، وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (جب آپ نے پھینکا تو آپ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا، مطلب یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے ہاتھ سے کنکر مارے تھے تو واقعی حضور نے اپنے ہاتھ سے مارے تھے اس کے متعلق فرمایا گیا کہ اللہ نے مارا، تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے حضور کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا۔

میں نے کہا کہ اگر اس طرح استدلال سے حضور کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو پھر صحابہ کا ہاتھ بھی اللہ کا ہاتھ ہے، کیونکہ قرآن پاک میں ہے "فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ" یہ صحابہ کے متعلق ہے کہ جب کفار کو قتل کیا تو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے قتل کیا حالانکہ صحابہ ہی نے اپنے ہاتھوں سے تلوار چلائی تھی اور صحابہ ہی نے کفار کو قتل کیا تھا، تو صحابہ کا ہاتھ بھی اللہ کا ہاتھ ہوا، کہنے لگے کہ کیا قرآن میں یہ آیت ہے؟ میں نے کہا ہاں کہنے لگے کہاں؟ میں نے کہا اسی آیت سے پہلے دیکھ لو، بس خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہیں بن پڑا۔

اذا فات الشرط فات المشروط

فرمایا اذا وُجِدَ الشّرطُ وُجِدَ المشروط (یعنی جب شرط پائی جائے گی تو مشروط بھی پایا جائے گا) یہ قاعدہ تو صحیح ہے، اس میں تخلّف نہ ہوگا لیکن اذا فات الشرط فات المشروط یہ ضروری نہیں ہے، اس میں تخلف بھی ہو سکتا ہے، فقہاء جو فرماتے ہیں کہ مفہوم مخالف حجت نہیں ہے، اس کا یہی مطلب ہے۔

بڑوں کی باتیں بعد میں یاد آتی ہیں

فرمایا مولانا امیر احمد صاحبؒ ہم لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے، اور اس طرح کے جملے کثرت سے استعمال کرتے تھے، المقول غیر مدفوع، والمدفوع غیر مقول، المثبت غیر منفی، والمنفی غیر مثبت" یہ جملے سب انہیں سے سنے ہوئے اب تک کان میں پڑے ہیں، بڑوں کی باتیں اور ان کے جملے بعد میں یاد آتے ہیں، ابھی تو تم لوگ پڑھ رہے ہو، بعد میں تم کو بھی یہ باتیں یاد آئیں گی لیکن اگر پڑھو

پڑھاؤ گے تو یاد آئیں گی اور اگر تیل بیچنا ہے تو کوئی بات نہیں۔

اذان کے بعض کلمات میں مد

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حیّ علی الصلاۃ اور حیّ علی الفلاح میں وقف کی صورت میں گول ۃ اور حاء ساکن ہوگی، اسی طرح اشھد ان لاالٰہ الاّ اللّٰہ میں بھی لفظ اللہ کی ہا میں سکون عارضی کی وجہ سے مد کا قاعدہ تو پایا جاتا ہے، اس کے کھینچنے میں تو کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے، حضرت نے فرمایا وقف کی صورت میں تو مد کا قاعدہ پایا جاتا ہے، لیکن حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ زیادہ کھینچنے کو منع فرماتے ہیں، پھر حضرت نے فرمایا کہ اس مد کی جتنی مقدار کتابوں میں لکھی ہے اتنا کھینچے اس سے زائد نہ کھینچے، نیز مد ہی کی طرح مد کرے، گانے کی طرح ترنم اور لہر کر کے ساتھ نہ ادا کرے۔

''رمیۃ من غیر رام'' کی مثال

فرمایا ایک بادشاہ نے ایک محل کے اوپر ایک چھوٹا سا حلقہ کسی چیز کا رکھا جس میں چھوٹا سا سوراخ تھا اور یہ کہا جس کا تیر اس دائرہ کے اندر سے نکل جائے یعنی جس کا نشانہ اس میں لگ جائے اس کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دوں گا، بڑے بڑے تیر انداز آئے اور تیر مار کر چلے گئے، کسی کا نشانہ نہ لگا، ایک چھوٹا بچہ محل کے قریب کھیل رہا تھا، کبھی ادھر تیر مارے کبھی ادھر تیر مارے، اتفاق کی بات کہ ایک مرتبہ اس حلقہ کے اندر سے تیر نکل گیا اس وقت لوگوں نے کہا ''رمیۃ من غیر رام'' یعنی یہ ایسا نشانہ ہے یا ایسا تیر ہے جو بغیر تیر انداز کے ہے، یعنی یہ تیر اندازے سے نشانہ لگا کر نہیں چلایا گیا، اتفاق سے لگ گیا اسی وقت سے یہ مثل مشہور ہوگئی اور ہر اس کام کے لئے اور ہر اس شخص کے لئے کہا جانے لگا جس سے اس کام کی توقع نہ ہو لیکن اتفاق سے کبھی کر لے، جیسے کوئی نماز نہ پڑھتا ہو لیکن کبھی اتفاق سے پڑھ لے تو اس کو نماز پڑھتا دیکھ کر کہہ دیں رمیۃ من غیر رام، یا مثلاً کوئی عبارت نہ پڑھتا ہو یا غلط پڑھتا ہو اور اتفاق سے صحیح پڑھ دے اس وقت کہا جائے گا رمیۃ من غیر رام، یہ اہل عرب کا محاورہ اور ان کی کہاوت ہے۔ واللہ اعلم

نورالانوار وحسامی اور الاشباہ والنظائر وشرح وقایہ

حضرت اقدس الاشباہ والنظائر کا درس دے رہے تھے، جس میں قاعدہ اولیٰ انما الاعمال بالنیات کی بحث زیر درس تھی، حضرت نے فرمایا کہ اس کتاب میں اس کی عبارت پیچیدہ ہے اس بحث کو شرح وقایہ میں بڑی تفصیل سے اور بہت واضح لکھا ہے، مسئلہ بالکل صاف کردیا ہے، شرح وقایہ کی ساری بحثیں واضح ہیں،

اسی ضمن میں فرمایا الاشباہ والنظائر وغیرہ کتابیں اب نصاب میں داخل کردی گئیں ہیں اور باقاعدہ ان کو پڑھایا جانے لگا ہے، ورنہ پہلے تو مطالعہ ہی سے اہل علم سمجھ لیتے تھے، اور محض مطالعہ ہی ان کے لئے کافی ہوتا تھا،

اس ضمن میں فرمایا حسامی بھی اصول فقہ کی اہم کتاب ہے لیکن اس کی عبارت مشکل ہے، آدھی بات عبارت میں تو آدھی خود سمجھنا اور نکالنا پڑتی ہے، اس کے مقابلہ میں نورالانوار کی عبارت اور اس کا مطلب بالکل صاف واضح اور آسان بھی ہے۔

غسل کرنے کا فائدہ اور اتباع سنت کی برکت

کانپور میں جمیل بھائی کے یہاں حضرت ٹھہرے ہوئے تھے، سر اور بغل کے بال صاف کروائے ناخن ترشوائے ایک مفتی صاحب جو اس وقت موجود تھے حضرت نے ان سے دریافت کیا کہ سینے کے بال بنوانا کیسا ہے بڑی کھجلی معلوم ہوتی ہے، اُن مفتی صاحب نے عرض کیا کہ فقہاء نے مباح لکھا ہے، اس کے بعد حضرت نے غسل فرمایا اور غسل فرما کر تھوڑی دیر آرام فرمایا، اور فرمایا کہ غسل کرنے سے طبیعت میں بڑا انشراح ہوگیا، بالکل سکون ہوگیا، جب ظاہری صفائی اور طہارت کا یہ اثر ہے تو باطن کی صفائی کا کیا اثر ہوگا اور جس کو باطن کی صفائی حاصل ہو اس کو کتنا انشراح ہوتا ہوگا، غسل کرنے سے ایک قسم کی نورانیت سی آجاتی ہے، چستی آجاتی ہے طبیعت میں نشاط پیدا ہوجاتا ہے، طاعات میں جی لگتا ہے اسی لئے ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ غسل کرنے کو سنت قرار

دیا گیا ہے، سنت کی نیت سے غسل کرنے میں ثواب بھی ملتا ہے، کم از کم ہفتہ میں ایک مرتبہ تو ضرور غسل کر لینا چاہئے، میرے چچا تو روز غسل کیا کرتے تھے، صبح پہلے غسل کرتے اس کے بعد دوسرے کام کیا کرتے تھے، صحت کے لحاظ سے بھی غسل مفید ہے۔

یادداشت بھی اللہ کا فضل واحسان ہے

حضرت والا صبح کے وقت بعد فجر لائٹ بلب وغیرہ بجھانے کے لئے فرمانا چاہتے تھے، لیکن لفظ ''بجلی'' وغیرہ زبان پر نہیں آرہا تھا، ذہول ہو گیا، تھوڑی دیر بعد فرمایا اس وقت لفظ بجلی میری زبان پر نہیں آرہا تھا، بھول گیا تھا، ایک مرتبہ حبیب (حضرت اقدس کے بڑے صاحبزادے) کا نام زبان پر نہیں آرہا تھا بھول گیا تھا، ایک مرتبہ ماریہ (حضرت کی صاحبزادی) کا نام زبان پر نہیں آرہا تھا، تھوڑی دیر تک سوچتے رہے کہ کیا کہہ کر بلاؤں، عجیب حالت تھی، بعد میں دیکھا کہ شاہ عبد الغنی صاحبؒ کا بھی ایسا حال ہو گیا تھا، ایک مرتبہ خط لکھا تو اپنا نام بھول گئے کیا نام لکھوں۔

احقر راقم الحروف جامع ملفوظات عرض کرتا ہے کہ کثرت مشاغل اور ہجوم افکار کی بنا پر کبھی ایسا ہو جاتا ہے یہ نقص وعیب نہیں، حضرت تھانویؒ نے بھی اس نوع کے بعض واقعات لکھے ہیں، اللہ کی قدرت بہت بڑی ہے وہ ہر چیز پر ہر وقت قادر ہے، لینے پر بھی، دینے پر بھی۔

مسافر خانہ بنوانے کی تمنا

فرمایا عرصہ سے میری تمنا ہے کہ شہر باندہ میں کوئی مسافر خانہ اور اسپتال ہو جائے، لیکن اب تک کوئی اس کی صورت نہیں بن سکی، اسپتال بن جائے تو غریبوں کا کام چل جائے، خصوصاً عورتوں کے علاج کے سلسلہ میں بہت پریشانی ہوتی ہے۔

لوگ دوسری جگہ تو زمین اور روپئے خوب دیتے ہیں، نہ معلوم کس طرح دیتے ہیں اور یہاں کیوں نہیں دیتے، مولوی غلام صاحب سے لوگ کہتے ہیں کہ ہر ماہ مسجد بنوایئے اور ہم سے ہر مہینہ پیسے لیجئے، یہاں ایک مسافر خانہ نہیں بن پا رہا، اگر بن جائے تو بہت بڑی ضرورت پوری ہو جائے، مسلمان مسافر پریشان ہوتے ہیں۔

سفارشی خط کس کے پاس لکھا جاتا ہے

ایک صاحب نے حضرت اقدس سے سفارشی خط لکھنے کی درخواست کی، حضرت نے فرمایا سفارشی خط وہاں لکھا جاتا ہے جہاں کچھ امید ہو کہ بات سنی جائے گی، سفارش کا اثر ہوگا، اور جہاں سفارش کا کچھ اثر ہی نہ ہو تو سفارش کرنے سے کیا فائدہ، میں نے اپنے کام کے لئے فلاں صاحب کے پاس بھیجا تھا، لیکن انہوں نے کام نہیں کیا، حضرت نے ضرورت مند سے فرمایا کہ خود ہی جا کر ملاقات کرلو، ان سے کہہ دینا کہ ہم ایسی مجبوری و پریشانی کے حال میں آئے ہیں، مجبور آدمی تو تنکے کا سہارا لیتا ہے، ہم آپ کے پاس کچھ سہارا اور کچھ امید لے کر آئے ہیں، آپ تو علاقہ کے ہیں خاندان کے ہیں، حضرت نے فرمایا عجیب بات ہے کہ جو کرسی میں بیٹھ جاتا ہے پھر وہ سب کچھ بھول جاتا ہے، اس کو بس کرسی ہی دکھائی دیتی ہے۔

بلا اجازت دوسروں کی کتاب طبع کر لینے پر ناگواری

حضرت اقدس نے سلّم کی شرح ''اسعاد الفہوم'' کے نام سے تحریر فرمائی ہے جو ایک عرصہ تک طبع نہ ہوسکی تھی، بمشکل تمام کسی طرح اس کی طباعت ہوئی اللہ کی شان کہ بہت مقبول ہوئی اب بعض دوسرے مکتبہ والوں نے اس کو شائع کردیا، حضرت کو اس کا علم ہوا حضرت نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا، احقر نے اپنی کتاب العلم والعلماء کے متعلق عرض کیا کہ اس کو دوسرے مکتبہ والوں نے شائع کردیا ہے، احقر نے حضرت سے مشورہ کیا کہ کیا کروں خاموش رہوں؟ حضرت نے فرمایا نہیں ان کو خط لکھو، عجیب بات ہے، ایک شخص محنت کرے عرق ریزی سے کتاب تیار کرے کسی طرح اس کو طبع کرائے جب چلنے لگے تو دوسرے لوگ اس کو طبع کرالیں۔

حضرت نے اپنی ایک کتاب ایک صاحب کو طبع کرانے کے لئے دی لیکن بعض دوسرے لوگوں نے اس کو طبع کرالیا، حضرت کو اس کا علم بھی نہیں ہوا، احقر نے حضرت سے اس کا تذکرہ کیا حضرت نے فرمایا عجیب لوگ ہیں کم از کم تذکرہ تو کرتے اگر ابھی

کچھ کہہ دیا جائے تو برا لگ جائے گا۔

جن لوگوں نے احقر کی کتاب العلم والعلماء طبع کرائی تھی حضرت نے ان کی خدمت میں خط لکھنے کے لئے فرمایا تھا، احقر نے خط لکھ کر دکھلایا حضرت نے اس کا کچھ حصہ کاٹ دیا کچھ اضافہ فرمایا اور فرمایا اس کو بھیج دو، احقر نے کتابوں کے رجسٹریشن کی بابت دریافت کیا کہ یہ مناسب ہے یا نہیں فرمایا مسئلہ کی مجھ کو تحقیق نہیں احقر نے عرض کیا مسئلہ میں تو جائز ہے، مناسب ہونا نہ ہونا دریافت کر رہا ہوں، حضرت نے فرمایا اس میں کیا حرج ہے کرا لیجئے۔

جاہل کاتبوں کی حماقت

حضرت والا کا معمول ہے کہ عشاء کے بعد روزانہ اصلاح وتربیت سے متعلق طلبہ کو کوئی کتاب پڑھ کر سناتے ہیں کبھی وعظ ونصیحت فرماتے ہیں، اکثر اپنی کتاب آداب المتعلمین پڑھ کر سناتے ہیں، ایک مرتبہ عشاء کے بعد یہ کتاب پڑھ کر سنا رہے تھے، کسی مقام پر کتابت کی فحش غلطی تھی، حضرت نے فرمایا غلطی تو کتابت کی ہے، لیکن لوگ سمجھیں گے کہ اسی نے لکھا ہوگا۔

یہ کاتب لوگ بھی اپنی طرف سے اصلاح کیا کرتے ہیں، آج کل کے کاتب مشّاق تو ہوتے ہیں لیکن پڑھے لکھے نہیں ہوتے، تمیز نہیں ہوتی، پھر ایک واقعہ سنایا کہ ایک جلد ساز جلد بنایا کرتے تھے، اور خود کتابت کی اصلاح بھی کر دیا کرتے تھے، لوگ ان سے عاجز وپریشان تھے، ایک صاحب قرآن شریف کی جلد بنوانے کے لئے گئے اور یہ بھی تاکید کردی کہ خدا کے واسطے آپ اس میں اپنی طرف سے کچھ اصلاح نہ فرمایئے گا، وہ کہنے لگے بہت اچھا میں تو خیر خواہی کے پیش نظر کرتا ہوں، ورنہ لوگ تو پیسہ لے کر اصلاح کرتے ہیں، میری کیا غرض پڑی ہے، آپ منع کرتے ہیں بہت اچھا نہیں کروں گا، انہوں نے جلد بنادی جب لینے گئے تو قرآن پاک دیا اور کہا کہ آپ نے چونکہ منع کیا تھا اس لئے میں نے اصلاح نہیں کی ہے لیکن ایک ایسی فحش غلطی تھی

مجھ سے برداشت نہیں ہوئی اس لئے میں نے وہاں تو اصلاح بہت ضروری سمجھی اس کے علاوہ کچھ اصلاح نہیں کی، اس میں ایک مقام پر لکھا ہے، خرّ موسیٰ، (خر کے معنی گدھے کے ہیں) فرمایا خر (یعنی گدھا) تو عیسیٰ علیہ السلام کا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے پاس گدھا کہاں تھا، لہٰذا ''خرّ عیسیٰ'' ہونا چاہئے نہ کہ ''خر موسیٰ'' اس لئے وہاں پر تو میں نے اصلاح کر ہی دی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں کیا، آج کل کاتبوں کی قابلیت اسی انداز کی ہوتی ہے اللہ جہالت سے بچائے۔

ایک لطیفہ

حضرت کے پاس درس میں ایک طالب علم عبارت پڑھ رہے تھے، کتاب میں عبارت آئی ''مسالک'' (بمعنی مذاہب) ایک طالب علم نے اس کو ٹوکا اور کہا ''مَسَّا لکَ'' حضرت مسکرائے اور فرمایا ان کو دیکھو، پھر فرمایا ایک صاحب تقریر کر رہے تھے، اور بڑے زور وشور سے بیان کر رہے تھے، کہ قبر میں آ کر جب یاجوج ماجوج سوالات کریں گے، بجائے منکر نکیر کے یاجوج ماجوج کہہ رہے تھے، دوسرے صاحب زور سے کھنکارے اور کہتے ہیں کہ یاجوج ماجوج نہیں ہاروت ماروت۔

لطیفہ

فرمایا حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں ایک لطیفہ لکھا ہے کہ ایک شخص کے بہت کافی لڑکے تھے، بیسوں لڑکے تھے، اور سب کے نام اس نے الٰہی کے وزن پر رکھے تھے، کسی کا نام شان الٰہی کسی کا نام فضل الٰہی جب بہت لڑکے ہو گئے اور پھر ایک لڑکا اور ہو گیا اس کے نام کی بھی فکر ہوئی اور الٰہی کے وزن پر کوئی نام بھی نہ مل رہا تھا تو کہنے لگے اس کا نام رکھا جائے توبہ الٰہی۔

تمت بالخیر